إن الله وملئكته يصلون على النبي يايها الذين امنوا
صلوا عليه وسلموا تسليما

الصلوٰة والسلام

علی

خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ

ترجمہ: قاضی محمد سلیمان منصورپوری رحمہ اللہ سیشن جج ریاست پٹیالہ

ناشر

ادارہ ضیاء الحدیث - مدنی روڈ - مصطفےٰ آباد ○ لاہور

طابع وناشر ——— ادارہ ضیاء الحدیث لاہور

مطبع ——— دین محمدی پریس لاہور

تاریخ اشاعت ——— شوال المکرم ۱۳۹۲ھ
نومبر ۱۹۷۲ء

تعداد ——— ایک ہزار

قیمت ——— ۱۲/ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

عرضِ ناشر

یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تالیفِ لطیف جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام کا اردو پیکر ہے، موضوعِ کتاب نام سے ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام اور اس سے متعلقہ مسائل ومباحث پر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ کتاب کی علمی حیثیت کے تعارف کے لئے مصنفِ علامؒ کا نام ہی سب سے بڑی ضمانت ہے، ان کے عالمانہ وفاضلانہ اندازِ بحث اور ایمان وبصیرت افروز اسلوبِ بیان کی وضاحت سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ تاہم حضرت مصنفؒ کے الفاظ میں ہی موقع کی مناسبت سے کتابِ ہٰذا کے متعلق اتنا ضرور عرض ہے کہ اس موضوع پر اپنے انداز کی یہ منفرد کتاب ہے، نہ اس سے پہلے یہ مباحثِ علمیہ اور دقائقِ لطیفہ کسی صاحب نے لکھے نہ اس کے بعد اس اسلوب وانداز میں کوئی اور صاحب اس شرف سے بہرہ ور ہوئے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ

فاضل مترجم مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ سیشن جج ریاست پٹیالہ بھی اپنے دور کے جید عالم مایۂ ناز محقق اور مصنف ہی کی طرح سلفی العقیدہ اور ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ شغف ومحبت رکھنے والے بزرگ تھے جس کا سب سے بڑا ثبوت ان کی شہرۂ آفاق تالیف "رحمۃ للعالمین" ہے جو سیرتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بے مثل کتاب اور مقبولِ انام ہے، زیرِ نظر کتاب بھی ان کے جذبۂ حبِ رسول کا یوں سمجھئے گویا مظہرِ ثانی ہے کیونکہ یہ مضمون بھی سیرتِ مبارک ہی کا ایک گوشہ اور ذاتِ رسالت مآب ہی اس کا خاص موضوع ہے۔ فاضل مترجم کے جذبۂ حبِ رسول کی بے پناہی کا اندازہ اس سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ دوبارہ (۱۳۴۹ھ میں) جب سفرِ حج پر تشریف لے گئے تو واپسی پر جہاز ہی میں آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور شمعِ رسالت کے اس پروانے کی نعش وہیں بحرِ تلاطم خیز کی موجوں کی نذر کر دی گئی گویا محبوب کی راہ میں آنے والا طویل وعمیق بحرِ ناپیدا کنار آپ کی قبر ہے۔

تَغَمَّدَهُ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ وَرِضْوَانِهٖ

یہ کتاب آج سے کئی سال قبل مترجم کی زندگی میں طبع ہوئی تھی، اس کے بعد جلد ہی یہ کتاب نایاب ہو گئی، اور جب سے ہی شائقین اور اصحابِ ذوق اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں، کتاب کی اسی اہمیت اور شوق کے پیشِ نظر اس گلدستۂ سعادت کو ہم دوبارہ شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

ناظم ادارہ ضیاء الحدیث لاہور

فہرست مضامین

مقدمۃ المؤلف رح

معلوم نہیں کیا وجہ ہوئی کہ حضرت قاضی صاحب رح کے ترجمہ میں کتاب جلاء الافہام کے مقدمہ کا ترجمہ شامل نہیں اتمام فائدے کے پیش نظر ترجمہ کے ساتھ عربی مقدمہ کا متن بھی دیا جا رہا ہے۔

قال الشیخ الامام العالم العلامۃ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب الزرعی ابن القیم الحنبلی امام الجوزیۃ رحمہ اللہ، ھذا کتاب سمیتہ جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام وھو خمسۃ ابواب وھو کتاب فرد فی معناہ لم یسبق الی مثلہ فی کثرۃ فوائدہ وغزارتھا بینا فیہ الاحادیث الواردۃ فی الصلوٰۃ والسلام علیہ وصحیحھا من حسنھا و معلولھا وبینا ما فی معلولھا من العلل بیانا شافیا ثم اسرار ھذا الدعاء و شرفہ وما اشتمل علیہ من الحکم والفوائد ثم مواطن الصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم ومحالھا ثم الکلام فی مقدار الواجب منھا واختلاف اھل العلم فیہ وترجیح الراجح وتزییف المزیف ومخبر الکتاب فوق وصفہ والحمد للہ رب العالمین۔

اس کتاب کا نام میں نے جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام رکھا ہے، اس کے پانچ ابواب ہیں، اپنے موضوع پر یہ کتاب گراں قدر مواد اور کثرتِ فوائد میں اس طرح منفرد ہے کہ ابھی تک کسی نے اس انداز سے کوئی چیز نہیں لکھی۔ ہم نے اس میں وہ حدیثیں جمع کر دی ہیں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کے سلسلے میں آتی ہیں اور معلول حدیثوں کی علتوں پر بھی اچھی طرح روشنی ڈال دی ہے۔

علاوہ ازیں اس دعاء (درود شریف) کے اسرار، اس کے فضل و شرف اور جن حکمتوں اور فوائد پر یہ مشتمل ہے، اس کی وضاحت کی گئی ہے، اور اُن مواطن (مقامات) کا ذکر کیا گیا ہے جہاں جہاں درود کا پڑھنا مسنون و مستحب ہے پھر درود کی مقدارِ واجب، اس میں اہلِ علم کا اختلاف اور راجح اور غیر صحیح مذہب کا بیان ہے، بہر حال کتاب کی خوبیاں بیان سے ما فوق ہیں جس کا اندازہ کتاب کا پڑھنے والا ہی کر سکتا ہے۔

والحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے کے بارہ میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس کے بیان میں

ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ سعد بن عبادہ رضؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ بشیر بن سعد رضؓ نے عرض کیا کہ اللہ تعالےٰ کا حکم ہے کہ حضورؐ پر صلوٰۃ بھیجی جائے۔ ہم کیونکر صلوٰۃ بھیجیں۔ فرمایا کہا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ پھر فرمایا کہ سلام کو تم جانتے ہی ہو۔ اس حدیث کو امام احمدؒ و مسلمؒ و نسائیؒ و ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذیؒ نے صحیح بتلایا ہے۔ امام احمد نے بشیر بن سعد کے سوال میں یہ الفاظ زیادہ روایت کیے ہیں۔

"جب ہم نماز کے اندر درود پڑھا کریں تو کس طرح پڑھا کریں"

اس باب کی بحث چند فصول میں ہے۔

فصل اوّل

احادیث صلوٰۃ کے راویوں کے بیان میں

واضح ہو کہ احادیث صلوٰۃ کے راوی صحابہؓ ذیل ہیں۔

(۱) ابو مسعود انصاری بدری - (۲) کعب بن عجرہ (۳) ابو حمید الساعدی (۴) ابو سعید خدری (۵) طلحہ بن عبید اللہ (۶) زید بن حارثہ جن کو ابن خارجہ بھی کہتے ہیں - (۷) علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ (۸) ابوہریرہ (۹) بریدہ بن الحصیب (۱۰) سہل بن سعد الساعدی (۱۱) ابن مسعود (۱۲) فضالہ بن عبید (۱۳) ابوطلحہ انصاری (۱۴) انس بن مالک (۱۵) عمر فاروق رضؓ (۱۶) عامر بن ربیعہ (۱۷) عبدالرحمٰن بن عوف (۱۸) ابی بن کعب (۱۹) اوس بن اوس (۲۰) حسن بن علی مرتضیٰ (۲۱) حسین بن علی مرتضیٰ (۲۲) فاطمہ زہرا (۲۳) براء بن عازب (۲۴) رویفع بن ثابت الانصاری (۲۵) جابر بن عبداللہ (۲۶) ابورافع مولیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (۲۷) عبداللہ بن ابی اوفیٰ (۲۸) ابوامامہ الباہلی (۲۹) عبدالرحمٰن بن بشر بن مسعود (۳۰) ابوبردہ بن نیار (۳۱) عمار بن یاسر (۳۲) جابر بن سمرہ (۳۳) ابوامامہ بن سہل بن حنیف (۳۴) مالک بن حویرث (۳۵) عبداللہ بن جزء الزبیدی (۳۶) ابن عباس (۳۷) ابوذر رضؓ (۳۸) واثلہ بن اسقع (۳۹) ابوبکر صدیق رضؓ (۴۰) عبداللہ بن عمر (۴۱) سعید بن عمیر انصاری - جو اپنے باپ عمیر سے روایت کرتا ہے اور وہ اصحاب بدر میں سے ہے (۴۲) حبان بن منقذ - رضی اللہ عنہم اجمعین -

واضح ہو کہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بالا صحیح ہے - امام احمد رح نے جو زیادت روایت کی ہے اس کے شروع میں ہے کہ وہ ایک آدمی آیا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا اور سوال کیا کہ جب ہم نماز میں ہوں تو کیونکر درود پڑھا کریں" آپ خاموش ہو رہے حتیٰ کہ ہم کہنے لگے - کاش یہ شخص سوال ہی نہ کرتا - پھر آپ نے ارشاد فرمایا: کہا کرو - اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَاٰلِ اِبْرَاھِیْمَ "الحدیث -

ابن خزیمہ رح وحاکم رح نے بھی اپنی اپنی صحیح میں اس زیادۃ کو روایت کیا ہے - اور حاکم نے اس کو شرط مسلم پر بتلایا ہے - مگر یہ حاکم رح کی سہل انگاری ہے کیونکہ مسلم نے اصول میں ابن اسحٰق سے حجت نہیں پکڑی - بلکہ متابعات وشواہد میں اُسے لائے ہیں -

اس زیادۃ میں علت یہ بتلائی گئی ہے کہ اس روایت میں ابن اسحٰق اکیلا ہے - اور دیگر راویوں سے خلاف کرتا ہے - اس کے دو جواب ہیں -

۱ - ابن اسحٰق ثقہ ہے اور کسی نے ایسا جرح نہیں کیا کہ ترک حجت اس سے مزدرہو

ہو۔ بڑے بڑے ائمہ نے اُسے ثقہ کہا اور حفظ و عدالت کے ساتھ اس کی تعریف کی ہے اور بہ ظاہر ہے کہ روایت کے لیے یہی دونوں اوصاف رکن ہیں۔

۲۔ ابن اسحٰق کی روایت میں تدلیس کا خوف ہوتا ہے لیکن یہاں محمد بن ابراہیم سے سماعت کی صراحت ہے۔ پس وہ شبہ جاتا رہا۔ سنن میں دار قطنی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے راوی سب ثقہ ہیں۔ علل میں ہے کہ دار قطنی سے اس بارہ میں پوچھا گیا۔ کہا محمد بن اسحٰق تو محمد بن ابراہیم تیمی سے وہ محمد بن عبداللہ بن زید سے وہ ابو مسعود سے روایت کرتا ہے۔ اور نعیم المجمر نے محمد بن عبداللہ سے روایت کی ہے۔ اختلاف نعیم سے پڑا۔ کیونکہ مالک بن انس (اور علی ہذا قعنبی و معن و اصحاب عطا) تو عن نعیم عن محمد عن ابی مسعود روایت کرتے ہیں۔ اور حماد بن مسعدہ عن نعیم عن محمد بن زید عن ابیہ کہتا ہے۔ مگر یہ وہم ہے۔ داؤد بن قیس الفراء عن نعیم عن ابی ہریرہ کہتا ہے اس میں روایت مالک کا خلاف ہے۔ مگر روایت مالک صواب تر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس زیادت میں اختلاف ابن اسحٰق سے ہوا ہے۔ کیونکہ ابراہیم ابن سعد تو ابن اسحٰق سے زیادۃ کے ساتھ روایت کرتا ہے اور زہیر بن معاویہ اسی سے بغیر زیادت کے۔ عبد بن حمید نے مسند میں احمد بن یونس سے طبرانی نے معجم میں زہیر سے جو روایت کی ہے وہ بھی بلا زیادت ہے۔ واللہ اعلم۔

ابو مسعودؓ صحابی کا حال

ابو مسعود صحابی راوی حدیث کی نسبت عبداللہ بن احمد مقدسی نسب الانصار میں لکھتے ہیں کہ ان کا نام عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ ہے۔ ان کو بدری اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بدر میں اترے یا ٹھہرے تھے۔ جمہور علماء سیر کا اتفاق ہے کہ یہ بدر کے غزوہ میں شریک نہیں ہوئے مگر بعض کہتے ہیں کہ شریک ہوئے تھے۔ ہاں اس پر اتفاق ہے کہ بیعت عقبہ میں شامل ہوئے تھے۔ امیر المومنین علی مرتضیٰ رضؓ نے ان کو لشکر کشی صفین کے وقت والی کوفہ بنایا تھا۔ اور عید کے روز ان کو اپنا نائب بنا کر مسجد میں ضعفاء کو نماز پڑھانے کے لیے چھوڑ جایا کرتے تھے۔ ۴۰ھ یا ۴۱ھ ہجری کے بعد انہوں

سے وفات پائی۔

میں کہتا ہوں کہ غزوہ بدر میں ان کے شریک ہونے کا ذکر چار ائمہ نے کیا ہے۔ امام بخاریؒ و ابن اسحٰقؒ و زہریؒ[1] (چوتھا نام کتاب میں نہیں)۔

⑥ دوم۔ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے اہل صحاح و اصحاب سنن و مسانید نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے۔ الحمد للہ اس حدیث میں کچھ شبہ نہیں۔ صحیحین کے لفظ ابن ابی لیلیٰ سے یہ ہیں ؎

"مجھے کعب بن عجرہ ملے کہا میں تم کو ایک تحفہ دوں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے ہم نے عرض کیا کہ حضور پر سلام بھیجنے کا طریق تو ہم جان چکے ہیں۔ فرمائیے صلوٰۃ کیونکر بھیجیں فرمایا کہا کرو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ؕ

کعب بن عجرہ کی ایک اور حدیث ہے جسے حاکم نے مستدرک میں اپنی اسناد سے بیان کیا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حاضر ہو جاؤ۔ ہم حاضر ہو گئے۔ جب آنحضرتؐ نے منبر کے پہلے زینہ پر قدم رکھا تو آمین کہا۔ پھر دوسرے زینے پر قدم رکھا تو آمین کہا۔ پھر تیسرے درجہ پر قدم رکھا تو آمین کہا جب فارغ ہوئے تو منبر سے اترے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے حضور سے جو آج سنا وہ پہلے نہ سنا تھا۔ فرمایا

"جبرئیلؑ میرے سامنے آئے اور کہا جسے رمضان ملا اور وہ بخشا نہ گیا وہ بھی (رحمت سے) دور ہے۔ میں نے کہا آمین۔ میں نے دوسرے زینے پر قدم رکھا تو جبرئیلؑ نے کہا جس شخص کے سامنے آپ کا نام لیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے وہ بھی (رحمت سے) دور۔ میں نے آمین کہا۔ میں نے تیسرے زینہ پر قدم رکھا۔ جبرئیلؑ نے کہا جس نے والدین کو یا دونوں میں سے ایک کو بڑھاپے میں پایا اور جنت میں داخل نہ ہوا وہ بھی (رحمت سے) دور۔

---

[1] عقبہ ثانیہ کی بیعت میں شامل ہوئے اور غزوہ احد میں بھی۔ جنگ بدر میں ان کی شمولیت کو ابن مندہ ابونعیم و ابن عبداللہ نہ علامہ سیکر نے صحیح تسلیم نہیں کیا۔ محمد سلیمان عفی عنہ۔

میں نے آمین کہا۔“
حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

کعب صحابی کا حال

کعب بن عجرہ صحابی انصاری سلمی رضی اللہ عنہ جو راوی حدیث ہیں ان کی کنیت ابو اسحٰق ہے۔ ان کا شمار بنی سالم میں ہوتا ہے۔ یہ عمرو بن عوف قوقل کے بھائی ہیں عمرو بن عوف صاحب مال و منال شخص تھا جب کوئی خوف رسیدہ اس کے پاس پناہ کے لیے آتا تو وہ کہا کرتا۔ قوقل حیث شئت مطلب یہ کہ اترو اور امن سے رہو۔ کثرت استعمال سے وہ خود قوقل اور ان کی اولاد قواقلہ مشہور ہو گئی۔

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ کعب بن عجرہ بن امیہ بن عدی بن عبید اللہ بن الحارث البلوی ہیں یہ بنی سواد میں سے ہیں اور انصار کے حلیف۔ بعض کہتے ہیں بنی حارثہ کے حلیف۔ بعض کہتے ہیں۔ بنی سالم کے (جو انصار میں سے ہے) حلیف۔ واقدی کہتے ہیں یہ انصار کے حلیف نہیں بلکہ ان میں سے ہیں۔ ابن سعد کہتے ہیں۔ میں نے انصار میں ان کا نام ڈھونڈا نہ ملا۔ ان کی کنیت ابو محمدؐ ہے۔ اور آیت فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ۔ ان کے لیے اتری تھی۔ یہ کوفہ بھی گئے تھے۔ ان کی وفات مدینہ منورہ میں سنہ ۵۱ یا ۵۲ یا ۵۳ کو ۷۵ سالہ عمر میں ہوئی۔ اہل مدینہ و کوفہ نے ان سے روایت کی ہے۔

سوم حدیث ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی ہے۔ جسے بخاری و مسلم ابو داؤد و نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر درود کس طرح بھیجیں۔ فرمایا کہا کرو۔

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔

ابو حمید ساعدیؓ کا حال

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ابو حمید ساعدیؓ کے نام میں اختلاف ہے کوئی تو منذر بن سعد بن منذر کوئی عبد الرحمٰن بن سعد بن منذر کوئی عبد الرحمٰن بن عمرو بن سعد بن مالک کہتا ہے۔ یہ

اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں۔ امیر معاویہ رضہ کے آخر عہد حکومت میں ان کا انتقال ہوا۔ صحابہ میں سے جابر رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے عروہ بن زبیر۔ عباس بن سہل بن سعد۔ محمد بن عمرو بن عطاء۔ خارجہ بن سعد۔ ابن ثابت۔ اور اہل مدینہ کے تابعین کی ایک جماعت ان سے روایت کرتی ہے۔

(۴) حدیث چہارم۔ ابو اسید ابو حمید کی ہے جسے مسلم رح نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب مسجد میں آؤ تو اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب نکلو تو اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ کہا کرو۔

(۵) حدیث پنجم۔ ابو سعید خدری کی ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر سلام کرنے کو تو ہم جان گئے مگر آپ پر درود کیونکر بھیجیں۔ فرمایا کہا کرو۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ اس کو صحیح میں امام بخاری رح نے اور نسائی و ابن ماجہ نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ابو سعید خدری رضہ کا حال

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ[1] کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے اور اپنی کنیت سے ہی مشہور ہیں۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ ان کا مشہد اول خندق ہے انہوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہو کر ۱۲ غزوہ کئے ہیں۔ یہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہائے کثیرہ کو حفظ کیا تھا۔ ان سے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

(۶) حدیث ششم طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔ مسند احمد رح میں ہے کہ ہم نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور پر درود کیونکر بھیجا کریں۔ فرمایا کہا کرو۔

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد وبارك على محمد كما باركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد ؕ

---

[1] انصاری خزرجی۔ قاضی محمد سلیمان عفی عنہ۔

نسائی نے یوں کہا ہے کہ ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہو اللھم صل علی محمد کما صلیت علی ابراھیم انک حمید مجید وبارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم انک حمید مجید۔ نسائی نے اسحق بن ابراہیم کے طریق سے یوں روایت کی ہے اللھم صل علی محمد کما صلیت علی ابراھیم وآل ابراھیم انک حمید مجید و بارک علی محمد وآل محمد کما بارکت علی ابراھیم وآل ابراھیم انک حمید مجید عثمان بن عبداللہ بن موہب جو نسائی کی دونوں روایتوں اور امام احمد رح کی روایت کا راوی ہے۔ اس حدیث کو موسیٰ بن طلحہ سے روایت کرتا ہے۔ اور شیخین نے بھی اس کی روایت عن موسیٰ بن طلحہ سے حجت پکڑی ہے۔

حدیث ہفتم زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کی ہے جسے امام احمد رح نے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضور.......... پر صلوۃ کی کیا کیفیت ہے۔ فرمایا درود بھیجو۔ اور اس میں جہد و کوشش کرو اور یوں کہو۔ اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی آل ابراھیم انک حمید مجید۔ نسائی و اسمٰعیل بن اسحٰق و حافظ ابو عبداللہ بن مندہ نے بھی اس کو اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

زید رض بن حارثہ کا حال

زید بن حارثہ رض راوی حدیث بنی سلمہ میں سے ہیں۔ ان کا نسب یوں ہے۔ زید بن ثابت بن ضحاک بن حارثہ بن زید بن ثعلبہ انہی کو ابن خارجۃ الخزرجی الانصاری کہتے ہیں " یہ تو ابن مندہ کا ذکر الصحابہ میں بیان ہے۔ لیکن ٹھیک یہ ہے کہ زید بن خارجہ ابن ابی زہیر الانصاری الخزرجی ہیں۔ بدر میں شامل ہوئے اور عثمان ذوالنورین رض کی خلافت میں وفات پائی۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے وفات کے بعد بھی گفتگو کی ہے جیسا کہ ابو نعیم و ابن عبدالبر نے لکھا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بعد مرگ کلام کرنے والے خارجہ بن زید تھے۔ مگر قول اول صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

حدیث ہشتم سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے ترمذی نے روایت کیا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْبَخِیْلُ الَّذِیْ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔ بخیل وہ ہے جس کے روبرو میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر

درود نہ پڑھے ۔

ترمذی نے اس کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔ اور بعض نسخوں میں حسن غریب لکھا ہوا ہے۔ نسائی نے سنن میں۔ ابن حبان نے صحیح میں۔ حاکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا ہے۔

حسن بن عرفہ نے منقوع طریق پر علی مرتضےٰ رض سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ دُعَاءٍ اِلَّا بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ حِجَابٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا صُلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْخَرَقَ الْحِجَابُ اسْتُجِيْبَ الدُّعَاءُ وَاِذَا لَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُسْتَجَبِ الدُّعَاءُ

جو دعا ہے اس میں اور آسمان میں حجاب ہوتا ہے جب تک رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا جاوے۔ جب درود پڑھا گیا حجاب اٹھ گیا اور دعا قبول کی گئی۔ اور جب درود نہ پڑھا گیا تو دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔

اس حدیث میں تین علل ہیں۔

ا۔ یہ حارث اعور عن علی کی روایت سے ہے۔

ب۔ شعبہ نے بیان کیا ہے کہ ابو اسحٰق سبیعی نے حارث سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں۔ یہ حدیث ان میں سے نہیں۔

ج۔ ثابت نے (جو ابو اسحٰق سے ہی روایت کرتا ہے) اس حدیث کو حضرت علی رض تک موقوفاً روایت کیا ہے۔

نسائی نے حضرت علی رض کی حدیث کو اپنی اسناد کے ساتھ یوں روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّكْتَالَ بِالْمِكْيَالِ الْاَوْفٰى اِذَا صَلّٰى عَلَيْنَا اَهْلَ الْبَيْتِ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

جس شخص کو یہ پسند ہو کر پورے پیمانوں کے ساتھ اسے اجر ملے تو چاہیئے کہ جب ہم اہلبیت پر درود پڑھے تو یوں پڑھے اللھم اجعل الخ

اس سند میں عثمان بن یسار جو راوی ہے ابن حبان رح نے اسے ثقہ کہا ہے۔ اور بخاری رح نے کہا ہے کہ آخر عمر میں اس کی عقل جاتی رہی تھی۔ ابو حاتم رازی کا قول ہے

کر وہ نہ قوی ہے نہ متروک۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس اختلاط کی وجہ سے جس کا آخر میں ہونا
بیان کیا جاتا ہے اس کی حدیث میں جو کچھ ہے وہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں ایک اور علت ہے یعنی اس میں موسیٰ بن اسمٰعیل تبوذکی
نے عمرو بن عاصم کا خلاف کیا ہے۔ کیونکہ عمرو بن عاصم تو حبان بن یسار سے اپنی سند کو
علی مرتضیٰ تک پہنچاتا ہے۔ اور موسیٰ بن اسمٰعیل اسی حبان بن یسار سے روایت کرتا ہوا
اپنی سند کو ابوہریرہ رضہ تک پہنچاتا ہے۔ ابوداؤد نے موسیٰ بن اسمٰعیل سے ہی روایت کی
ہے۔ اس میں ایک اور علت یہ ہے کہ عمرو بن عاصم تو حبان بن یسار کے بعد راوی کا نام عبدالرحمٰن
بن طلحہ الخزاعی بتاتا ہے۔ اور موسیٰ بن اسمٰعیل راوی کا نام عبیداللہ بن طلحہ بن عبیداللہ بن کریز
اور تاریخ بخاری رح و کتاب ابن ابی حاتم اور ثقات ابن حبان و تہذیب الکمال ابوالحجاج المزی
میں بھی اسی طرح ہے۔ اب یا تو عمرو بن عاصم ہی کو راوی کے نام میں وہم ہوا ہے اور یا وہ
دونوں جدا جدا ہیں۔ مگر عبدالرحمٰن بن طلحہ مجہول ہے۔ اس حدیث کے سوا کہیں معروف نہیں۔
اور متقدمین میں سے کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ عمرو بن عاصم سے گو بخاری و مسلم روایت
کرتے اور حجت پکڑتے ہیں۔ مگر موسیٰ بن اسمٰعیل اس سے زیادہ حافظ ہے۔ اور اس حدیث
کی بروایت ابوہریرہ رضہ دوسری سند اور متن سے اصلیت فرد نہ ہے۔ جس کا ذکر ہم کر چکے

حدیث نہم ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔ محمد بن اسحاق السراج نے اپنی سند کے
ساتھ ابوہریرہ رضہ سے روایت کی ہے کہ صحابہ نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے
سوال کیا کہ حضور پر درود کیونکر بھیجیں۔ فرمایا کہا کرو۔ اللّٰہم صلّ علی محمدٍ و علی آلِ محمدٍ و بارک
علی محمدٍ و علی آلِ محمدٍ کما صلیتَ و بارکتَ علی ابراھیم و آلِ ابراھیم فی العالمین
انک حمیدٌ مجیدٌ رہا سلام وہ تم جانتے ہی ہو۔

یہ اسناد صحیح اور شرط شیخین پر ہے۔ اسے ابن مندہ نے روایت کیا ہے امام
شافعی رح نے حدیث ابوہریرہ رضہ یوں روایت کی ہے ذکر سوال کے جواب میں فرمایا کہو
اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و بارک علی محمد و آل محمد کما
بارکت علی ابراھیم ثم تسلمون علیّ یعنی پھر مجھ پر سلام کہو۔ ابراہیم جس سے یہ حدیث امام شافعی
روایت کرتے ہیں۔ ابن ابی یحییٰ اسلمی ہیں۔ شافعی رح اس کی منقصت و فرو گذاشت پر بھی اس سے
حجت پکڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابراہیم کا آسمان پر سے گرایا جانا اس کے جھٹلانے سے

مجھے گوارا تر ہے۔ امام مالک رح و دیگر اشخاص نے اس میں تکلم کیا اور ضعف و ترک کا اشارہ کیا ہے۔ اور امام مالک رح و احمد و یحیٰے بن سعید القطان اور یحیٰے بن معین و نسائی نے اس کے کذب کی صراحت کی ہے حافظ ابن عقدہ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ابی یحیٰے کی حدیث میں بہت نظر کی۔ وہ منکر الحدیث نہیں۔ ابو احمد بن عدی بھی اس قول سے اتفاق کر کے کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم کی بہت حدیثوں میں نظر ڈالی ان میں کوئی منکر نہیں ہاں شیوخ مجہول ہیں تو یہ ضعف ان میں اور ان کی جہت سے ہے۔ ابراہیم کی احادیث پر میں نے عبور کیا۔ تفتیش کی نظر دوڑائی لیکن ان میں کوئی منکر نہیں۔ محمد بن سعید اصبہانی بھی امام شافعی رح کے ساتھ ابراہیم کی توثیق کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود کی احادیث ابو ہریرہ رض اور بھی ہیں۔ ایک وہ ہے جسے عشاری نے اپنی اسناد کے ساتھ ابو ہریرہ رض سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ وَکَّلَ اللّٰہُ بِہٖ مَلَکًا یُبَلِّغُنِیْ وَکُفِیَ اَمْرَ دُنْیَاہُ وَاٰخِرَتِہٖ وَکُنْتُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ شَہِیْدًا وَ شَفِیْعًا ۔

جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اللہ تعالےٰ ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے۔ جو مجھے پہنچا دیتا ہے۔ اور (درود کا پڑھنا) اس شخص کے دنیا و آخرت کے کام کو کفایت دیتا ہے۔ اور قیامت کے دن میں اس کا شہید (گواہ) و شفیع ہوں گا۔

اس حدیث میں محمد بن موسیٰ پوزادی ہے وہ محمد بن یونس بن موسیٰ کدیمی ہے۔ جو متروک الحدیث ہے۔

ایک حدیث صالح مولیٰ توأمہ کی ابو ہریرہ رض سے ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ یَذْکُرُوا اللّٰہَ وَلَمْ یُصَلُّوْا عَلٰی نَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا کَانَ مَجْلِسُھُمْ عَلَیْھِمْ تِرَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِنْ شَاءَ عَفَا عَنْھُمْ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَھُمْ ۔

کسی مجلس میں کوئی قوم ایسی نہیں بیٹھتی جو ذکرِ خدا اور صلوٰۃ بر نبی نہ کرے مگر یہ کہ وہ مجلس ان کے لیے قیامت کو حسرت ہو گی۔ خدا چاہے ان کو معاف کرے چاہے ان کو پکڑے۔

ترمذی نے اس کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا اور حسن تبلایا ہے پھر ایک اور سند سے بھی روایت کیا۔ اسمٰعیل بن اسحٰق نے کتاب فضل الصلوٰۃ میں اور ابوداؤد و نسائی نے سنن میں۔ ابن حبان نے صحیح میں اس کو روایت کیا ہے۔ ابن حبان کی شرط سند مسلم پر ہے۔ ابن حبان نے دوسری سند کے ساتھ یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔

مَاقَعَدَ قَوْمٌ مَقْعَدًا لَايَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فِيْهِ وَ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ اِنْ دَخَلُوا الْجَنَّةَ لِلثَّوَابِ ۵

(یعنی جس مجلس میں ذکر خدا و صلوٰۃ نبی نہیں ہوا وہ ان لوگوں کے لیے قیامت کو حسرت کا سبب ہوگی۔ گو وہ ثواب کے لیے جنت میں ہی داخل ہو جاویں)۔

یہ سند شرط شیخین پر ہے۔ حاکم نے اپنی سند کے ساتھ اس کو روایت کر کے سند کو شرط بخاری پر تبلایا ہے۔ مگر اس میں جائے شبہ ہے۔ کیونکہ ابراہیم بن حسن بن یزید کی روایت آدم بن ابی ایاس سے ہے اور یہ ضعیف ہے۔ اس میں تکلم کیا گیا ہے۔ اور علت اس میں یہ ہے کہ ابواسحٰق فزاری اعمش سے وہ ابی صالح سے وہ ابوہریرہ رضہ سے موقوفاً روایت کرتا ہے۔ اور شعبہ رحمتہ اللہ علیہ صالح مولی التوأمہ سے روایت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اوروں کو بھی منع کرتے تھے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں۔ وہ ثقہ نہیں۔ اس سے کچھ نہ لیا جائے یحیےٰ کہتے ہیں وہ حدیث میں قوی نہیں۔ ایک بار کہا ثقہ نہیں۔ ایک بار کہا ثقہ ہے۔ سعدی کا قول ہے "یہ تغیر ہو گیا تھا"۔

نسائیؒ کہتے ہیں ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ صالح کے بارہ میں حفاظ کے تین قول ہیں تیسرا قول سب میں بہتر ہے۔ یعنی فی نفسہٖ تو وہ ثقہ ہے۔ مگر آخر عمر میں اُسے تغیر ہو گیا تھا جس کا سماع اس سے قدیم ہے وہ صحیح ہے اور جس کا سماع آخر میں ہے اس میں کچھ (ضعف) و نقص) موجود ہے۔ ابن ابی ذئب۔ ابن جریج۔ زیاد بن سعد کا سماع تو اس سے قدیم ہے اور مالک و ثوری نے اُسے اختلاط کی حالت میں پایا ہے۔ یہ فیصلہ امام احمد کا ہے۔ کیونکہ ان کا قول ہے کہ جس نے اس سے قدیم سنا ہے۔ اس میں کچھ ڈر نہیں۔

واضح ہو کہ اسی حدیث کو سلیمان بن بلال نے بھی سہیل سے وہ اپنے باپ سے۔ اس نے ابوہریرہ رضہ سے روایت کیا ہے۔ مگر اس میں درود بر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں۔ ابن ابی ادریس جو عبدالعزیز بن ابی حازم سے روایت کرتا ہے اور وہ سہیل سے۔ اس نے

بھی سلیمان بن بلال کی ہی متابعت کی ہے۔

ایک حدیث ابوہریرہ رض کی وہ ہے جسے اسمٰعیل نے کتاب الصلوٰۃ میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ عَلَیَّ زَکٰوۃٌ لَّکُمْ قَالَ وَاسْئَلُوا اللّٰہَ لِیَ الْوَسِیْلَۃَ قَالَ فَاَمَّا حَدَّثَنَا وَاِمَّا سَاَلْنَا قَالَ اَلْوَسِیْلَۃُ اَعْلٰی دَرَجَۃٍ فِی الْجَنَّۃِ لَا یَنَالُھَا اِلَّا رَجُلٌ وَاَرْجُوْا اَنْ اَکُوْنَ ذَالِکَ الرَّجُلُ ۔

مجھ پر درود بھیجو تمہارا درود پڑھنا تمہارے لیے ستھرائی اور پاکیزگی ہے۔ فرمایا اللہ تعالےٰ سے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا کرو۔ (پھر خود ہی یا ہمارے سوال کرنے پر فرمایا) وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے جو صرف ایک کو ہی ملیگا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہوں گا۔)

ابن ابی شیبہ نے بھی اس کو مسند میں روایت کیا ہے۔

اسمٰعیل نے ایک یہ حدیث ابوہریرہ رض بھی اپنی مسند کے ساتھ روایت کی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

صَلُّوْا عَلٰی اَنْبِیَاءِ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ فَاِنَّ اللّٰہَ بَعَثَھُمْ کَمَا بَعَثَنِیْ ۔

خدا کے نبیوں اور رسولوں پر درود بھیجا کرو۔ کیونکہ ان کو بھی اللہ نے مبعوث کیا تھا۔ جیسا مجھے کیا ہے (صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین)

میں کہتا ہوں کہ سعید بن زید جو اس حدیث کا راوی ہے۔ حماد بن زید کا بھائی ہے یحییٰ بن زید نے اسے "بہت ضعیف" کہا۔ سعدی نے کہا "یہ حجت ہے اور اس کی حدیث ضعیف ہے" نسائی نے کہا "قوی نہیں" مگر مسلم نے اس سے روایت کی ہے۔ اور امام احمد رح نے ان کے بارہ میں اچھا قول "لیس بہ باس" کہا ہے۔ یحییٰ بن معین اور بخاری رح نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ رہے عمرو بن ہارون اور موسیٰ بن عبیدہ اور محمد بن ثابت جو اسی حدیث کے راوی ہیں۔ گو حجت نہیں۔ مگر حدیث کے اور بھی شواہد ہیں۔ اور ایسی حدیث استشہاد کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ایک حدیث ابوہریرہ رض کی وہ ہے جسے ترمذی نے روایت کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُکِرْتُ

ذلیل ہو وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور

عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُغْفَرَ لَهٗ وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ عِنْدَهٗ أَبَوَاهُ الْكِبَرَ فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ ؕ

اس نے درود نہ پڑھے۔ ذلیل ہو وہ شخص جس نے رمضان پایا اور مہینہ ختم ہو گیا اور وہ بخشا نہ گیا۔ وہ شخص ذلیل ہو جس نے بڑھاپے میں ماں باپ کو پایا اور انہوں نے جنت میں اُسے داخل نہ کر دیا۔)

امام ترمذی رح کہتے ہیں کہ اس باب میں جابر و انس سے بھی حدیث ہے۔ اور یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔ اور ربعی بن ابراہیم راوی اسمٰعیل بن ابراہیم کا بھائی اور ثقہ ہے۔ اور یہی ابن علیہ ہے۔

بعض اہل علم سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص کسی مجلس میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر ایک دفعہ درود پڑھ دے تو جو کچھ اس مجلس میں ہوا اس کے لیے کفارہ ہے۔ حدیث بالا حاکم نے مستدرک میں بھی روایت کیا ہے۔ عبدالرحمن بن اسحٰق جو ترمذی کی حدیث بالا کا راوی ہے۔ امام مسلم رح نے اس سے حجت پکڑی ہے۔ اور امام احمد رح نے اُسے صالح الحدیث کہا ہے۔ مگر بعض نے اس میں کلام کیا۔ ابوداؤد رح نے "ثقہ اور قدری المذہب" کہا ہے۔

قاضی اسمٰعیل بن اسحٰق نے سند کے ساتھ اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے۔

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رقي المنبر فقال آمين آمين آمين فقيل له يا رسول الله ما كنت تصنع هذا فقال قال لي جبريل رغم أنف رجل دخل عليه رمضان ولم يغفر له فقلت آمين ثم قال رغم أنف عبد أدرك أبويه أو أحدهما الكبر لم يدخله الجنة ؕ ثم قال رغم أنف عبد ذكرت عنده فلم يصل عليك فقلت آمين ؕ (ترجمہ پہلے لکھا جا چکا)

کثیر بن زید جو اس حدیث میں ہے ابن حبان نے اس کی توثیق کر دی اور ابو زرعہ نے اُسے صدوق کہا ہے۔ گو بعض نے اس میں کلام بھی کیا ہے ابن حبان نے اسی حدیث کو عن محمد بن عمرو عن ابی سلمہ عن ابی ہریرہ رض روایت کیا ہے۔ اور اس میں یہ ہے۔

مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ فَمَاتَ فَدَخَلَ النَّارَ فَأَبْعَدَهُ

یعنی جس کے سامنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوا اور اس نے درود نہ پڑھا۔ پھر وہ

اللہ قُلْ آمِیْن قُلْتُ آمِیْن ۵ — مرگیا اور دوزخ میں گیا اور خدا سے دور پڑا۔ (کہئیے آمین میں نے کہا آمین)

محمد بن عمرو جو اس وقت حدیث میں راوی ہے۔ بخاری و مسلم نے متابعات میں اس کی حدیث لی ہے۔ ابن معین نے اس کی توثیق اور ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ حدیث میں بور رغم انف کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ذلیل لکھا گیا ہے۔ یہ بکسر عین معجمہ ہے۔ ناک کا خاک آلودہ ہونا اس کا لفظی ترجمہ ہے۔ ابن اعرابی فتح عین کہتا ہے۔ اور معنی ذلیل ہونا۔

ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ ہے جسے امام مسلم نے صحیح میں روایت کیا ہے فرمایا۔

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا ۵ — جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے خدا اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔

اس کو ابوداؤد رح و ترمذیؒ و نسائی رح نے اور صحیح میں ابن حبان رح نے روایت کیا ہے ترمذی نے حسن صحیح کہا۔ ابن حبان رح نے روایت کیا ہے۔

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ مَرَّةً وَاحِدَةً كُتِبَ لَهُ بِهَا عَشْرُ حَسَنَاتٍ ۵ — یعنی ایک درود کے عوض دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

ایک حدیث ابو ہریرہ رضؓ کو ابن خزیمہ رح نے صحیح میں روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ فَإِذَا خَرَجَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ أَجِرْنِي مِنَ الشَّيْطَانِ ۵ — یعنی مسجد میں آنے کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے اور اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتک پڑھے۔ اور مسجد سے جانے کے وقت نبی صلی اللہ علیہ پر سلام بھیجے اور اللّٰھم اجرنی من الشیطان کہے۔)

اس کو ابن حبان رح نے بھی صحیح میں روایت کیا ہے۔

ایک حدیث ابو ہریرہ رضؓ وہ ہے جسے حسین بن احمد صاحب جزء المعروف نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا — تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (یعنی اُن میں

وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ ۔

نماز نوافل بھی پڑھا کرو) اور میری قبر کو عید نہ بناؤ (یعنی میلہ و عرس اس پر نہ کرو) اور مجھ پر درود بھیجا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے خواہ تم کسی جگہ ہو)

ایک[۳] حدیث ابوہریرہ رضہ سے ہے جسے مسلم بن ابراہیم نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ لِلّٰہِ سَیَّارَۃً مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ اِذَا مَرُّوْا بِحِلَقِ الذِّکْرِ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اُقْعُدُوْا فَاِذَا دَعَى الْقَوْمُ اٰمَنُوْا عَلٰی دُعَائِهِمْ فَاِذَا صَلَّوْا عَلَى النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَّوْا مَعَهُمْ حَتّٰی یَفْرُغُوْا ثُمَّ یَقُوْلُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ طُوْبٰی لِهٰؤُلَاءِ یَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ !

کچھ ملائکہ ایسے ہیں جو پھرتے رہتے ہیں جب وہ ذکر کے حلقوں میں پہنچتے ہیں تو باہم کہتے ہیں بیٹھ جاؤ۔ جب مجلس والے دعا مانگتے ہیں تو یہ آمین کہتے ہیں اور جب درود پڑھتے ہیں تو یہ بھی درود پڑھتے ہیں جب وہ فارغ ہو جاتے ہیں تو فرشتے آپس میں کہتے ہیں کہ یہ کیسے خوش نصیب ہیں کہ اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں اور خدا نے ان کو بخش دیا ہے۔

اس حدیث کو ابو سعید القاص نے فوائد میں روایت کیا ہے۔

ایک[۴] حدیث ابوہریرہ رضہ وہ ہے جسے امام احمد رحمۃ و ابوداؤد نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ اِلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ اِلَیْہِ السَّلَامَ ۔

جو مسلمان مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالے اُسے میری روح کو پہنچا دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا خود جواب دیتا ہوں۔

اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ یزید بن عبد اللہ جو ابوہریرہ رضہ سے روایت کرتے ہیں کہا میں نے اپنے شیخ سے دریافت کیا کہ کیا اس نے ابوہریرہ رضہ سے سماع کیا ہے کہا وہ ابوہریرہ رضہ کو نہ پا سکا تھا یہ ضعیف ہے اور اس کے سماع ابوہریرہ رضہ میں تامل ہے۔

ابو الشیخ نے کتاب الصلوٰۃ میں اپنی اسناد کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضہ سے یہ حدیث[۵] نبوی صلے اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے۔ فرمایا۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِنْ بَعِیْدٍ اُعْلِمْتُہٗ ۵

جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے میں اُسے سن لیتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے وہ مجھے معلوم کرا دیا جاتا ہے۔

یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔

ایک حدیث ابوہریرہ رضؓ وہ ہے جسے ابونعیم نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ فِیْ شَرْقٍ وَلَا فِیْ غَرْبٍ اِلَّا اَنَا وَمَلَائِکَۃُ رَبِّیْ نَرُدُّ عَلَیْہِ السَّلَامَ فَقَالَ قَائِلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا بَالُ اَہْلِ الْمَدِیْنَۃِ قَالَ وَمَا یُقَالُ لِکَرِیْمٍ فِیْ جِیْرَتِہٖ وَجِیْرَانِہٖ اِنَّہٗ مِمَّا اُمِرَ بِہٖ مِنْ حِفْظِ الْجِوَارِ وَحِفْظِ الْجِیْرَانِ ط

حافظ محمد بن عثمان کہتے ہیں کہ اس حدیث کو عمری نے وضع کیا ہے۔ بیشک حافظ کا یہ قول صحیح ہے۔ اس حدیث کے لیے یہ سند جو بیان کی گئی ہے نہیں ہو سکتی۔

۱۰۔ بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے حسن بن شاذان نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ صحابہ نے عرض کیا کہ سلام تو حضور پر کرنے کو ہم جان گئے۔ درود کی کیفیت کیا ہے۔ فرمایا کہا کرو۔ اَللّٰہُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَرَحْمَتَکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا جَعَلْتَہَا عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ابوداؤد جو حضرت بریدہ سے راوی ہے یہ نقیع بن حارث الاعمی ہے۔ گو یہ متروک اور مطرح الحدیث ہے۔ مگر اس کی روایت کو شواہد میں لانا کچھ ضرور نہیں رکھتا۔

۱۱۔ سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے طبرانی نے معجم میں اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَا وُضُوْءَ لَہٗ وَلَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَلَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یُحِبَّ الْاَنْصَارَ ۵

جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں۔ اور جو بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں اور جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھے اس کی نماز نہیں اور جو انصار سے محبت نہیں رکھتا اس کا درود نہیں)۔

اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی عبدالمہیمن بن عباس سے (جو ابی بن عباس کا بھائی ہے) روایت کیا ہے۔ ابی بن عباس سے گو امام بخاری رح نے صحیح میں حجت پکڑی ہے

مگر امام احمد و یحییٰ بن معین وغیرہ نے اُسے ضعیف بتلایا ہے۔ رہا عبد المہیمن اس کے اوراُس کی حدیث کے ترک پر تو اتفاق ہے۔ اگر یہ صورت ہو کر عبد المہیمن اپنے بھائی سے کچھ چرا کر کہتا ہے تو اس کی حدیث میں کچھ ضرر نہیں۔ اور حدیث کا درجہ حسن سے کم نہیں۔ گو نیچے کے راویوں نے عبد المہیمن اور اس کے بھائی اُبی میں غلطی کھائی ہو۔ جیسا کہ شبہ ہوتا ہے (واللہ اعلم) غرض یہ حدیث عبد المہیمن کی جانب سے معروف ہے۔ اور یہی اس میں علت قوی ہے۔

سہل رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے بغوی نے سند کے ساتھ روایت کیا۔ کہ ابو طلحہ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ میرے مادر و پدر حضور پر نثار ہو جائیں آج تو چہرہ مبارک پر سرور نمایاں ہے۔ فرمایا ہاں۔ میرے پاس ابھی جبرئیل ع آئے تھے۔ آکر کہا یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) جو آپ پر ایک بار درود پڑھے گا۔ اللہ تعالےٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا۔ دس گناہ معاف کرے گا۔ اور دس درجہ بلند فرمائے گا۔ ابن حبیب راوی کہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ابو حازم نے یہ بھی کہا کہ فرشتے اس پر دس دفعہ دعا ئے رحمت کرتے ہیں۔

۱۲۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے حاکم نے مستدرک میں اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِذَا تَشَهَّدَ اَحَدُکُمْ فِی الصَّلٰوۃِ فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَاٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (یعنی جب تم نماز میں تشہد پڑھو تو کہا کرو اللھم صل علی محمد الخ) حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ مگر اس تصحیح میں بظاہر نظر ہے۔ کیونکہ یحییٰ بن سباق اور اس کا شیخ عدالت و جرح میں غیر معروف ہے۔ بیہقی نے بھی سنن میں اس کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور ابن حبان نے یحییٰ بن سباق کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے۔

ایک حدیث وہ ہے جسے دارقطنی نے اپنی سند کے ساتھ ابن ابی لیلیٰ یا ابو معمر سے روایت کیا ہے کہ ہمیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تشہد سکھلایا وہ کہتے تھے کہ ہمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا ہے۔ جیسا کہ آپ کو ہم قرآن سکھلایا کرتے تھے۔ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ

اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اَھْلِ بَیْتِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْنَا مَعَھُمْ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلَیْنَا مَعَھُمْ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَصَلَاۃُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ !

راوی کہتا ہے کہ مجاہد کہتے تھے کہ جب نمازی نے " علی عباد اللہ الصالحین " کہا تو تمام زمین و آسمان والوں کو سلام کر دیا "

اس حدیث میں علت یہ ہے کہ اس میں عبدالوہاب بن مجاہد راوی ہے۔ جسے یحییٰ بن معین و دارقطنی وغیرہ نے ضعیف بتلایا ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ عبدالوہاب اپنے باپ سے بہت سی احادیث موضوعہ روایت کرتا ہے۔ دوسری علت اس میں یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد محفوظ ہے۔ جو اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ! تک ہے اور پھر ان سے موقوف و مرفوع طریق پر یہ بھی روایت ہے کہ اتنا پڑھنے سے نماز پوری ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد خواہ تو کھڑا ہو جا خواہ بیٹھا رہ۔ (واضح ہو کہ اس روایت کا موقوف ہونا اشبہ واصح ہے)۔

ایک[۳] حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ ہے جسے محمد بن حمدان المروزی نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ لَّمْ یُصَلِّ عَلَیَّ فَلَا دِیْنَ لَہٗ !	جو مجھ پر درود نہیں پڑھتا اس کا دین نہیں۔

ترمذی نے اپنی جامع میں اسناد کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً !	قیامت کے دن سب لوگوں سے مقدم اور اولیٰ مجھے وہ ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود پڑھتا ہوگا۔

ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا ہے۔ ابن حبان نے صحیح میں بزار نے مسند میں اور بغوی نے بھی اس کو اپنی اپنی سند سے روایت کیا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ جب تم نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا کرو تو اُسے

سنوار لیا کرو۔ شاید وہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا جاوے۔ لوگوں نے کہا ہم کو سکھلا دیجئے۔ کہا یوں پڑھا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا يَغْبِطُهُ بِهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۞

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نسائی میں ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ يُبَلِّغُوْنِيْ عَنْ اُمَّتِي السَّلَامَ!

(کچھ فرشتے ایسے ہیں جو گھومتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ کو پہنچا دیتے ہیں)۔

اس کی اسناد صحیح ہے۔ اور ابن حبان نے بھی صحیح میں اپنی سند سے اس کو روایت کیا ہے۔

۱۳۔ فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جسے امام احمد رح نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سنا جو نماز میں دعا مانگتا تھا نہ اللہ کی حمد کرتا تھا۔ نہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے جلدی کی۔ پھر اُسے بلایا۔ پھر اسی کو یا اور کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَاْ بِتَحْمِيْدِ رَبِّهٖ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَدْعُوْ بَعْدُ بِمَا شَاءَ!

جب تم نماز پڑھو۔ پہلے حمد و ثنا کرو۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو۔ پھر جو چاہو دعا مانگو۔

ابوداؤد کے بھی یہی لفظ ہیں۔ نسائی و ابن خزیمہ و ابن حبان نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

۱۴۔ ابی طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث مسند احمد میں ہے۔ کہ ایک صبح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پاکیزہ نفس اُٹھے چہرہ مبارک پر بشارت و بشاشت نظر آتی تھی۔ عرض کیا گیا کہ آج حضور ایسے معلوم ہوتے ہیں فرمایا۔ اَجَلْ اَتَانِيْ اٰتٍ مِّنْ رَّبِّيْ

عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ مَنْ صَلّٰی عَلَیْکَ مِنْ اُمَّتِکَ صَلٰوۃً کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِھَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ وَمَحَا عَنْہُ عَشْرَ سَیِّئَاتٍ وَرَفَعَ لَہٗ عَشْرَ دَرَجَاتٍ وَرَدَّ عَلَیْہِ مِثْلَھَا ؕ

ہاں۔ پروردگار کا فرستادہ میرے پاس آیا کہا آپ کی امّت میں سے جو آپ پر ایک بار درود پڑھے گا۔ خدا اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا اور دس بدیاں محو کرے گا، دس درجے اس کے بلند فرمائے گا۔ اور ویسا ہی جواب بھی اس کو دے گا۔

دوسری سند کے ساتھ بھی اس کو روایت کیا ہے اس میں یہ ہے کہ فرشتہ نے آ کر کہا۔ پروردگار فرماتا ہے کہ جو کوئی آپ پر ایک دفعہ درود پڑھے تو خدا اس پر دس رحمتیں بھیجے گا۔ اور جو ایک بار سلام بھیجے اس پر دس بار سلام بھیجے گا۔ کیا آپ اس پر خوش نہیں؟ فرمایا ہاں۔ نسائی نے اور صحیح میں ابن حبان نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

۱۵۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے نسائی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلْیُصَلِّ عَلَیَّ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مَرَّۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا ؕ

جس کے سامنے میرا نام آئے اسے درود پڑھنا چاہیئے اور جو شخص ایک بار مجھ پر درود پڑھتا ہے خدا اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔

دوسری سند کے ساتھ یوں روایت کیا ہے۔ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوٰاتٍ وَحُطَّتْ عَنْہُ بِھَا عَشْرُ سَیِّئَاتٍ وَرُفِعَ بِھَا عَشْرُ دَرَجَاتٍ ؕ (ترجمہ پہلے گذر چکا ہے)

امام احمدؒ نے مسند میں اور ابن حبانؒ نے صحیح میں اپنی اپنی سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔ علت اس میں یہ ہے۔ جس کی طرف نسائیؒ نے کتاب کبیر میں اشارہ کیا ہے کہ یونس بن اسحاق دو طرح پر روایت کرتا ہے۔ یزید بن ابی مریم سے وہ حسن سے وہ انس بن مالک سے۔ دوسرے یزید بن ابی مریم خود انس بن مالک سے۔ لیکن یہ علت اس حدیث کے لیے کچھ قادح نہیں۔ کیونکہ حسن اور یزید دونوں کو انس بن مالک سے اس حدیث کا سماع ہے۔ ابن حبان نے صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں یزید سے ہی روایت کی ہے۔ جس میں یزید نے اپنی سماع کی صراحت کر دی ہے۔ پس ممکن ہے کہ یزید نے اس حدیث کو حسن سے بھی سنا ہو اور دونوں طرح روایت کر دی ہو۔ جیسا کہ خود اس نے بیان کر دیا ہے۔ یا ابن ہیریہ

احتمال اب تک باقی ہے کہ یہ حدیث بعینہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہو جسے انس رضی اللہ عنہ نے ارسال کے ساتھ روایت کیا ہو۔ جیسا کہ اسمٰعیل بن اسحٰق کی روایت سے واضح ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں حضرت انس رضؓ حضرت ابو طلحہ رضؓ سے ہی روائیت کرتے ہیں۔

ایک حدیث انس رضی اللہ عنہ کی ابن الغازی نے روایت کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ فِیْ یَوْمٍ اَلْفَ مَرَّۃٍ لَمْ یَمُتْ حَتّٰی یَرٰی مَقْعَدَہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ ط	جو کوئی ہزار دفعہ روزانہ درود پڑھ لیتا ہو۔ وہ نہ مرے گا۔ جب تک اپنا مقام جنت نہ دیکھ لے گا۔

حافظ ابو عبداللہ المقدسی نے کتاب الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ میں اس کو بجز حکم بن عطیہ کی روایت کے نہیں پہچانتا۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ حکم بن عطیہ نے ثابت سے ایسی احادیث روائیت کی ہیں جن کی متابعت نہیں کی جاتی۔

امام احمدؒ کا قول ہے کہ اس کی روایت میں کچھ ڈر نہیں ہے البتہ ابو داؤد طیالسی نے اس سے احادیث منکر روائیت کی ہیں۔" کہتے ہیں کہ یحیٰی بن معین نے اسے ثقہ کہا ہے۔

حضرت انس سے جعفر فریابی نے وہ حدیث بھی سند کے ساتھ روایت کی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھنے اور تین بار آمین پکارنے کا ذکر ہے۔ (یہ حدیث پہلے لکھی جا چکی ہے) اسی حدیث کو ابو بکر شافعی رحؒ نے بھی انس رضؓ سے روائیت کیا ہے۔ اس کی سند میں سلمہ بن وردان ہے جو لین الحدیث ہے۔ گو اس کے بارہ میں کلام کی گئی ہے۔ مگر وہ ایسا نہیں جس کی حدیث چھوڑ دی جائے خصوصًا ایسی حدیث جس کے لیے شواہد موجود ہیں اور جو دوسری طرح سے بھی معروف ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے ابو یعلیٰ موصلی نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ عَبْدَیْنِ مُتَحَابَّیْنِ یَسْتَقْبِلُ اَحَدُھُمَا الْاٰخَرَ (صَاحِبَہٗ) وَیُصَلِّیَانِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا لَمْ یَتَفَرَّقَا حَتّٰی یَغْفِرَ لَھُمَا ذُنُوْبَھُمَا مَا تَقَدَّمَ مِنْھَا وَمَا تَاَخَّرَ	جو دو دوست آپس میں ملیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں وہ جدا ہوں گے ایسی حالت میں کہ ان کے اگلے پچھلے گناہ بخشے گئے ہوں گے۔

انس رضہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے ابن ابی عاصم نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ کَفَّارَۃٌ لَّکُمْ فَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ ؕ

مجھ پر درود بھیجا کرو۔ یہ تمہارے لیے کفارہ ہے جو مجھ پر درود بھیجتا ہے خدا اس پر رحمت بھیجتا ہے۔

ابن شاہین نے بھی اس کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے۔ جسے ابن[1]...... نے روایت کیا ہے۔

.....اَلْفُ مَرَّۃٍ لَمْ یَمُتْ حَتّٰی یَرٰی مَقْعَدَہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ ؕ یہ حدیث دوسرے طریق سے آگے آئے گی۔

۱۶۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے انس رضہ بن مالک نے روایت کیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم باہر کو تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ جانے والا کوئی نہ تھا۔ عمر رضہ گھبرائے۔ اور پانی کا لوٹا لے کر پیچھے ہو لیے۔ دیکھا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم گھاس پر سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ عمر رضہ دور ہٹ گئے۔ اور آنحضرت ؐ کے پچھلی طرف بیٹھ گئے۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اٹھایا تو فرمایا۔

اَحْسَنْتَ یَا عُمَرُ حِیْنَ وَجَدْتَنِیْ سَاجِدًا فَتَنَحَّیْتَ عَنِّیْ۔ اِنَّ جِبْرَئِیْلَ اَتَانِیْ فَقَالَ مَنْ صَلّٰی عَلَیْکَ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا وَرَفَعَہٗ عَشْرَ دَرَجَاتٍ ؕ

عمر تو نے خوب کیا کہ مجھے سجدہ میں دیکھ کر دور ہٹ رہا۔ جبریل میرے پاس آئے تھے اور کہتے تھے جو آپ پر ایک دفعہ درود پڑھے گا خدا اس پر دس رحمتیں بھیجے گا۔ اور دس درجے اس کے بلند فرمائے گا۔

اس حدیث کو عمر فاروق رضہ کی حدیث بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور انس رضہ بن مالک کی بھی لیکن عمر فاروق رضہ کی جانب سند دو وجہ سے ہے۔ اوّل سیاق سے ظاہر ہے کہ انس رضہ اس وقت حاضر نہ تھے۔ دوسرے قاضی اسمٰعیل نے جو روایت کی ہے۔ اس میں اوس بن حدثان حضرت

---

[1] اصل کتاب میں ہی سفیدی رہی ہوئی ہے ۱۲

عمر سے ہی روایت کرتا ہے۔ حضرت انس کا اس میں واسطہ نہیں۔ لیکن اس دوسری سند پر نظر کرنے سے پہلی سند میں علت معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ کوئی علت نہیں۔ کیونکہ سلمہ کا دونوں سے سماع ہے۔ ابوبکر اسماعیلی نے کتاب مسند عمر میں ایک روایت وہ بیان کی ہے جو پہلی حدیث کے موافق ہے۔ یعنی انسؓ بن مالک نے مذکورہ بالا قصہ بیان کیا۔ اور دوسری روایت وہ بیان کی ہے۔ جس میں سلمہ نے اس حدیث کو مالک بن اوس۔ اور انس بن مالک دونوں سے سننا بیان کر دیا ہے۔ پھر فضل بن دکین کی وہ سند بیان کی ہے جس میں سلمہ نے دونوں سے سننا ظاہر کر دیا ہے۔

حضرت عمرؓ کی ایک حدیث وہ ہے جسے ابن شاہین نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً صَلَّی اللّٰہُ بِھَا عَشْرًا فَلْیُقِلَّ عَبْدٌ بَعْدُ عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ اَوْ لِیُکْثِرْ۔ | جو شخص ایک بار مجھ پر درود پڑھتا ہے خدا اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ اب اس کے بعد خواہ کوئی درود کم پڑھا کرے یا زیادہ۔

ایک حدیث عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وہ ہے جسے ترمذی نے اپنی جامع میں موقوفاً روایت کیا ہے۔

اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا یَصْعَدُ مِنْہُ شَیْءٌ حَتّٰی تُصَلِّیَ عَلٰی نَبِیِّکَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ | دعا زمین و آسمان کے اندر ٹھہرائی جاتی ہے ذرا بھی اس میں سے اوپر نہیں جا سکتی جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے۔

اسمٰعیلیؒ نے اس سے اتم طور پر روایت کی ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو مسلمان کھلی زمین پر جا کر ضحیٰ کی دو رکعتیں پڑھے اور پھر یوں کہے۔

اَللّٰھُمَّ اَصْبَحْتُ عَبْدُکَ عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ خَلَقْتَنِیْ وَلَمْ اَکُ شَیْئًا۔ اَسْتَغْفِرُکَ لِذَنْبِیْ فَاِنِّیْ قَدْ اَرْھَقَتْنِیْ ذُنُوْبِیْ وَاَحَاطَتْ بِیْ اِلَّا اَنْ تَغْفِرَھَا فَاغْفِرْ لِیْ یَا رَحْمٰنُ۔ | الٰہی تیرے بندہ نے صبح کی تیرے عہد اور تیرے وعدہ پر۔ تو نے مجھ کو پیدا کیا اور میں کوئی شے نہ تھا۔ میں تجھ سے اپنے گناہ کی بخشش مانگتا ہوں کیونکہ گناہوں نے مجھ کو دشواری میں ڈال دیا۔ اور گھیر لیا ہے (کوئی راہ نہیں رہا) بجز اس کے کہ تو مجھے بخش دے۔ پس اے رحمٰن مجھے بخش دے۔

اللہ تعالٰی اسی جگہ بیٹھے ہوئے اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ گو وہ کفِ دریا کے برابر ہوں۔ ایک اور روایت ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھ سے ذکر کیا گیا ہے کہ دعا زمین و آسمان کے اندر ٹھہرا دی جاتی ہے بلند نہیں ہوتی جب تک درود ساتھ نہ ہو۔ ایک اور روایت ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اعمال باہم فخر کرتے ہیں۔ اور صدقہ کہتا ہے کہ میں سب سے افضل ہوں۔ فرمایا جو مسلمان اپنے مال میں سے زوجین کو دیتا ہے اس کے لیے جنت کے دربان مبادرت کرتے ہیں۔

اسماعیلی کا قول ہے کہ صلوٰۃ سمجھے اور صدقہ کی احادیث تو موقوف ہیں اور باقی برابر ہیں۔ مطلب یہ کہ نماز اور اعمال کی احادیث کے مرفوع ہونے کا بھی احتمال ہے۔ اور وقف کا بھی۔ اور حدیث ضحیٰ تو معاذ بن حارث کی سند سے مرفوع بھی مروی ہوئی ہے مگر رفع ثابت نہیں ہوا اور موقوف اشبہ ہے (واللہ اعلم)

انس رضہ بن مالک کی حدیث جسے عمرؓ کی حدیث لکھا گیا ہے اُسے طبرانی نے بھی روایت کیا ہے مگر طبرانی نے لکھ دیا ہے کہ اس سند میں جو عبید اللہ بن عمرو ہے اس سے صرف یحییٰ بن ایوب روایت کرتا ہے اور پھر اس سے روایت کرنے میں بھی عمرو بن طارق اکیلا ہے۔

۱۷۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے امام احمد رہ نے مسند میں روایت کیا ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خطبہ کہتے ہوئے سنا۔ آپ فرماتے تھے۔

مَنْ صَلّٰى عَلَىَّ صَلٰوةً لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَا صَلّٰى عَلَىَّ فَلْيُقِلَّ عَبْدٌ مِنْ ذَالِكَ اَوْ لِيُكْثِرْ ۵	جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ درود خوانی میں رہتا ہے۔ اب بندہ کو اختیار ہے کم پڑھے یا زیادہ)

اس کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔

مَنْ صَلّٰى عَلَىَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاَكْثِرُوْا اَوْ اَقِلُّوْا ۵	جو مجھ پر درود پڑھتا ہے خدا اس پر رحمت بھیجتا ہے اب تم زیادہ پڑھو۔ یا کم)۔

عاصم بن عبیداللہ بن عاصم جو سند روایت امام احمدؒ میں ہے اور عبداللہ بن عمر العمری جو عبدالرزاق کی سند میں۔ گو ان دونوں کی حدیث میں کچھ ضعف ہے مگر حدیث کا ان دو مختلف وجوہ سے مروی ہونا دلالت کرتا ہے کہ حدیث کی اصلیت ضرور ہے۔ اور یہ حسن کے درجہ وسطیٰ سے کم نہیں۔ (واللہ اعلم)

۱۸۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے مسند میں امام احمدؒ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نکلے میں حضور کے پیچھے ہو لیا۔ آپ ایک نخلستان میں داخل ہوئے۔ وہاں آپ نے ایک لمبا سجدہ کیا حتیٰ کہ مجھے یہ اندیشہ ہو گیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا نے وفات دی۔ میں دیکھنے کے واسطے آگے بڑھا حضور نے سر اٹھایا اور فرمایا "عبدالرحمٰن تجھے کیا ہو گیا" میں نے اپنا اندیشہ عرض کیا فرمایا۔

اِنَّ جِبْرَائِیْلَ قَالَ لِیْ اَلَا اُبَشِّرُکَ اَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی عَلَیْکَ صَلَّیْتُ عَلَیْہِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَیْکَ سَلَّمْتُ عَلَیْہِ ۔

جبرئیل نے مجھ سے کہا کیا میں آپ کو خوشخبری نہ سناؤں؟ اللہ پاک فرماتا ہے جو آپ پر درود پڑھے گا میں اس پر رحمت بھیجوں گا جو آپ پر سلام بھیجے گا۔ میں اس پر سلامتی بھیجوں گا۔"

دوسری سند میں اتنا زیادہ ہے کہ

فَسَجَدْتُ لِلّٰہِ شُکْرًا ۔

یعنی میں نے سجدہ شکر اللہ تعالیٰ کا ادا کیا۔

حاکم نے اس کو مستدرک میں اپنی سند کے ساتھ روایت کر کے صحیح الاسناد تبلایا ہے ابن ابی الدنیا نے اپنی سند کے ساتھ ابن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور اس میں طول دیا۔ میں نے اس بارہ میں عرض کیا تو فرمایا۔

اِنِّیْ سَجَدْتُ ھٰذِہِ السَّجْدَۃَ شُکْرًا لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فِیْ مَا اَبْلَانِیْ فِیْ اُمَّتِیْ فَاِنَّہٗ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ بِھَا عَشْرًا ۔

میں نے یہ سجدہ شکرانہ کا اللہ تعالیٰ کی جناب میں کیا تھا کہ اس نے میری امت کے بارہ میں بیا ارزانی فرمایا کہ جو کوئی شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے گا خداوند پاک اس پر دس رحمتیں بھیجے گا۔

موسیٰ بن عبیدہ جو اس حدیث کی سند میں ہے۔ گو اس کی حدیث میں کچھ ضعف ہوتا ہے
تاہم یہ حدیث حدیثِ بالا کے لیے شاہد ہے۔ بغوی نے بھی اپنی سند کے ساتھ
پہلی حدیث کے موافق روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے کہ میں نے اسی لیے
سجدہ کیا۔"

۱۹۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے عبدالحمید نے مسند میں اپنی سند کے
ساتھ روایت کیا ہے۔ ابی رض کہتے ہیں کہ جب رات کا چہارم گذر جاتا تو رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کھڑے ہوتے اور فرماتے۔ لوگو ذکرِ خدا کرو۔ ذکرِ خدا کرو۔ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ
تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ۔ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے
رسول میں حضور پر درود پڑھا کرتا ہوں۔ فرمایئے درود کی کیا مقدار رکھوں۔ (یعنی اور
وظیفوں کے مقابل میں) فرمایا جس قدر تو چاہے۔ عرض کیا ایک چہارم ¼ فرمایا جتنا
تو چاہے۔ اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ عرض کیا نصف ½ فرمایا جتنا تو چاہے
اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ عرض کیا دو تہائی ⅔ فرمایا جتنا تو چاہے۔ اگر زیادہ کرے
تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں تمام (وقت کو) آپ کے درود کے لیے
کردوں گا۔ فرمایا۔

اِذًا يَكْفِيْ هَمَّكَ	ایسی حالت میں وہ تیرے مقاصد کے لیے
وَ يَغْفِرُ لَكَ	کفایت کرے گا۔ اور تیرے گناہوں کو بخشوا
ذَنْبَكَ ؕ	دے گا۔

ترمذی رح و امام احمد رح و حاکم رح نے بھی اس کو اپنی اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ اور
ترمذی رح نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔ عبدالرحمٰن بن محمد بن عقیل جو عبدالحمید کی سندِ
روایت میں ہے۔ اس سے ائمہ کبار مثل حمیدی و احمد و اسحٰق و علی و ترمذی وغیرہم نے حجت
پکڑی ہے۔ اور ترمذی نے اس ترجمہ کو کبھی صحیح کبھی حسن کہا ہے۔
ابن تیمیہ رح سے اس حدیث کی تفسیر پوچھی گئی۔ کہا ابی بن کعب رض اپنے لیے
کچھ دعا کرتے تھے۔ انہوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس دعا میں سے
چہارم یا نصف یا دو ثلث کو درود بنا لوں۔ اور کل کو درود بنا لینے کے اظہار پر آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تیرے مقاصد کے لیے کفایت اور تیرے گناہوں کے

لیے مغفرت نہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے خدا اس پر دس بار رحمت کرتا ہے اور خدا کی رحمت مطالب کی کفایت کنندہ۔ اور گناہوں کی بخشندہ ہے۔ یہ معنی ہیں حدیث کے۔

۲۰۔ اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمُ الْجُمُعَةِ فِیْهِ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ وَفِیْهِ قُبِضَ وَفِیْهِ النَّفْخَةُ وَفِیْهِ الصَّعْقَةُ فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِیْهِ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَیَّ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَکَیْفَ تُعْرَضُ عَلَیْکَ صَلَاتُنَا وَقَدْ اَرِمْتَ یَعْنِیْ وَقَدْ بَلِیْتَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ ؕ

دنوں میں بہتر جمعہ کا دن ہے اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی دن انتقال کیا۔ اسی دن نفخہ ہے۔ اسی دن صعقہ۔ تم اس دن مجھ پر درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ جب حضورؐ مٹی ہو جاویں گے تو ہمارا درود کیونکر حضورؐ کے پیش ہو سکے گا۔ فرمایا اللہ تعالےٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کو حرام کر دیا ہے۔ زمین ان کے جسم کو نہیں کھا سکتی۔

امام احمدؒ و ابوداؤدؒ و نسائیؒ و ابن ماجہؒ اور ابن حاکمؒ نے صحیح میں۔ اور حاکمؒ نے مستدرک میں اس کو روایت کیا ہے۔ اور سب کی روایت میں حسین الجعفی ہے۔ حفاظ نے اس میں یہ علت بیان کی ہے کہ حسین جعفی عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے وہ ابی الاشعث صنعانی سے وہ حضرت اوسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ بظاہر تو جو شخص اس اسناد کو دیکھے گا اس کی صحت میں شک نہ کرے گا۔ کیونکہ اس کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں جن کی احادیث کو ائمہ نے قبول کیا ہے۔ مگر علت اس میں یہ ہے کہ حسین جعفی کو عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے سماع نہیں ہوا۔ اس کو عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم سے سماع ہے اور اسے سے عیب نہیں سمجھا۔ حسین جعفی نے جب اس حدیث کو روایت کیا ہے تو اپنے راوی کے جد کے نام میں غلطی کیا گیا اور بن تمیم کہنے کے بجائے بن جابر کہہ گیا۔ جس کو حفاظ نے ظاہر کر دیا اور تنبیہہ کر دی۔

بخاریؒ نے تاریخ کبیر میں کہا ہے کہ عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم الشامی مکحول سے روایت

کرتا ہے۔ ولید بن مسلم نے اس سے سنا ہے۔ اس کے پاس مناکیر ہیں۔ یہ وہ ہے جس سے ابو اسامہ اور حسین جعفی روایت کرتے ہیں۔ اور دونوں نے اس کا نام بن یزید بن جابر کہا اور اس کے نسب میں غلطی کھائی ہے۔ حالانکہ صحیح ابن یزید بن تمیم ہے۔ اور یہ ضعیف ہے خطیب کہتے ہیں کوفیوں نے عبدالرحمٰن بن تمیم کی احادیث کو عبدالرحمٰن بن جابر سے روایت کیا ہے۔ مگر اس بارہ میں ان کو وہم ہوا۔ اور ان احادیث کے حمل میں بھی۔ حافظ موسیٰ بن ہارون کہتے ہیں۔ ابو اسامہ نے عبدالرحمٰن بن جابر سے روایت کی ہے مگر یہ اس کا وہم ہے وہ تو ان سے ملا بھی نہیں وہ عبدالرحمٰن بن تمیم سے ملا۔ مگر اسی کو بن جابر سمجھ گیا۔ ابن تمیم ضعیف ہے۔ اور اس کے ضعف کی طرف ایک سے زیادہ حافظوں نے اشارہ کیا ہے۔

اس تغلیطی کا جواب بچند وجوہ ہے۔

حسین جعفی نے بن جابر سے سماع کی خود صراحت کر دی ہے۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ جب اس نے سماع کی خود صراحت اپنی روایت میں کر دی ہے تو یہ خیال کہ جس سے یہ روایت کرتا ہے وہ اصل بن تمیم تھا اور حسین نے اپنی غلطی سے اُسے بن جابر سمجھ لیا تھا بالکل بعید ہے۔ کیونکہ یہ امر حسین پر مشتبہ نہ رہ سکتا تھا جب کہ یہ صاحب علم و نقد ہے اور دونوں سے سماع بھی رکھتا ہے۔ اس کے جواب میں اگر کوئی شخص ابو حاتم کی کتاب العلل کو پیش کرے۔ جس کے یہ الفاظ ہیں کہ

"میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ اہل عراق میں سے میں نے کسی کو نہیں سُنا جو عبدالرحمٰن بن جابر سے روایت کرتا ہو۔ ابو اسامہ اور حسین جعفی جس سے روایت کرتے ہیں وہ ایک ہی شخص یعنی بن تمیم ہے۔ کیونکہ ابو اسامہ نے عبدالرحمٰن بن جابر کی روائیت سے پانچ یا چھ احادیث منکر کی بیان کی ہیں اور یہ ہرگز احتمال نہیں ہو سکتا۔ کہ ابن جابر جیسا شخص ایسی احادیث کی روائیت کرے۔ رہی حسین جعفی کی روائیت کردہ حدیث افضل الایام الحدیث۔ جس کو وہ بن جعفر سے روایت کرتا ہے۔ یہ بھی حدیث منکر ہے۔ میں نہیں جانتا کہ حسین کے سوا کسی اور نے روایت کیا ہو۔ یہ یاد رہے کہ عبدالرحمٰن تمیم کا پوتا تو ضعیف الحدیث ہے۔ اور عبدالرحمٰن جابر کا پوتا ثقہ ہے"

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ حسین جعفی اور ابواسامہ کے سماع ابن جابر پر بہت
گفتگو کی گئی ہے۔ ابواسامہ کے سماع عن ابن جابر کا انکار تو اکثر اہل حدیث نے کیا ہے
تہذیب میں حافظ ابوالحجاج المزی نے لکھا ہے کہ ابن نمیر نے ابواسامہ کا ذکر کیا کہ جس ابن
جابر سے یہ روایت کرتا ہے یہ مشہور ابن جابر نہیں۔ میرے پاس ذکر ہوا ہے کہ ایک اور
شخص ابن جابر کے نام سے مشہور تھا۔ یعقوب نے کہا یہی ٹھیک ہے وہ (دراصل)
ابن تمیم تھا۔ ابواسامہ اس کے پاس داخل ہوا اس سے احادیث لکھ کر روایت کی۔ حالانکہ وہ
ابن جابر کے نام سے محض مشہور ہی تھا۔ یعقوب کہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ابن نمیر نے ابواسامہ
کو گویا یہ اتہام دیا ہے کہ اس نے اپنی غلطی کو معلوم بھی کیا۔ مگر پھر تغافل کیا۔ ابن نمیر نے
یعقوب سے کہا۔ کیا تم اس کی روایت کو نہیں دیکھتے جو تمام صحاح کے جسے اہل شام اور
اصحاب ابن جابر نے روایت کیا ہے کسی سے نہیں ملتی۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے
حسین جعفی کے برادر زادہ محمد بن عبدالرحمٰن سے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کا سوال کیا۔
کہا کوفہ میں عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم بھی آیا۔ اور عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر بھی۔ اور اس سے
کچھ زمانہ بعد عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر پھر کوفہ آیا۔ مگر جس شخص سے ابواسامہ روایت کرتا
ہے۔ وہ ابن جابر نہیں بلکہ ابن تمیم ہے "

ابن ابی داؤد کہتے ہیں کہ ابواسامہ نے ابن مبارک سے انہوں نے ابن جابر سے
سنا ہے اور یہ دونوں (ابن مبارک و ابن جابر) مکحول سے روایت کرتے ہیں۔ ابن جابر
(غیر مشہور) بھی دمشقی ہے۔ جب یہ آیا تو اس نے کہا میں عبدالرحمٰن بن یزید دمشقی ہوں
پھر اس نے مکحول سے روایت کی ابواسامہ یہ سمجھ گیا کہ یہ ابن جابر وہ ہے جس سے
ابن مبارک روایت کرتے ہیں۔ بیشک عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ثقہ مامون ہیں۔ اُن کی
حدیث جمع کی جاتی ہے اور ابن تمیم ضعیف ہے۔ اور ابوداؤد نے اُسے منکر الحدیث
کہا ہے۔ ابواسامہ اُسی سے روایت کرتا اور اس کے نام میں غلطی کھاتا ہے۔ اور
ابن جابر الشامی کہہ کر روایت کرتا ہے۔ دراصل اس کی یہ تمام احادیث ابن تمیم
سے ہیں "

رہا حسین جعفی کا ابن جابر سے سماع۔ شیخ نے تہذیب میں اس کا ذکر کر کے
حسین کی روایت عن ابن جابر پر جزم کیا ہے اور ابواسامہ (حماد بن اسامہ کو محفوظ ہے)

کی روائیت پر شک۔ تعلیل بالا کا جواب تو ہو چکا۔ اس قدر لکھنے کے بعد میں نے دیکھا کہ دار قطنی نے اس کو قطعی طور پر اختیار کیا ہے۔ وہ ابو حاتم کی کتاب الضعفاء پر کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حسین جعفی نے تو ابن جابر سے روائیت کی ہے اور ابو اسامہ نے بن تمیم سے مگر وہ اس کے جد کے نام میں غلطی کھاتا ہے۔

حدیث بالا میں ایک علت اور ہے یعنی عبدالرحمن بن یزید نے ابو الاشعث سے اپنے سماع کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن یہ کوئی علتِ قادحہ نہیں۔ کیونکہ اس حدیث کے لیے حدیث ابوہریرہ و ابی الدرداء و ابی امامہ و ابو مسعود و انس و مالک اور حسن رضی اللہ عنہم بطور شواہد ہیں جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

(الف) حدیث ابو ہریرہ رض جسے مالک نے روائیت کیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ۔ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُهْبِطَ وَفِيهِ تِيبَ عَلَيْهِ وَفِيهِ مَاتَ وَفِيهِ تَقُومُ السَّاعَةُ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا وَهِيَ مُصِيخَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ شَفَقًا مِنَ السَّاعَةِ إِلَّا الْجِنَّ وَالْإِنْسَ وَفِيهَا سَاعَةٌ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللهَ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ

بہتر دن جس میں آفتاب چمکا جمعہ ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اسی روز زمین پر آئے۔ اسی دن ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی دن مرے۔ اسی دن قیامت ہوگی جن و انسان کے سوا جتنے جاندار ہیں اس روز طلوع آفتاب سے ہی گوش بر آواز رہتے ہیں قیامت کے ڈر سے۔ جمعہ میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اگر کسی مسلمان کو مل جائے اور وہ نماز پڑھتا اللہ سے سوال کرتا ہو اللہ تعالیٰ اس کو وہی چیز دے دیتا ہے۔

....

یہ حدیث صحیح ہے۔ اور حدیث اوس بن اوس کی مؤید و ہم معنی ہے۔

(ب) حدیث ابو الدرداء رضی اللہ عنہ۔ تقفیات میں ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ يَوْمٌ مَشْهُودٌ تَشْهَدُهُ

جمعہ کے روز درود بکثرت پڑھا کرو۔ کیونکہ وہ یوم مشہود ہے۔ فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں

الملائکۃ واِنَّ اَحدًا لایُصلّی عَلَیَّ الّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صلوٰتُہٗ حتّٰی یفرُغ۔ قَالَ قُلْتُ وبعْدَ المَوت قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حرَّمَ عَلَی الارضِ اَنْ تاکُلَ اَجْسَادَ الانبیاءِ۔ فنبیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرزَقُ ٭

جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کا درود میرے سامنے کر دیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا موت کے بعد کیا حال رہے گا۔ فرمایا اللہ تعالے نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ نبیوں کے جسم کھائے اللہ کا نبی (قبر میں بھی) زندہ ہوتا ہے اُسے رزق دیا جاتا ہے)۔

اس حدیث کو دوسری سند کے ساتھ جو آگے آئے گی طبرانی نے بھی روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے بھی۔

(ج) حدیث ابوامامہ کو بیہقی نے روایت کیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَکثِرُوا عَلَیَّ مِنَ الصّلوٰۃِ فِی کُلِّ یومِ جُمُعَۃٍ فَاِنَّ صلوٰۃَ اُمَّتِی تُعرَضُ عَلَیَّ فی کُلِّ یومِ جُمُعَۃٍ فمَنْ کانَ اَکثرَھُم عَلَیَّ صلوٰۃً کانَ اَقربَھُم مِنّی منزلۃً ٭

جمعہ کے دن مجھ پر درود بکثرت پڑھا کرو۔ کیونکہ ہر جمعہ امت کا درود میرے سامنے کیا جاتا ہے۔ جو درود خوانی میں بڑھا ہوا ہوگا وہی درجہ میں مجھ سے قریب تر ہوگا۔

اس حدیث میں دو علتیں ہیں۔

۱۔ برد بن سنان (جو حدیث کو مکحول شامی سے روایت کرتا ہے) میں گفتگو کی گئی ہے مگر یحیٰے بن معین وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے۔

۲۔ کہتے ہیں کہ مکحول شامی نے ابوامامہ رضؓ سے نہیں سنا۔ واللہ اعلم۔

(د)۔ حدیث انس رضی اللہ عنہ کو طبرانی نے محمد بن علی الاحمر کی سند سے روایت کیا ہے۔

اَکثِرُوا الصّلوٰۃَ عَلَیَّ یومَ الجُمعۃِ فاِنّہٗ اَتانی جبرئیلُ آنِفًا مِن رَّبِّہٖ عزَّ وجلَّ فقال مَا عَلَی الارضِ مِن مُسلمٍ یُصلّی علیکَ مرّۃً واحدۃً الّا صلَّیتُ اَنا وملائکتی علیہِ عشرًا ٭

جمعہ کو بکثرت درود پڑھا کرو۔ کیونکہ ابھی میرے پاس جبریل اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ پیغام لائے تھے کہ روئے زمین پر جو مسلمان آپ پر ایک درود پڑھے گا۔ میں اور میرے فرشتے دس دفعہ اس پر رحمت بھیجیں گے۔

نیز محمد بن اسمٰعیل وراق کی سند سے یوں روایت کیا ہے۔ اَکثِرُوا الصّلوٰۃَ عَلَیَّ یومَ الجُمعۃِ فاِنَّ صلاتکم تُعرَضُ عَلَیَّ ٭ یہ دونوں راوی گو ضعیف ہیں۔ مگر استشہاد کی

صلاحیت رکھتے ہیں۔

ابن ابی السری نے سند کے ساتھ صرف اس قدر روایت کیا ہے۔

اکثروا الصلوٰۃ علی یوم الجمعۃ ۔ جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی عادت یہی تھی کہ جمعہ کے دن نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود پڑھنے کو پسند رکھتے تھے۔

ابن وہب کا قول محمد بن یوسف نے نقل کیا کہ مجھے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے زید بن وہب تو ہر جمعہ کو ہزار مرتبہ اللّٰہمّ صلّ علی محمد النّبیّ الاُمّیّ پڑھ لیا کر۔ کوئی جمعہ خالی نہ جانے دے۔

(۵) حدیث حسن رضی اللہ عنہ سے ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَاکُلُ الْاَرْضُ جَسَدًا مَنْ کَلَّمَہٗ رُوْحُ الْقُدُسِ ۔ جس کے ساتھ جبریل نے کلام کیا ہو زمین اس کے جسم کو نہیں کھاتی۔

۴۱۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے جسے ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

صَلُّوْا فِیْ بُیُوْتِکُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْھَا قُبُوْرًا وَلَا تَتَّخِذُوْا بَیْتِیْ عِیْدًا صَلُّوْا عَلَیَّ وَسَلِّمُوْا فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ وَسَلَامَکُمْ یَبْلُغُنِیْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ ۔ نوافل گھروں میں پڑھا کرو۔ اور گھروں کو قبریں نہ بنا رکھو (جہاں نماز نہیں پڑھی جاتی) میرے گھر کو عید نہ بناؤ اور مجھ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے رہو تم جہاں کہیں ہو گے وہیں سے تمہارا سلام وصلوٰۃ میرے پاس پہنچتا رہے گا۔

علّت اس حدیث میں یہ ہے کہ ابو بکر حنفی نے تو عبداللہ بن نافع سے مذکورہ بالا الفاظ روایت کئے ہیں۔ مگر مسلم بن عمرو جو عبداللہ بن نافع سے حدیث کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے۔ اس نے یہ الفاظ لا تجعلوا بیوتکم قبورًا ولا تجعلوا قبری عیدًا وصلّوا علیّ فانّ صلوٰتکم تبلغنی حیث ما کنتم یہی اشبہ ہے۔ طبرانی نے معجم کبیر میں اپنی سند کے ساتھ امام حسن مجتبےٰ سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں حیث ما کنتم فصلّوا علیّ فانّ صلوٰتکم تبلغنی (ترجمہ اوپر لکھا گیا)۔

۴۲۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے طبرانی نے روایت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا۔

مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَخَطِئَ الصَّلٰوةَ عَلَيَّ خَطِئَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ ۝

جس کے سامنے میرا ذکر ہوا۔ اور اس نے درود میں خطا کی۔ یعنی درود شریف نہ پڑھا وہ جنت کی راہ بھول گیا۔

....

علت اس حدیث میں یہ ہے کہ عمرو بن حفص نے تو اس کو بروائیت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔ اور ابن ابی وعاصم واسمٰعیل بن اسحٰق نے امام زین العابدین سے مرسلاً روائیت کیا ہے۔ سلیمان بن حرب اور علی بن مدینی کی روائیتوں میں اسی حدیث کو امام باقر رضؓ سے بطور ارسال روائیت کیا گیا ہے۔ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ عمر راوی کے بعد ایک اور شخص نے بھی جس کا نام سفیان راوی نے بسام صیرفی بتلایا ہے بیان کیا تھا کہ اس نے بھی یہ حدیث امام باقر رضؓ سے ہی سنی تھی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ایک سے وہ حدیث ہے جسے نسائی نے روایت کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْبَخِيْلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ ۝

بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

اس کو ابن حبان و حاکم نے اپنی اپنی صحیح میں اور ترمذی نے جامع میں روائیت کیا۔ اور حسن صحیح غریب بتلایا۔ اور مسند میں علی بن ابی طالب کی حدیث کہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں ایک اور علت ہے۔ جو نسائی نے سنن کبیر میں لکھی ہے۔ کہ عبدالعزیز بن محمد کی روائیت میں عبداللہ بن علی بن حسین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مرسلاً روائیت کرتے ہیں۔ اور زکریا بن یحیےٰ کی روایت میں یوں ہے کہ عبداللہ بن علی بن حسین نے کہا کہ کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ؛

۲۲۔ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ ابوالعباس ثقفی نے سند کے ساتھ فاطمہ بنت الحسین سے روائیت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

اِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ تَقُوْلِيْ بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں سب تعریفیں اللہ کو ہیں۔ اے اللہ محمد پر صلوٰۃ وسلام بھیج۔ یا اللہ

وسلم اللھم اغفر لی وسھل لی ابواب رحمتک فاذا — مجھے بخش دے اور میرے لیے رحمت کے
خرجت من المسجد تقول کذلک الا انہ قال وسھل لی ابواب رزقک — دروازہ آسان کر دے۔

مسجد میں آتے کے وقت بسم اللہ والحمد للہ الخ پڑھنا چاہیئے۔ اور اسی طرح جانے کے وقت صرف جانے کے وقت رحمتک کی جگہ رزقک بدل لینا چاہیئے۔

ترمذی نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور لکھ دیا۔ کہ سند حدیث متصل نہیں۔ کیونکہ فاطمہ بنت حسین رضہ نے اپنی دادی فاطمہ کبریٰ رضہ کو نہیں پایا۔ ابن ماجہ نے بھی ترمذی کی طرح پر روایت کیا ہے۔

۲۴۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جسے احمد بن عمرو نے سند کے ساتھ روایت کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ کُتِبَتْ لَہٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَ مُحِیَ عَنْہُ بِھَا عَشْرُ سَیِّئَاتٍ وَرُفِعَ بِھَا عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَکُنَّ لَہٗ عِدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ ۵

جو کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی۔ اور اس کی دس بدیاں مٹا دی جاتی اور اس کے دس درجے بلند کئے جاتے ہیں اور درود کا پڑھنا اس کے لیے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہوتا ہے۔

۲۵۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ نسائی نے سنن کبیر میں اس کو روایت کیا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ ثُمَّ تَفَرَّقُوْا عَنْ غَیْرِ ذِکْرِ اللہِ عَزَّ وَجَلَّ وَصَلٰوۃٍ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَامُوْا عَنْ اَنْتَنِ جِیْفَۃٍ ط

کوئی قوم جمع ہو کر متفرق نہیں ہوتی جس میں ذکر خدا اور صلوٰۃ نبی نہ ہو۔ مگر اس کی مثال ایسی ہے کہ نہایت بدبودار مردار سے اُٹھے ہیں۔

ابو عبداللہ المقدسی کہتے ہیں کہ یہ سند میرے نزدیک شرط مسلم پر ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث احمد بن عمرو نے سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَجْعَلُوْنِیْ کَقَدَحِ الرَّاکِبِ اِنَّ الرَّاکِبَ یَمْلَأُ قَدَحَہٗ فَاِذَا فَرَغَ وَعَلَّقَ مَعَالِیْقَہٗ فَاِنْ کَانَ فِیْہِ مَاءٌ شَرِبَ حَاجَتَہٗ

مجھے سوار کے پیالہ کی طرح نہ بناؤ جو پیالہ بھر لیتا ہے۔ پھر جب فارغ ہو کر اسباب وغیرہ لاد کر (چلنے کو تیار ہو جاتا ہے) تو پیالہ کے پانی کو یا

اَوِ الْوُضُوْءِ تَوَضَّأَ وَاِلَّا اَهْرَاقَ الْقَدَحَ فَاَجْعَلُوْنِیْ فِیْ اَوَّلِ الدُّعَاءِ وَفِیْ اَوْسَطِهٖ وَلَا تَجْعَلُوْنِیْ فِیْ آخِرِهٖ ۔
پی لیتا ہے یا وضو کر لیتا ہے۔ اور پھر اُسے توڑ ڈالتا ہے۔ تم مجھے دعا کے اول اور وسط میں جگہ دو۔ اور آخر میں جگہ نہ دو۔

یہ لفظ ابی عاصم کے تھے۔ لیکن طبرانی کی روایت میں یوں ہے۔

فَاجْعَلُوْنِیْ فِیْ وَسْطِ الدُّعَاءِ وَفِیْ اَوَّلِهٖ وَآخِرِهٖ ۔
یعنی دعا کے اول و آخر اور وسط میں درود بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہونا چاہیئے۔

۲۶۔ ابو رافع رضی اللہ عنہ (جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے) کی حدیث ہے۔ جسے طبرانی نے روائیت کیا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا طَنَّتْ اُذُنُ اَحَدِكُمْ فَلْيَذْكُرْنِیْ وَلْيُصَلِّ عَلَیَّ ۔
جب کسی کا کان شاں شاں کرنے لگے تو اسے لازم ہے کہ میرا ذکر کرے اور مجھ پر درود پڑھے۔

طبرانی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابو رافع رضی اللہ عنہ سے اسی اسناد کے ساتھ مروی ہے۔ اور معمر بن محمد اس روائیت میں منفرد ہے۔ ابن خزیمہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ اور اس کے آخر میں

ذکر اللہ من ذکرنی بخیر۔
یعنی اللہ کا ذکر میرے ذکر سے بہتر ہے۔

زیادہ کہا ہے۔

۲۷۔ عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے ترمذی نے اپنی جامع میں سند کے ساتھ روائیت کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ كَانَتْ لَهٗ اِلَى اللّٰهِ حَاجَةٌ اَوْ اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ بَنِیْ آدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لْيُثْنِ عَلَى اللّٰهِ وَيُصَلِّ عَلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لْيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ الحدیث۔

جس کو اللہ سے حاجت ہو یا کسی آدمی سے۔ اُسے چاہیئے اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے۔ اللہ کی ثناء اور درود بر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ دعا پڑھے لا الٰہ الا اللہ الخ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد میں مقال ہے۔ فائد بن عبد الرحمٰن حدیث میں ضعیف سمجھا جاتا ہے۔ فائد کی کنیت ابو الورقاء ہے۔ امام احمد بن حنبل رح نے اس کو متروک الحدیث

اور یحیٰی بن معین نے ضعیف کہا ہے۔ ابوحاتم بن حبان نے کہا یہ مشاہیر سے منکر روائتیں بیان کرتا ہے۔ اور ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے نامعلوم حدیثیں بیان کرتا ہے۔ جن سے حجت روا نہیں۔ حاکم نے اس حدیث کو مستدرک میں روائیت کیا ہے اور لکھا کہ میں اس کو بطور شاہد لایا ہوں اور فائد مستقیم الحدیث ہے۔

۲۸۔ رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ طبرانی نے معجم کبیر میں روائیت کی ہے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ قَالَ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ ؁

یعنی جو شخص اللھم صلی علی الخ پڑھتا ہے۔ اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔

اسمٰعیل بن اسحٰق نے بھی اپنی کتاب میں اس کو سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۲۹۔ ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ طبرانی نے روایت کیا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ قَوْمٍ جَلَسُوْا مَجْلِسًا ثُمَّ قَامُوْا مِنْهُ لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا كَانَ ذَالِكَ الْمَجْلِسُ عَلَيْهِمْ تِرَةً ؁

جس مجلس والے ذکر خدا اور درود پڑھے کے بغیر متفرق ہو جاتے ہیں۔ ان کے لیے وہ مجلس حسرت و افسوس کا باعث رہے گی۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روائیت ہے جسے طبرانی نے معجم کبیر میں روائیت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ بِهَا حَتّٰى يُبَلِّغَنِيْهَا ؁

جو مجھ پر درود پڑھتا ہے خدا اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ ایک فرشتہ مقرر ہے جو بندہ کا درود مجھ تک پہنچاتا ہے۔

۳۰۔ عبدالرحمٰن بن بشر بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اسمٰعیل بن اسحاق نے اپنی کتاب میں سند کے روائیت کیا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ہم کو حکم ہے کہ آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجیں۔ سلام تو ہم جان گئے۔ درود آپ پر کس طرح بھیجیں فرمایا کہا کرو اللھم صل علی محمد کما صلیت علی ابراھیم اللھم بارک علی محمد کما بارکت علی آل ابراھیم ؁ مسدد اور نصر بن علی کی روایات میں بھی اسی طرح ہے۔

ابن بشر صحابی کا ذکر

حضرت عبدالرحمن رضہ صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ابن مندہ نے ان کا ذکر صحابہ میں کیا ہے ان کا نام ابن بشیر بھی لکھا گیا ہے۔ اور ابن لبشر بھی۔ ابن عبدالبر رضہ نے ابن بشیر ہی تحریر کیا ہے شعبی نے ان سے فضیلت علی مرتضیٰ رضہ کی حدیث روائیت کی ہے اور محمد بن سیرین نے بھی یہ حدیث ان سے روائیت کی۔

۳۱۔ ابی بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جسے نسائی نے روائیت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِنْ اُمَّتِیْ صَلٰوۃً مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ بِھَا عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَرَفَعَ بِھَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ وَکَتَبَ لَہٗ بِھَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ وَمَحٰی عَنْہُ عَشْرَ سَیِّاٰتٍ

جس مسلمان نے خلوص دل سے درود پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے اور دس درجے بلند فرماتا۔ دس نیکیاں لکھتا۔ دس بدیاں مٹاتا ہے۔

اس حدیث میں یہ علت ہے کہ اسے سعید بن سعید سے ابواسامہ نے بھی روائیت کیا ہے۔ اور وکیع نے بھی اور دونوں کی سند میں اختلاف پڑ گیا ہے۔ ابوزرعہ رازی کا قول ہے کہ حدیث ابواسامہ اشبہ ہے۔ طرانی نے معجم میں اور ابن عاصم نے کتاب الصلوٰۃ میں اس کو اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ دونوں کی سند میں ابواسامہ ہے۔

۳۲۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جسے ابوالشیخ اصبہانی نے سند کے ساتھ روائیت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مَلَکًا اَعْطَاہُ اَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ فَھُوَ قَائِمٌ عَلٰی قَبْرِیْ اِذَا مِتُّ فَلَیْسَ اَحَدٌ یُصَلِّیْ عَلَیَّ صَلٰوۃً اِلَّا قَالَ یَا مُحَمَّدُ صَلّٰی عَلَیْکَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ قَالَ فَیُصَلِّی الرَّبُّ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلٰی ذٰلِکَ الرَّجُلِ بِکُلِّ وَاحِدَۃٍ عَشْرًا

اللہ تعالیٰ کی مخلوق ایک ایسا فرشتہ ہے جسے خدا نے تمام مخلوق کی آوازوں کی قوت شنوائی دے دی ہے جب میرا انتقال ہوگا تب وہ میری قبر پر ٹھہرا رہے گا۔ جو کوئی مجھ پر درود پڑھے گا وہ بتلا دے گا کہ فلاں بن فلاں آپ پر درود پڑھتا ہے۔ فرمایا اس درود پڑھنے والے پر ایک کے بدلے دس رحمتیں اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے۔

طرانی نے معجم کبیر میں اور رویانی نے مسند میں اپنی اسناد کے ساتھ اسی طرح روائیت کی

ہے۔ طبرانی کی ایک اور روایت میں یہ ہے۔ کہ

"میں نے اللہ سے سوال کیا کہ جو کوئی مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمت بھیجے"

۳۲۔ ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ کہ مجھے ایک صحابی نے خبر دی۔ کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر پڑھے۔ پھر تکبیر اولیٰ کے بعد چپکے چپکے فاتحہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود۔ اور باقی تکبیرات میں میت کے لیے ہی دعا ہے۔ اور کچھ نہ پڑھے۔ پھر آہستہ سے سلام کر دے"

اس کو امام شافعی رح نے مسند میں روائیت کیا ہے۔ نیز اسماعیل بن اسحٰق نے۔ نیز سنن میں نسائی نے یہ

ابوامامہ صحابی کا حال

اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور ابوامامہ بن سہل بن حنیف بن واہب انصاری اور بنی عمرو بن عوف میں سے ہیں۔ ان کا نام اسعد ہے۔ گر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے دادا کے نام پر (کہ ابوامامہ اسعد بن زرارہ تھے) ان کا نام رکھ دیا تھا۔ اور ان کی کنیت پر کنیت۔ ان کے لیے دعا فرمائی اور برکت دی۔ ابو عمرو وغیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ ابن عبدالبر رح کہتے ہیں۔ کہ سنہ ۱۰۰ ہجری میں نوے سالہ ہو کر مرے۔ اس حدیث میں اختلاف بھی ہے ایک روایت میں تو یہ ہے کہ ابوامامہ ایک صحابی سے روائیت کرتے ہیں۔ اور دوسری روائیت میں ہے کہ خود ابوامامہ رض نے ہی کہا۔ امام شافعی رح نے دونوں طرح روائیت کی ہے۔

در اصل حدیث کے لیے یہ کوئی علتِ قادحہ نہیں۔ کیونکہ صحابی کا مجہول ہونا ضرر نہیں دیتا۔

صحابی کا کسی فعل کو سنت کہنا کیا حکم رکھتا ہے

واضح ہو کہ صحابی کا یہ کہنا کہ "یہ سنت میں سے ہے" اس میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے مرفوع کے حکم میں ہے اور کوئی کہتا ہے کہ رفع کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اس مسئلہ کی مفصل بحث دوسری کتاب میں کی گئی ہے۔

۲۴۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جس میں منبر پر چڑھنے اور تین بار آمین پکارنے کا ذکر ہے۔ اسی میں ہے کہ جبریلؑ نے کہا۔ یَا مُحَمَّدُ مَنْ ذُکِرْتَ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْکَ فَمَاتَ فَدَخَلَ النَّارَ فَاَبْعَدَہُ اللّٰہُ قُلْ آمِیْن قُلْتُ آمِیْن ط قیس بن ربیع جو اس حدیث کا راوی ہے صدوق ہے مگر بد حافظہ۔ شعبہ ان کی تعریف کرتا تھا۔ ابو حاتم نے کہا وہ محل صدق ہے۔ مگر قوی نہیں۔ ابن عدی نے کہا کہ اس کی تمام روایات مستقیم ہیں۔ رہی یہ حدیث اس کی اصل حدیث ابو ہریرہ رضؓ و کعب رضؓ بن عجرہ و ابن عباس و مالک بن حویرث و عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہم سے ہے۔ حدیث ابو ہریرہ رضؓ و جابر و کعب بن عجرہ و انس بن مالک و ابن سمرہ رضؓ پہلے گذر چکی ہیں۔

۲۵۔ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابو حاتم نے صحیح میں روائیت کیا ہے جس میں منبر کے تینوں درجوں پر چڑھتے۔ آمین پکارنے رمضان۔ اور والدین اور صلوۃ بر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔

۲۶۔ عبداللہ بن جزو الزبیدی رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی مضمون کی ہے۔ اور اس کو جعفر فریابی نے اپنی سند کے ساتھ روائیت کیا ہے۔

۲۷۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث جو مالک و عبداللہ رضی اللہ عنہما کی احادیث بالا کے ہم مضمون ہے طبرانی نے روائیت کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث وہ ہے جسے محمد بن حسن ہاشمی نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ فِیْ کِتَابٍ لَمْ تَزَلِ الصَّلٰوۃُ جَارِیَۃً لَہٗ مَادَامَ اِسْمِیْ فِیْ ذٰلِکَ الْکِتَابِ ط

جو کوئی شخص کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھتا ہے اس پر رحمت جاری رہتی ہے جب تک اس کتاب میں میرا نام لکھا رہتا ہے۔

اس روائیت میں کادح اور نہشل دو راوی ہیں۔ دونوں غیر ثقہ اور کذب سے متہم ہیں اس حدیث کی ایک تو یہی اصل ہے۔ دوسرے ابن جارود کی سند سے بروائیت ابو ہریرہ رضؓ بھی ہے۔ اسی حدیث کو امام جعفر بن محمد کا قول کہا جا کر موقوفاً بھی روائیت کیا گیا ہے اور یہی اشبہ ہے۔ محمد بن جبیر امام ممدوح سے ہی یہ قول روایت کرتا ہے۔

مَنْ صَلّٰی عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ جو شخص کسی کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر

وَسَلَّمَ فِي كِتَابٍ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ غُدْوَةً وَرَوَاحًا مَا دَامَ اِسْمُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَالِكَ الْكِتَابِ ٥

درود لکھتا ہے جب تک اس کتاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لکھا رہتا ہے فرشتے اس شخص پر صبح و شام دعا رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔

ایک خواب کا ذکر

احمد بن عطا ابو صالح عبداللہ بن صالح کا قول بیان کرتے تھے کہ اصحاب حدیث میں سے ایک کو خواب میں دیکھا گیا پوچھا گیا کہ اللہ پاک نے آپ کے ساتھ کیا کیا۔ کہا مجھے بخش دیا۔ پوچھا گیا کس عمل کے بدلے۔ کہا اس درود شریف کی وجہ سے جو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتابوں میں لکھا کرتا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک[۳] حدیث وہ ہے۔ جسے طبرانی نے معجم میں روائیت کیا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ نَسِيَ الصَّلٰوةَ عَلَيَّ خَطَأَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ ٥

جو درود شریف پڑھنا بھول گیا وہ بہشت کی راہ بھول گیا۔

اس کو ابن ماجہ نے سنن میں جبارہ بن مغلس سے روائیت کیا ہے۔ یہ جبارہ وہ ہے کہ جب کوئی شخص اس کے سامنے کوئی وضعی حدیث بیان کر دیتا تو خود اُسے روائیت کر دیتا اور معلوم نہ کر سکتا۔ مگر اس حدیث کے معنے حضرت ابو ہریرہ رضہ و حسین رضہ بن علی رضہ و محمد بن حنفیہ و ابن عباس رضہ میں مروی ہیں۔ امام حسین رضہ بن علی رضہ اور ابن عباس رضہ کی احادیث پہلے لکھی جا چکی ہیں۔ محمد بن حنفیہ کی حدیث کو ابن ابی عاصم نے کتاب الصلوٰۃ میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَنَسِيَ الصَّلٰوةَ عَلَيَّ خَطَأَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ ۔ اور حدیث ابو ہریرہ رضہ کو عبدالخالق بن حسن سقطی نے روایت کیا ہے۔ یہ بن الفاظ مَنْ نَسِيَ الصَّلٰوةَ عَلَيَّ خَطَأَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ (ترجمہ اوپر لکھا گیا)۔

۳۸۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے اسمٰعیل بن اسحاق نے کتاب الصلوٰۃ میں سند کے ساتھ روائیت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اَبْخَلَ النَّاسِ مَنْ

سب سے بڑھ کر بخیل وہ ہے کہ اس کے سامنے

ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ ۔ — میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

ابن ابی عاصم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَبْخَلِ النَّاسِ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ فَذَالِکَ اَبْخَلُ النَّاسِ ۔ — کیا سب سے زیادہ بخیل تمہیں نہ بتلا دوں۔ لوگوں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر ہوا۔ اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے وہ سب سے زیادہ بخیل ہے۔

اس حدیث میں صحابی صحابی سے روایت کرتا ہے اور اس کی اصل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی احادیث میں جو بیان ہو چکی ہیں موجود ہے۔

۳۹۔ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جسے ابن منیع نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَیُّمَا قَوْمٍ جَلَسُوْا فِیْ مَجْلِسٍ ثُمَّ تَفَرَّقُوْا قَبْلَ اَنْ یَّذْکُرُوا اللّٰہَ وَیُصَلُّوْا عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ ذَالِکَ الْمَجْلِسُ عَلَیْہِمْ تِرَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ۔ — مطلب یہ ہے کہ جس مجلس میں ذکر خدا اور درود بر نبی نہ ہوا قیامت کے دن وہ مجلس اہل مجلس کے لیے خسارہ ہوگی۔

اس کی اصل ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔

۴۰۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ ابن شاہین نے سند کے ساتھ روایت کیا کہ صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ کُنْتُ شَفِیْعَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ۔ — جو مجھ پر درود پڑھتا ہے قیامت کے دن میں اس کا شفیع ہوں گا۔

ابن ابی داؤد کی روایت میں ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔

قَدْ وَہَبَ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ عِنْدَ الْاِسْتِغْفَارِ مَنِ اسْتَغْفَرَ بِنِیَّۃٍ صَادِقَۃٍ — یعنی اللہ تعالےٰ استغفار سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ پس جس نے سچی نیّت سے استغفار

غُفِرَلَہٗ وَمَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ثَقُلَ مِیْزَانُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ کُنْتُ شَفِیْعَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ط

پڑھا وہ بخش دیا گیا یا اس کے گناہ بخش دیئے گئے۔ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اس کی میزان بھاری ہوگئی۔ جس نے مجھ پر درود پڑھا۔ میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا۔

۴۱۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ جسے ابراہیم بن رشید بن مسلم نے سند کے ساتھ روایت کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ عَبْدٍ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً اِلَّا عَرَجَ بِھَا مَلَکٌ حَتّٰی یَجِیْئَ بِھَا وَجْہَ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اِذْھَبُوْا بِھَا اِلٰی قَبْرِ عَبْدِیْ تَسْتَغْفِرُ لِصَاحِبِھَا وَتَقَرُّ بِھَا عَیْنُہٗ ط

یعنی جب کوئی شخص درود پڑھتا ہے تو اسے ایک فرشتہ لے کر اوپر کو چڑھتا ہے۔ اور رحمٰن پاک کے حضور میں اُسے لے جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے میرے بندہ مقبول محمد رسول کے قبر پر لے جاؤ۔ تاکہ آپ درود خوان کے لیے دعا بخشش کریں۔ اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث ابو نعیم نے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً صَلَّتْ عَلَیْہِ الْمَلٰٓئِکَۃُ مَا صَلّٰی عَلَیَّ فَلْیُکْثِرْ عَبْدٌ اَوْ یُقِلَّ ط

جو مجھ پر درود پڑھتا ہے فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں جب تک وہ درود پڑھتا رہے۔ اب کوئی زیادہ پڑھے یا کم۔

۴۲۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جسے ابوداؤد نے سنن میں روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّہٗ مَنْ صَلّٰی

جب تم مؤذن کی اذان[1] سنو۔ تو وہ جو کہے تم بھی وہی کہو پھر (ختم اذان کے بعد) مجھ پر درود پڑھو۔

---

[1] اذان سننے کے آداب مختلف حدیثوں کے جمع کرنے سے یہ معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ جو کلمات مؤذن کہے خود بھی وہی پڑھتا رہے۔

۲۔ حی علی الصلٰوۃ۔ حی علی الفلاح کے جواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھے۔

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

عَلَيَّ صَلَوٰةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَاِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا يَنْبَغِيْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَ اَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ فَمَنْ سَاَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ ۔

جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے۔ خدا تعالےٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ پھر میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک درجہ کا نام ہے جو بندگانِ خدا میں سے صرف ایک کو ملے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا۔ بیشک جو کوئی میرے واسطے وسیلہ کا سوال کرتا ہے میری شفاعت اس کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

امام مسلمؒ نے اس کو محمد بن سلمہ کی روایت سے بیان کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک حدیث وہ ہے۔ جسے عبداللہ بن احمد نے سند کے ساتھ موقوفاً روائیت کیا ہے کہ

"جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے اللہ تعالےٰ اور فرشتے اس پر ستر دفعہ رحمت بھیجتے ہیں۔ اب کوئی خواہ زیادہ پڑھے یا کم"

امام احمد اور ابو نعیم نے بھی اس کو موقوفاً روائیت کیا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث وہ ہے۔ جسے حافظ ابو موسےٰ مدینی نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔ جس شخص کی کوئی حاجت ہو اُسے چاہیئے کہ چہار شنبہ و پنجشنبہ و جمعہ کو روزہ رکھے۔ جمعہ کے دن غسل کرے مسجد کو جائے اور کم و بیش صدقہ بھی دے۔ نماز جمعہ کے بعد پڑھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰) ۳۔ ختم اذان کے بعد اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ پڑھے

۴۔ درود شریف پڑھے۔

۵۔ پھر اپنے لیے دعا مانگے۔ بعض لوگ اوپر کی دعا میں وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ پڑھا کرتے ہیں لیکن صحیح روائیت میں یہ الفاظ نہیں آئے۔ محمد سلیمان ۱۲ منہ

قضائے حاجت کی دُعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاسْمِكَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ الَّذِیْ مَلَأَتْ عَظَمَتُهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الَّذِیْ عَنَتْ لَهُ الْوُجُوْهُ وَ خَشَعَتْ لَهُ الْاَصْوَاتُ وَوَجِلَتِ الْقُلُوْبُ مِنْ خَشْیَتِهٖ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْ تُعْطِیَنِیْ حَاجَتِیْ وَهِیَ کَذَا وَکَذَا انشاء اللہ تعالےٰ یہ دُعا مستجاب ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ احمقوں کو یہ دُعا نہ سکھلانی چاہیئے کہ وہ گناہ کے لیے یا قطع رحم کے لیے دُعا نہ کرنے لگیں۔

۴۳۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جسے طبرانی نے معجم کبیر میں سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ حِیْنَ یُصْبِحُ عَشْرًا وَحِیْنَ یُمْسِیْ عَشْرًا اَدْرَکَتْهُ شَفَاعَتِیْ۔

جو شخص مجھ پر صبح کو دس بار شام کو دس بار درود پڑھتا ہے اُسے میری شفاعت نصیب ہوگی۔

طبرانی نے دوسری سند کے ساتھ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَکْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا بَلَغَنِیْ صَوْتُهٗ حَیْثُ کَانَ قُلْنَا وَبَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِیْ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ۔

جمعہ کے دن درود بکثرت پڑھا کرو۔ کیونکہ وہ یوم مشہود ہے۔ فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں۔ جو بندہ درود پڑھتا ہے خواہ وہ کوئی کہیں ہو۔ اس کی آواز مجھے پہنچ جاتی ہے عرض کیا گیا کہ حضور کی وفات کے بعد؟ فرمایا وفات کے بعد بھی۔ کیونکہ اللہ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو حرام کر دیا ہے۔

۴۴۔ سعید بن عمیر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو وہ اپنے باپ عمیر بدری سے روائت کرتے ہیں۔ اس کو عبدالباقی بن قانع نے سند کے ساتھ روائت کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَادِقًا مِنْ نَفْسِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَرَفَعَ عَشْرَ دَرَجَاتٍ وَكَتَبَ لَهٗ بِهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ ۝

جو شخص سچے دل سے مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ تعالےٰ اس پر دس بار رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کے دس درجے بلند کرتا ہے اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے۔
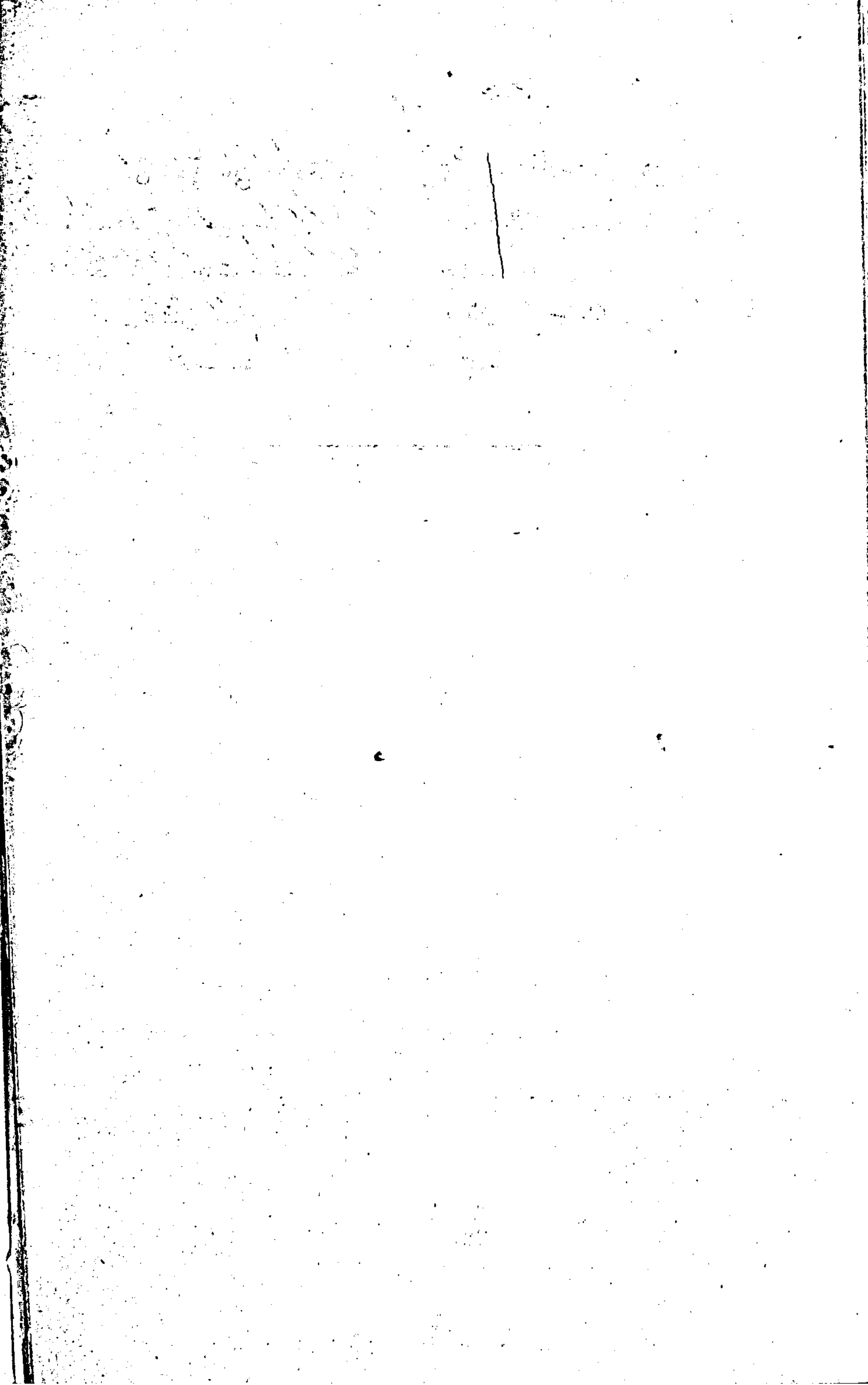
باب دوم

مرسل اور موقوف حدیثوں کے بیان میں

۱۔ اسمٰعیل نے اپنی کتاب میں یزید رقاشی سے روایت کی ہے۔ کہ ایک فرشتہ جمعہ کے دن مامور ہوتا ہے کہ جو شخص نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دیتا ہے اور عرض کر دیتا ہے کہ فلاں اُمتی نے یہ درود بھیجا ہے۔

۲۔ اسمٰعیل نے سند کے ساتھ حسن بصریؒ سے انہوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً أَكْثِرُوا عَلَيَّ الصَّلَاةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ کو روایت کیا ہے۔

۳۔ ابراہیم نے ایوب سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ مجھے پہنچا ہے اُسکے خدا جانے۔ کہ ایک فرشتہ سب پر موکل ہے جو شخص درود پڑھتا ہے اُسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتا ہے۔

۴۔ ابراہیم نے سند کے ساتھ سہیل سے روایت کیا ہے کہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام کرنے (مقبرہ منورہ پر) گیا۔ حسن بن حسین ایک گھر میں جو مقبرہ منورہ کے پاس تھا۔ طعام شب کھا رہے تھے۔ مجھے بلا کر کہا آؤ کھانا کھاؤ۔ میں نے کہا کچھ خواہش نہیں پھر مجھ سے کہا تم کھڑے کیوں ہو؟ میں نے کہا نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام کرنے کے لیے۔ کہا جب مسجد میں جاؤ گے سلام کر لینا۔ پھر کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

صَلُّوْا فِیْ بُیُوْتِکُمْ وَلَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ مَقَابِرَ لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ!

اپنے گھروں میں نماز پڑھو اور ان کو قبریں نہ بنا رکھو۔ خدا یہود پر لعنت کرے۔ جنہوں نے انبیاء بنی اسرائیل کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔ تم مجھ پر درود پڑھا کرو۔ کیونکہ جہاں کہیں تم ہو گے وہاں سے میرے پاس پہنچ جایا کرے گا۔

۵۔ پھر سند کے ساتھ حسن بصری رح سے روائیت کی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الْبُخْلِ اَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَا يُصَلِّي عَلَى النَّبِيّ ؂

۶۔ پھر حسن بصری رح سے ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ روائیت کئے کفی بہ شُحًّا اَنْ يَذْكُرَنِي قَوْمٌ فَلَا يُصَلُّوْنَ عَلَيَّ، صلی اللہ علیہ وسلم ؂

۷۔ پھر حسن بصری رح سے موقوفاً روائیت کیا ہے اَكْثِرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ؂

۸۔ پھر امام جعفر عن ابیہ کی روائیت سے مرفوعاً مَنْ نَسِيَ الصَّلٰوةَ عَلَيَّ خَطَأَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ بیان کی ہے۔

۹۔ پھر یہی حدیث امام زین العابدین رض سے مرفوعاً روائیت ہے۔

۱۰۔ پھر امام محمد بن علی سے مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ خَطَأَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ ط موقوفاً روائیت کی ہے۔

۱۱۔ پھر ان ہی سے حدیث من نسی الصلوٰۃ کو مرفوعاً روائیت کیا ہے۔

۱۲۔ پھر دوسری سند کے ساتھ امام جعفر سے من ذکرت عندہ الحدیث کو روائیت کیا ہے۔

۱۳۔ اور محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی روائیت ہے عبید اللہ بن عمر کی یہ حدیث موقوفاً روائیت کی ہے۔ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ اَوْ سَاَلَ اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط

۱۴۔ سلیمان بن حرب کی روائیت سے یزید بن عبداللہ کا قول بیان کیا ہے کہ وہ لوگ یوں پڑھنا پسند کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ط

۱۵۔ عاصم کی روائیت سے عبداللہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب تم نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو اچھی طرح درود بھیجو۔ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ شاید یہی (نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے) پیش ہو گا۔ لوگوں نے کہا ہم کو سکھلا دیجئے کیا پڑھا کرو۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَقَامًا مَحْمُوْدًا يَغْبِطُهٗ بِهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

۱۶۔ یحیٰی حمانی کی روائیت میں ہے کہ یونس نے عبداللہ بن عمر رض سے دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی کیا کیفیت ہے انہوں نے یوں بتلایا۔ اللّٰهم اجعل صلوٰتك وبركاتك

ورحمتك علی سید المسلمین و امام المتقین وخاتم النبیین عبدک ورسولک امام الخیر وقائد الخیر اللھم ابعثہ یوم القیامۃ مقاماً محموداً یغبطہ الاولون والآخرون وصل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وآل ابراھیم ٥

۱۷۔ محمود کی روائیت سے ابراہیم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ سلام تو ہم جان چکے۔ مگر صلوٰۃ آپ پر کیونکر ہے فرمایا کہو۔ اللھم صل علی محمد عبدک ورسولک واھل بیتہ کما صلیت علی ابراھیم وآل ابراھیم ٥

۱۸۔ سلیمان بن حرب کی روائیت سے یوں بیان کیا ہے کہ جب آیت ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً ٥ نازل ہوئی۔ تو عرض کیا گیا کہ سلام تو ہم جان چکے درود کے لیے کیونکر ارشاد ہے۔ فرمایا پڑھا کرو۔ اللھم اجعل صلواتک وبرکاتک علی محمد کما جعلتھا علیٰ ابراھیم انک حمید مجید ٥

۱۹۔ سلیمان بن حرب کی سند سے سعیدؓ بن المسیب کا قول مروی ہوا ہے کہ جس دعا سے پہلے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا جائے وہ زمین وآسمان کے اندر معلق رہتی ہے۔ ترمذی نے اس کو بروائیت سعیدؒ حضرت عمر فاروق رضؓ سے روائیت کیا ہے اور ایک روایت میں مرفوعاً بھی۔ مگر موقوفاً صحیح تر ہے۔

۲۰۔ عبدالکریم بن عبدالرحمٰن نے سند کے ساتھ حضرت علی مرتضےٰ رضؓ سے روایت کیا ہے کہ ہر ایک دعا اور آسمان میں حجاب ہوتا ہے۔ جب تک نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے۔ جب درود پڑھا گیا۔ حجاب اُٹھا اور دعا قبول ہوئی جب درود نہ پڑھا تو دعا بھی قبول نہ ہوئی۔ اس کا موقوف ہونا ہی صحیح ہے۔ گو سلام خزاز اور عبدالکریم نے اُسے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔

۲۱۔ قاضی اسمٰعیل نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ابو حلیمہ معاذ قنوت میں درود پڑھا کرتے تھے۔

۲۲۔ معاذ بن اسد نے سند کے ساتھ بنیہ بن وہب سے روایت کیا ہے کہ ایک دن کعب رضؓ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس گئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہونے لگا۔ کعب نے کہا ہر فجر کو ستر ہزار فرشتے اترتے اور قبر کو گھیر لیتے۔ اور اپنے

پروں کو قبر منور کے ساتھ لگا دیتے ہیں اور درود پڑھتے رہتے ۔ جب شام ہوتی ہے اوپر چڑھ جاتے ہیں ۔ ستر ہزار فرشتے اور اتر آتے ہیں ۔ حتیٰ کہ جب زمین (قیامت کو) شق ہوگی ۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ستر ہزار فرشتوں کے اندر برآمد ہوں گے اور وہ حضور کے گرد و پیش حاضر ہوں گے ۔

۲۳ - مسلم بن ابراہیم نے علقمہ سے روایت کیا ہے کہ ابن مسعود و ابو موسیٰ و حذیفہ رضی اللہ عنہم کے سامنے عید سے ایک یوم پہلے ولید بن عقبہ آیا کہا عید قریب ہے نماز کیونکر ہے ۔ عبد اللہ نے کہا ۔ پہلے تکبیر کہو جس سے نماز شروع ہوتی ہے ۔ (پھر اللہ کی حمد کرا ور نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ پھر دعا) پھر تکبیر کہہ (پھر حمد و صلوٰۃ اور دعا پڑھ) اور تکبیر کہہ ۔ اور حمد و صلوٰۃ و دعا کے بعد قرأت پڑھ اور تکبیر کہہ کر رکوع کو پھر دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تین تکبیریں کہہ ۔ اور ہر ایک کے درمیان حمد و صلوٰۃ و دعا پڑھ ۔ پھر رکوع ۔ حذیفہ اور ابو موسےٰ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ابو عبد الرحمن نے سچ کہا[1] ۔

۲۴ - سلیمان بن حرب کی سند سے عبد اللہ بن ابوبکر رضہ سے روایت ہے کہ میں خیف میں تھا اور ہمارے ساتھ عبد اللہ بن ابو عتبہ تھے ۔ انہوں نے پھر حمد و ثنا کی ۔ پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا ۔ پھر دعائیں مانگیں ۔ پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھی ۔

۲۵ - یعقوب بن حمید کی سند سے ہے کہ قاسم بن محمد کہتے تھے یہ مستحب ہے ۔ کہ جب آدمی تلبیہ (لبیک پکارنے) سے فارغ ہو تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے ۔

۲۶ - یحییٰ بن عبد الحمید نے سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ کا یہ قول روایت کیا ہے ۔ کہ جب تم مساجد میں جاؤ تو درود شریف پڑھا کرو ۔

---

[1] عید کی نماز میں زائد تکبیریں ہوتی ہیں اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ ایک تکبیر کہہ کر دوسری تکبیر کہنے میں امام ذرا وقفہ کرے ۔ اور اس میں چپکے چپکے حمد و صلوٰۃ و دعا پڑھ لے ۔ دو تکبیروں کے درمیان وقفہ کرنا تو ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے ۔ مگر وقفہ میں ذکر کرنے میں اختلاف ہے کوئی سکوت کو ترجیح دیتا ہے کوئی ذکر کو ۔ دیکھو کتب فقہ ۔ محمد سلیمان عفی عنہ ۔ ۱۲ منہ

۲۷۔ سلیمان بن حرب نے اپنی سند سے علقمہ کا قول نقل کیا ہے کہ مسجد میں جانے کے وقت صلی اللہ وملائکتہ علی محمد۔ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پڑھنا چاہیئے۔

۲۸۔ حازم بن الفضل نے سند کے ساتھ سیدنا عمر فاروق رضہ سے روایت کی ہے۔ کہ جب تم مکہ مکرمہ میں پہنچو۔ تو بیت اللہ کا طواف قدم سات طواف کے ساتھ کرو۔ اور مقام ابراہیم میں دو رکعتیں پڑھو پھر صفا کو جاؤ اس کے اوپر چڑھ کر جب کہ بیت اللہ نظر آتا ہو سات تکبیریں کہو۔ ہر ایک تکبیر کے درمیانی فاصلہ میں حمد و ثنا اور درود بر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے لیے دعا مانگو۔ پھر مروہ پر جاکر بھی ایسا ہی کرو۔

۲۹۔ عبدالرحمٰن بن واقد نے سند کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عمرو سے روایت کی ہے۔ کہ جو شخص نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھتا ہے اور دس بدیاں محو کرتا اور دس درجہ بلند فرماتا ہے۔

۳۰۔ علی بن عبداللہ نے سفیان سے روایت کی ہے کہ یعقوب بن زید بن طلحہ تیمی نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اتانی آت من ربی فقال ما من عبد یصلی علیک صلوٰۃ الا صلی اللہ علیہ بہا عشراً فقام الیہ رجل فقال یا رسول اللہ اجعل نصف دعائی لک قال ان شئت قال اجعل ثلثی دعائی لک قال اجعل دعائی کلہ لک قال اذاً یکفیک اللہ ہم الدنیا والاخرۃ ؕ

۳۱۔ عبدالرحمٰن بن واقد نے سند کے ساتھ یزید رقاشی سے روایت کی ہے۔ کہ ایک فرشتہ جمعہ کے دن موکل ہوتا ہے جو شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے۔ اُسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی حضور میں پہنچا دیتا ہے۔ اور کہہ دیتا ہے۔ کہ آپ کا فلاں اُمتی آپ پر درود پڑھتا ہے۔

۳۲۔ علی بن مدینی نے سند کے ساتھ طاؤس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یوں کہتے سُنا ہے۔

اللھم تقبل شفاعۃ محمد ن الکبریٰ وارفع درجتہ العلیا واعطہ سؤلہ فی الاخرۃ والاولیٰ کما اٰتیت	الٰہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعتِ کبریٰ کو قبول فرما اور ان کے درجۂ علیا کو برتر کر۔ اور آخرہ اور اول میں جو ان کے سوال ہیں ان کو عطا کر جیسا

ابراھیم وموسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام ؎ ابراہیمؑ و موسیٰؑ کو تو نے عطا کئے ہیں۔

۳۲۳۔ اسمٰعیل نے سند کے ساتھ ابو سعید سے روایت کی ہے کہ جو اشخاص کسی جلسہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے بغیر کھڑے ہو جاتے ہیں وہ نشست ان کے لیے قیامت کو حسرت ہو گی۔ اور جب جنّت میں جائیں گے تو اس کا ثواب دیکھیں گے" یہ لفظ حفص کے ہیںؓ"۔

؎ اس باب میں جو احادیث ہیں وہ سب پہلے باب میں مع ترجمہ آ چکی ہیں۔ اس لیے ان کا ترجمہ اس باب میں نہیں لکھا گیا۔

تیسرا باب

نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر صلوٰۃ کے معنی آل کی تفسیر۔ وجہ تشبیہ کہ آنحضرتؐ کی صلوٰۃ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل سے کیوں مشابہ کیا۔ صلوٰۃ کو حمید و مجید پر ختم کرنے کی وجہ۔ آنحضرتؐ پر سلام و رحمت و برکت کے معنے۔ اسم مبارک "محمد" صلے اللہ علیہ وسلم کے معنے اور دیگر فوائد کے بیان ہیں۔ اس باب میں دس فصول ہیں۔

فصل اوّل

آغاز درود شریف میں جو اللھم سے ہوتا ہے اور اللھم کے معنی

اللھم کے معنے اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ اللھم کے معنے یا اللہ ہیں۔ اسی لیے اس کا استعمال طلب کے مواقع پر ہوتا ہے دیکھو اللھم غفور رحیم نہیں بولتے بلکہ اللھم اغفر لی وارحمنی! کہتے ہیں۔

حرف م لیکن علمائے نحو کو میم کے بارہ میں جو آخر لفظ میں ہے اختلاف ہے۔ سیبویہ کا قول ہے کہ حرف ندا کے عوض میں بڑھا دیا گیا ہے۔ اسی لیے اس کے نزدیک حرفِ ندا اور میم کا جمع کرنا درست نہیں۔ یعنی یا اللھم نہیں کہہ سکتے (بجز شاذ کے) اس قسم کے حرف کو جب وہ غیر محل محذوف میں ہو۔ عوض کہتے ہیں اور جب محل میں ہو تب بدل۔ جیسے قام و باع میں الف واؤ اور یا کا بدل ہے۔ سیبویہ کے نزدیک اس اسم کو موصوف کرنا اور اللھم الرحیم کہنا جائز نہیں۔ اور نہ اس کا بدل جائز ہے۔ (ہ) پر جو ضمہ ہے یہ اسم منادی مفرد کی علامت ہے۔ اور میم پر فتح اس لیے دیا گیا

کہ یہ میم اور اس کا ماقبل میم ساکن تھے (میم مشدّد کو دو میم شمار کیا ہے) یہ اس اسم (اللہ) کے خصائص میں سے ہے۔ جیسا کہ یہ اسم مخصوص ہے قسم میں حرفِ تا سے۔ اور الف لام تعریف کے ساتھ حرفِ ندا کے داخل ہونے سے۔ اور ندا میں ہمزہ وصل کے قطع ہونے سے۔ اور تفخیم لام کی بطور وجوب غیر مسبوق کے حرف اطباق کے ساتھ۔ یہ خلاصہ ہے خلیل اور سیبویہ کے مذہب کا۔

بعض کہتے ہیں کہ میم ایک جملہ محذوفہ کے عوض ہے۔ یعنی یا اللہ امنا بخیر کا مختصر ہے۔ جار و مجرور و مفعول کو محذوف کردیا اور یا اللہ ام رہ گیا۔ چونکہ دعا میں اس کا استعمال بکثرت ہوتا تھا۔ اس لیے ہمزہ کو حذف کردیا۔ اور یا اللّٰھم رہ گیا یہ قول فراء کا ہے۔ اس قول کا قائل اللّٰھم پر حرف یا کا داخل کرنا جائز رکھتا ہے۔ ان کی حجت شاعر کا قول ہے جس میں یا اللّٰھُمَّ استعمال کیا ہے۔

بصریوں نے بہ چند وجوہ اس کا رد کیا ہے۔

۱۔ اس جملہ کے مقدر ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔ اور قیاس بھی اس کا مقتضی نہیں۔ پھر بلا دلیل کیوں کر مان سکتے ہیں۔

۲۔ عدم حذف اصل ہے اور ان محذوفات کثیرہ کا مقدر ماننا خلاف اصل۔

۳۔ دعا مانگنے والا کبھی اپنے لیے۔ کبھی غیر کے لیے دعائے بد بھی اللّٰھُمَّ کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اس وقت اس مقدر (اُمَّنَا بِخَیْرٍ) کا درست ہونا کب صحیح رہے گا۔

۴۔ محاورہ جو فصیح و شائع ہے وہ بتلا رہا ہے کہ ما اور اللّٰھم میں جمع نہیں کرتے۔ اگر فراء کا قول درست ہوتا تو جمع کرنا ممتنع نہ ہوتا بلکہ استعمال فصیح و شائع ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔

۵۔ دعا کرنے والا اللّٰھم امنا بخیر کہہ کر دعا مانگ سکتا ہے۔ اور کوئی ممتنع نہیں۔ اگر (م) جملہ مقدر کا ہوتا تب دونوں کا جمع کرنا جائز نہ ہوتا۔ کیونکہ عوض اور معوض عنہ کا جمع کرنا جائز نہیں۔

۶۔ دعا کرنے والے کا اس جملہ کی جانب خیال بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ اللّٰھم کہتے ہی اس کی توجہ اپنے مطلوب کی طرف ہوتی ہے۔

۷۔ اگر یہ مقدر صحیح ہے تب اللھم کو جملہ تامہ کہنا چاہیئے جس پر سکوت کرنا ٹھیک ہے کیونکہ اسم منادیٰ اور فعل طلب دونوں پر مشتمل ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسا کرنا باطل ہے۔

۸۔ اگر جملہ کا مقدر ہونا صحیح ہے۔ تو ضرور ہے کہ فعل امر (م) کو جدا لکھا جاتا اور اسم منادیٰ کے ساتھ وصل نہ کیا جاتا جیسے یا اللہ آمنا، یا زید اعد، یا عمرو قم ! کیونکہ فعل کو اس کے ماقبل اسم سے وصل نہیں کیا جاتا۔ ایسا کہ رسم خط میں وہ ایک کلمہ بن جاوے اس کی نظیر رسم خط میں کوئی نہیں۔ ادھر دیکھو کہ اسم اللہ کے ساتھ (م) کو وصل کرکے لکھنے پر سب کا اتفاق ہے۔ اور یہ اتفاق ہی بتاتا ہے۔ کہ (م) کوئی مستقل فعل نہیں۔

۹۔ دعا میں نہ تو اسے کہہ ہی سکتے ہیں اور نہ یہ کہنا ٹھیک ہی ہے۔ کہ یا اللہ امنی بکذا یعنی اے خدا میری جانب فلاں کام میں توجہ فرما۔ کیونکہ یہ لفظی و معنوی طور پر مکروہ ہے ایسا تو صرف اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جسے غلطی و نسیان ہو سکے۔ لیکن جو پاک ذات ہر فعل کو ارادہ سے کرتی ہے۔ جو بھول چوک سے منزّہ ہے۔ اس کی جناب میں ایسا نہیں کہہ سکتے۔

۱۰۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللھم کا استعمال ایسے مواضع میں بھی ہوتا ہے جس کے بعد دعا نہیں ہوتی مثلاً اللھم لک الحمد۔ اللھم انی اشہدک۔ اللھم مالک الملک۔ اللھم فاطر السمٰوات والارض۔ یہ سب ایسی نظائر ہیں جہاں جملہ کا مقدر ہونا یا جملہ مقدر کا صحیح ہونا ٹھیک نہیں ہو سکتا۔

بعض کا قول ہے کہ (م) تعظیم و تفخیم کے لیے زیادہ کر دیا گیا ہے۔ جیسے زرقم میں جو گہرے نیلے کو کہتے ہیں۔ اور زرقہ سے بنایا گیا ہے۔ یا ابنم میں جو ابن سے ہے۔ یہ قول صحیح اور ممکن ہے۔ اور ایک تتمہ کا محتاج ہے۔ جس میں تامل کے صحیح معنی اور پورے مدعا کو بیان کر دیا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ (م) جمع پر دلالت اور اقتضا کرتا ہے اور اس کا مخرج بھی اس کا مقتضی ہے۔ یہ قول اس بنیاد پر ہے۔ کہ لفظ اور معنی کے اندر باہمی مناسبت ہوتی ہے اور عربیت کے اعلیٰ ارکان (فاضلوں) کا یہی مذہب ہے۔

ابوالفتح بن جنی نے (م) کی خصوصیتوں میں سیبویہ کی روایت سے ایک جداگانہ باب قائم کیا۔ اور

حروف الفاظ کو معنی سے مناسبت ہوتی ہے

پھر اس سے لفظ و معنی میں انواع تناسب کے ہونے کا استدلال کیا ہے۔ اور پھر لکھا ہے کہ ایک مدت مجھ پر ایسی گذری کہ کوئی لفظ میرے سامنے وارد ہوتا اور میں اس کا موضوع نہ جانتا ہوتا۔ تو میں لفظ کی قوت اور حروف لفظ سے معنی کی مناسبت کا خیال کر کے اس کے معنی نکال لیتا۔ پھر جب تحقیق کرتا تو وہی معنی نکلتے جو میں نے سمجھے تھے۔ یا اس کے قریب قریب۔

ابن قیم رح کہتے ہیں کہ میں نے ابن جنی کا قول شیخ الاسلام (ابن تیمیہ رح) کو سنایا فرمایا مجھے بھی بارہا ایسا ہی اتفاق ہوا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک لمبی گفتگو جو بہت ہی نفع بخش ہے لفظ و معنی کے اندر مناسبت اور حرکات کو معنی لفظ سے مناسبت کے بارہ میں فرمائی۔ فرمایا۔

حرکات کو معنی سے مناسبت

اکثر قاعدہ تو یہ ہے کہ ضمہ کو جو حرکات میں اقوی ہے قوی تر معنے کے لیے لاتے ہیں۔ اور فتحہ کو جو خفیف ہے معنی خفیف کے لیے۔ اور متوسط یعنی کسرہ کو معنی متوسط کے لیے عَزَّ یَعَزُّ فتح عین کے ساتھ سخت کو کہتے ہیں۔ اَرْضٌ عَزَازٌ زمین سخت۔

عَزَّ یَعِزُّ کسر عین کے ساتھ ممتنع کو کہتے ہیں۔ ممتنع سخت سے بڑھ کر ہوتا ہے کیونکہ بعض شے سخت تو ہوتی ہے مگر سختی شکن کے سامنے سخت نہیں رہتی۔

عَزَّ یَعُزُّ بضم عین کے معنے غلبہ ہیں۔ غلبہ امتناع سے بھی قوی تر ہوتا ہے کیونکہ کوئی شے فی نفسہ ممتنع بھی ہوتی ہے اور عدو سے محفوظ بھی اور سب پر غالب بھی۔ ان تینوں افعال پر نظر ڈالو کہ غالب ممتنع سے زیادہ قوی تھا۔ اس کو اقوی حرکات (ضمہ) دیا گیا۔ سخت ممتنع سے کم تھا اُسے ضعیف ترین حرکت (فتحہ) ملا اور ممتنع جو دونوں کے درمیان تھا اُسے حرکت وسطی (کسرہ) دی گئی۔

٢۔ ذِبح بکسر اول۔ محل مذبوح کو کہتے ہیں۔ اور
ذَبح بفتح اول۔ نفس فعل کو۔

چونکہ جسم عرض سے زیادہ قوی ہوتا ہے اس لیے قوی کو حرکتِ قوی دی گئی اور ضعیف کو حرکت ضعیف۔

نِہْب بکسر اول۔ منہوب کو کہتے ہیں۔

نَہْب بفتح اول۔ نفس فعل کو۔ (نہب بمعنی غلیمت وغارت)

مِلاء بکسر اول۔ پُری۔ یعنی چیز کو بھر دینے والی۔

مَلْأ بفتح اول۔ مصدر کے لیے ہے۔ جو فعل ہے۔

حِمل بکسر اول۔ وہ بوجھ جو اٹھانے کے لیے نہایت بھاری ہو۔ اور سر و پشت پر ثقیل۔

حَمل بفتح۔ وہ بوجھ جو خفیف ہو۔ اور اٹھانے والے پر ہلکا۔ جیسے حَمل حیوانات۔

درخت کا پھل چونکہ حمل حیوان سے مشابہ تر تھا اس لیے اُسے بھی حَمل بفتح ہی کہا گیا۔

حِب بکسر اول۔ نفس محبوب کو کہتے ہیں۔

حُب بضم اول۔ مصدر کو۔ محبوب چونکہ بار خاطر نہیں ہوتا۔ بلکہ سب کے نزدیک لطیف و شیریں ہوتا ہے۔ اس لیے حِب کو کسرہ دیا گیا۔ اور محبت میں چونکہ گراں باری اور لزوم ضروری ہے۔ (جیسا کہ قرضدار پر قرض کا اور اسی لیے شیفتگی و محبت کو بھی غرام کہتے ہیں اور قرض کو بھی۔ غریم مقروض کو بھی کہتے ہیں۔ اور شیفتہ محبت کو بھی) اور محبت کی گراں باری و شدت وصعوبت ضرب المثل ہے۔ اور اس کو مخلوقات میں عظیم تر بتلایا جاتا ہے اور آہن و سنگ سے بھی زیادہ سخت فرض کیا جاتا۔ متقدمین و متاخرین کے شعروں میں جا بجا یہی معانی باندھے گئے ہیں کہ محبت کی برداشت کسی سے بھی ممکن نہیں۔ یہ وہ بلا ہے جس سے پہاڑ کانپ جائیں اور سمندر پایاب ہو جائیں۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

اس لیے یہی موزوں تھا کہ مصدر کو حرکت اقوی (ضمہ) دی جاتی اور محبوب کو اس سے کم۔

قبض سکون ثانی کے ساتھ فعل کے لیے۔

قَبَض بفتحتین مقبوض کے لیے جس طرح حرکت سکون سے قوی ہے۔ اسی طرح مقبوض مصدر سے۔

سبق بسکون ثانی فعل ہے (آگے بڑھنا)

سبق بہ فتحتین شرط کا وہ روپیہ جو گھوڑ دوڑ پر لگایا جائے۔

علیٰ ہذا خیال کرو۔ دَارَ دَوْرًا نا۔ فَارَتِ القِدْرُ فَوْرًا نًا۔ غَلَتْ غَلْیًا نًا پر کہ ان مصادر کی حرکات میں حرکت مسمیٰ کی وجہ سے کس طرح متابعت رکھی گئی ہے۔

اب تم حجر اور ہوا کو دیکھو کہ ثقیل و شدید کے لیے حروف بھی شدید وضع کئے ہیں۔ اور خفیف الجسم کے لیے حروف بھی ہوائیہ ہیں جو جملہ حروف میں اخف ہوں۔

غرض یہی وجوہ بکثرت ہیں اگر اللہ تعالےٰ نے عمر میں برکت دی تو میں اس بارہ میں ایک مستقل کتاب لکھوں گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔ ایسے معانی و مطالب تب سوجھتے ہیں جب ذہن لطیف اور طبیعت صاف ہو۔ موٹی دماغ کے آدمی۔ یا صرف و نحو کے ابتدائی مسائل کو بلا تامل و تدبر سیکھ لینے والے کا یہ حصہ نہیں۔ بے شک واضع لغت کی حکمت کو سمجھنا اور لغاتِ باہرہ کے اسرار کا جو اکثر عقول سے مخفی ہیں مطالعہ کرنا ایسا امر ہے جو فاضل شخص کو دوسروں سے ممتاز بناتا ہے۔ ومن لم یجعل اللہ لہ نورًا فمالہ من نور ؛

ہاں ذرا تامل کرو کہ غلیظ جانی کا نام عتل ہے۔ جعظری۔ اور جواظ رکھا گیا ہے۔

پھر دیکھو کہ طویل کو عَشَنَّق اور کوتاہ کو بُحْتُر کہا گیا ہے۔ عشنق میں پیاپے تین فتحہ ہیں اور بحتر میں دو ضمہ۔ اور درمیان میں سکون۔ پہلا لفظ تو انفتاح و کشائش دہان۔ اور امتداد آلاتِ نطق۔ اور ایک دوسرے سے عدم رکوب ظاہر کرتا ہے۔ اور دوسرا لفظ بالکل اس کی ضد ہے۔

پھر دیکھو کہ پہلے تو طویل و کبیر بولتے ہیں۔ اور جب ان میں زیادتہ منظور ہو تو (ی) کی جگہ حرف الف کو جس میں طول اور مد بہ نسبت (ی) کے زیادہ ہے لے آتے ہیں۔ اور طوال و کبار بنا دیتے ہیں۔ پھر اگر وہ اور بھی زیادہ نیز نفوس پر بھاری بھی ہو تب اسم کو بھی ثقیل کر دیتے ہیں۔ یعنی کبّار بنا دیتے ہیں۔

یہ ایسا میدان فراخ ہے کہ اگر اشہب خامہ کو اسی کا جولان گاہ بنایا جائے۔ پھر بھی طے کرنا دشوار ہے اس لیے ہم بر سر مطلب آتے ہیں۔

واضح ہو کہ (م) حرف شفتی ہے۔ بولنے والے کے ہونٹ اس کے تلفظ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اس لیے عرب نے اس کو علامتِ جمع بنایا۔ دیکھو۔ اَنْتَ۔ اَنْتُمْ، هُوَ، هُمْ، ضَرَبْتَ ضَرَبْتُمْ، اِیَّاكَ، اِیَّاكُمْ، اِیَّاهُ، اِیَّاهُمْ، بِهٖ، بِهِمْ۔ وغیرہ وغیرہ۔

اَتَمّ دَق   نیلی چیز۔ دَتَمّم   جب نیلاہٹ گہری ہو جائے۔
اَسْنَت   سرین سُتْہُمْ کلاں سرین والا۔
اب ان الفاظ پر جن میں (م) ہے غور کرو۔ کہ معنی جمع کس طرح اس سے چسپیدگی رکھتے ہیں۔
لَمّ الشئ یلمہ   بولتے ہیں جب کسی چیز کو فراہم و جمع کیا جائے۔
لَمّ اللہ شعثہٗ   بولتے ہیں۔ اور مطلب یہ کہ اللہ تعالے اس کے متفرق امور کو جمع کر دے۔
دَارُ المّلمومہ   وہ مکان ہے۔ جہاں سب لوگ جمع ہو سکیں۔
اَکْلاً لَمّاً !   قرآن مجید میں ہے۔ اس کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ اپنا حصہ بھی کھا جائے۔ اور دوستوں کا بھی۔
اصل ان سب کی لَمّ ہے۔ اور یہ جمع ہے۔ اسی سے لَمّ بالشئی ہے۔ یعنی کسی چیز کا وصول کا اجتماع کے قریب تک پہنچا دے (جیسے لڑکے کا بلوغ تک اور انگور کا پختگی تک)۔ اسی سے لَمَم ہے جس کے معنے اجتماع کبائر سے نزدیک ہو جانا ہے۔ اسی سے مُلِمّہ بنا ہے جس کے معنی مصیبت و سختی ہیں۔ اور اسی سے لِمّہ ہے۔ جس کے معنی سر کے گھنے اور بکھرے بال ہیں۔ جو کان کی پیٹری سے نیچے ہوں۔
اسی طرح اور الفاظ میں (م) کو دیکھو۔ مثلاً
بدرٌ تَامٌ التّم۔   جب چاند پورا۔ اور اس کا نور جمع ہو۔
توْاَم۔   ایک شکم میں جمع شدہ بچے۔
اُم   اور اُمّ الشئی ہر چیز کی اصل۔ تنہ جس سے شاخیں نکلیں۔ گویا وہ فروع کا جامع ہے۔
اُمّ القریٰ   مکہ معظمہ۔
اُمّ القرآن   الحمد شریف۔
اُمّ الکتاب   لوح محفوظ۔
اُمّ مثواک   گھروالی۔ جس کے پاس جاکر انسان آرام لے۔ اور جس کے ساتھ اکٹھا ہو کر بیٹھے۔

اُمّ الدماغ۔ وہ جلد جو دماغ کو گھیرے رکھتی ہے۔

اُمّ التراس۔ ایضاً۔

اُمّ الکتاب۔ آیاتِ محکمات۔

اُمَم۔ وہ جماعت جو زمانہ یا خلقت میں متساوی ہو۔ قرآن مجید میں ہے۔

ما من دآبّۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم ۵ — کوئی چوپایہ یا بازوؤں سے اڑنے والا پرندہ نہیں۔ مگر وہ بھی تمہارے جیسی جماعتیں ہیں۔

حدیث میں ہے۔

لولا ان الکلاب امۃ من الامم لامرت بقتلھا ۵ — اگر کتے بھی ایک جنس مخلوق دیگر اجناس جیسے نہ ہوتے تو میں ان کے قتل کا حکم دیتا۔

اِمَام۔ جس کے اتباع پر مقتدی جمع ہوتے ہیں۔

رم الشی رمتہ۔ تب بولتے ہیں۔ جب کسی چیز کی اصلاح کر کے اس کی تفرق کو جمع کر دیا جائے۔

رُمّان۔ انار۔ کیونکہ اس میں بہت سے دانہ جمع اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔

ضم الشی بیضمہ۔ یعنی کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ فراہم کرنا۔

ھَمّ اور ھموم۔ انسان کے وہ تفکر یا قصد و ارادہ جو دل میں مجتمع ہوں۔

احم۔ سیاہ

حممہ۔ انگشت سیاہ

حمم راسہٗ۔ جب سر منڈانے کے بعد کھوپری بالوں سے سیاہ ہو جائے

وجہ یہ ہے کہ سیاہ رنگ بینائی کو جمع رکھتا ہے اور متفرق ہونے نہیں دیتا۔

غرض یہ باب بہت طویل ہے۔ اور مذکورہ بالا بیان پر ہی ہم اختصار کرتے ہیں۔

جب دم) کی شان یہ ہے تو اُسے نام پاک (اللہ) کے ساتھ جس کے وسیلہ سے ہر ایک حاجت کا سوال مالک الملک سے کیا جاتا ہے شامل کر دیا گیا تاکہ یہ دم) تمام اسماء و صفات کی جامعیت پر اشارہ کرتا رہے۔ گویا جب قائل وسائل نے اللھم کہہ دیا۔ تو اس نے یہ کہہ دیا۔ کہ میں اللہ تعالٰے کو جو اسمار حسنٰے اور صفات علیا کا مالک ہے اس کی تمام اسماء و صفات کے ساتھ پکارتا ہوں۔ یہی مطلب حدیث سے نکلتا ہے کہ

دُعائے دافع رنج والم

اللهم انی عبدك وابن عبدك وابن امتك ناصيتی بيدك ماض فی حكمك عدل فی قضائك اسألك بكل اسم هو لك سميت به نفسك او انزلته فی كتابك او علمته احدا من خلقك او استأثرت به فی علم الغيب عندك ان تجعل القرآن العظيم ربيع قلبی ونور صدری وجلاء حزنی وذهاب همی وغمی!

یا اللہ میں تیرا بندہ۔ تیرے بندہ اور تیری لونڈی کا جنا ہوا ہوں میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ تیرے حکم چلتے ہیں۔ اور تو عدل کیا کرتا ہے۔ میں تجھ سے تیرے ہر ایک نام کے طفیل جو تیرا ہے۔ جس سے تو نے اپنی ذات کو موسوم کیا ہے۔ یا کسی کتاب میں اتارا ہے۔ یا کسی بندہ کو سکھلایا ہے۔ یا اپنے علم غیب میں تو نے اُسے چھپایا ہے سوال کرتا ہوں کہ تو قرآن عظیم کو میرے لیے نوبہار دل اور نور سینہ اور غم و رنج و اندوہ کا زائل کر دینے والا بنا دے۔

کے پڑھنے سے کسی بندہ کو ہرگز کوئی رنج و غم نہیں جو پہنچا ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ اُسے کھو دیتا ہے اور بجائے اس کے فرح کر دیتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم اس دعا کو نہ سیکھ لیں۔ فرمایا لازم ہے کہ جو اُسے سنے وہ سیکھ لے۔ غرض یہ کہ دعا مانگنے والے کے لیے بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ سے اس کے سب اسماء و صفات کے ساتھ سوال کرے۔ جیساکہ

دُعائے اسم اعظم

دعائے اسم اعظم میں ہے۔

اللهم انی اسئلك بان لك الحمد لا اله الا انت الحنان المنان بديع السموات والارض يا ذا الجلال والاكرام يا حی!

یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ حمد تیرے لیے ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ نہایت شفقت فرمانے والا نہایت احسان کرنے والا آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والا۔ اے جلال

یَا قَیُّوم ۵ عزت کے مالک اے زندہ رہنے والے قائم رکھنے والے۔

دیکھو یہ کلمات کیسے اسماء حسنیٰ پر متضمن ہیں۔

اقسام دُعا

واضح ہو کہ دعا کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ سے اس کے اسماء و صفات کے ساتھ سوال کیا جاوے۔ چنانچہ آیت وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا کی تفسیر یہ بھی کی گئی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے صرف اپنی حاجت و فقر بیان کر کے سوال کیا جائے۔ اور یوں کہے کہ میں تیرا بندہ۔ فقیر۔ مسکین۔ عاجز و ذلیل حقیر و بیچارہ ہوں۔

۳۔ صرف حاجت کا بیان کرے اور پہلی دونوں صورتیں اس میں نہ ہوں۔

ظاہر ہے کہ پہلی صورت دوسری سے اور دوسری صورت تیسری سے اکمل ہے۔ اور جس دعا میں یہ تینوں امور جمع ہو جاویں گے تو وہ کامل تر ہو گی۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام دعاؤں کا یہی حال ہے۔ مثلاً اسی دعا کو لو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صدیق امت رضی اللہ عنہ کو سکھلائی۔ کہ اس میں ہر سہ امور ہیں ظلمت نفسی ظلماً کثیراً ط کہا۔ یہ سائل کی حالت کا بیان ہے۔ وانہ لا یغفر الذنوب الا انت کہا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ پھر فاغفرلی کہا یہ سوال حاجت ہے پھر دعا کو اسماء حسنیٰ میں سے دو اسماء غفور رحیم پر جو مطلوب سے تناسب رکھتے تھے اور مقصد کے مقتضی ہیں ختم فرمایا۔

سلف میں سے بھی ایک سے زیادہ کا یہی مذہب ہے۔

حسن بصری رح کا قول ہے کہ اللھم تو تمام دعا کا جامع ہے۔ ابو رجاء عطاردی کا قول ہے کہ جس نے اللھم کہہ دیا اس نے اللہ تعالیٰ کو تمام اسماء کے ساتھ پکار لیا۔

ایک گروہ نے اس قول میں یہ توجیہہ نکالی ہے کہ اللھم کا (م) اس جگہ بجائے (و) ہے۔ جو جمع پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ (و) جمع کے مخرج سے ہے۔ گویا دعا مانگنے والا یہ کہا کرتا ہے کہ یا اللہ تیرے لیے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا مجتمع ہیں۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ وہ علامت جمع (و۔ ن جیسے مسلمون وغیرہ میں ہے) کا عوض ہے۔

لیکن جس طریق پر ہم گذشتہ فصل میں ذکر کر چکے ہیں۔ کہ خود (م) ہی جمع پر دلالت کیا کرتا ہے۔ پھر اس توجیہہ کی کچھ ضرورت باقی نہیں رہتی۔

یا اللّٰھم کہنا صحیح نہیں

باقی رہا یہ سوال کہ مذہب صحیح کے موافق (یا) اور (م) کا اللّٰھم میں جمع کرنا کیوں جائز نہیں جواب یہ ہے۔ کہ قیاس اسی کا مقتضی ہے کہ اس اسم پر حرفِ ندا داخل نہ ہو۔ کیونکہ الف و لام اس کی جگہ موجود ہے۔ اور چونکہ دعا میں اس اسم کے استعمال کی کثرت ہے۔ اور مستغیثین اپنے استغاثہ میں اس کے لیے مضطر ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں:۔

۱۔ یا تو الف و لام کو حذف کر دیتے۔ لیکن یہ ٹھیک نہ تھا۔ کیونکہ دونوں میں لزوم ہو گیا ہے[1]۔

۲۔ یا اس پر حرف یا بڑھا دیتے۔ لیکن یہ بھی ٹھیک نہ تھا۔ کیونکہ اسم میں جو الف و لام سے محلی ہو۔ مثلاً الرجل۔ الرسول۔ النبی کی ندا میں تو حرف یا کو پہلے بڑھا دیا جاتا ہے لیکن اعلام میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس لیے فضلاء نے اس اسم میں ضرورۃً قیاس کا خلاف کیا اور میم مشدد کو ہی جو علامتِ جمع کے عوض آخر میں بڑھا دیا گیا تھا حرفِ ندا کا عوض بھی قرار دیا۔ اور حرفِ ندا و (م) میں جمع کرنا مناسب نہ سمجھا۔

---

[1] فضلاء نے لفظ اللہ کی اصل ال لاہ بتائی ہے۔ جس آل کے لزوم کا ذکر ہے اس سے ال لاہ کا الف لام مراد ہے۔ کیونکہ اب دونوں مرکب ہو کر اللہ ایک ایسا لفظ بن گیا۔ گویا مفرد ہے مرکب نہیں ۱۲۔

دوسری فصل

(۱) "صلوٰۃ" کے معنی ہیں

باعتبار لغت اس لفظ کی اصلیت دو معنی ظاہر کرتی ہے۔
۱۔ دُعا و تبریک۔
۲۔ عبادت۔ پہلے معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وصل علیھم ان صلاتک سکن لھم ۵ — ان کو دعا دیجئے، کیونکہ آپ کی دعا ان کے لیے سکینہ ہے۔

اور فرمایا۔

ولا تصل علی احد منھم مات ابدًا ۵ — ان میں جب کوئی مر جائے تو ہرگز ان کے حق میں دعا نہ کیجئے۔

حدیث شریف میں ہے۔

اذا دُعی احدکم الی الطعام فلیجب فان کان صائماً فلیصل ٭ — جب تم میں سے کسی کو کھانے کے لیے طلب کیا جائے تو چاہیئے کہ مان لے اور اگر روزہ دار ہو تو دعا کرے۔"

جیسے ہندوستان میں کہہ دیا کرتے ہیں خدا زیادہ دے۔ مصنفؒ کہتے ہیں کہ فلیصل کی ایک شرح یہ بھی کی گئی ہے۔ کہ وہ کھاتے رہیں اور یہ درود پڑھتا رہے۔

بعض نے کہا ہے کہ "صلوٰۃ" کے معنی لغت میں صرف دُعا ہیں۔ اور دعا کی دو اقسام ہیں۔ دعا عبادت۔ دعا مسالت۔ یعنی جیسے عابد کو داعی کہتے ہیں۔ ایسے ہی سائل کو بھی۔ چنانچہ اُدعونی استجب لکم! کی تفسیر دونوں طرح کی گئی ہے۔ یعنی اطاعت و عبادت کرو۔ میں تم کو ثواب دوں گا۔ یا یہ کہ سوال کرو۔ اُسے منظور کروں گا۔ اسی طرح اُجیبُ دعوۃ الداع اذا دعان! کی تفسیر بھی ان ہی دونوں معنے سے کی گئی ہے۔
مگر صورت یہ ہے کہ دعا ہر دو نوع پر عام ہے۔ اور یہ لفظ متواطی ہے۔ جس میں

کچھ اشتراک نہیں۔

(۵) عبادت کے معنے میں لفظ دعا کا استعمال آیاتِ ذیل میں ہوا ہے۔

۱۔ قل ادعوا الذین زعمتم من دون اللہ۔

۲۔ الذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئًا وھم یخلقون ○ — جو لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا اوروں کی۔ انہوں نے کچھ پیدا نہیں کیا۔ بلکہ وہ خود پیدا شدہ ہیں۔

۳۔ قل ما یعبؤا بکم ربی لولا دعاؤکم۔ اس آیت کے صحیح معنے یہ ہیں۔ کہ اگر تمہاری عبادت خاص اس کے لیے نہیں تو خدا کو تمہاری کیا پرواہ ہے۔ اس معنی میں مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے۔

۴۔ ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ۔ — اپنے پروردگار کی عبادت گریہ وزاری اور پوشیدگی سے کرو۔

۵۔ وادعوا اللہ خوفًا وطمعًا۔ — اللہ کی عبادت خوف اور طمع کے ساتھ کرو۔

۶۔ یدعوننا رغبا و رھبا۔ — عبادت ہماری رغبت اور خوف سے کرتے ہیں۔

یہ طریق (کہ صلوۃ کے معنی لغوی صرف دعا ہیں اور دعا کی اقسام دو ہیں) پہلے طریق سے اچھا ہے۔ جس میں دعا کے مسمی کے خلاف کا دعویٰ ہے۔ اور اسی سے وہ تمام مشکلات جو صلوۃ شرعیہ کے اسم پر وارد ہوتی ہیں۔ (یعنی حقیقت لغوی سے منتقل کر کے پھر اُسے حقیقت شرعی قرار دیا جائے) زائل ہو جاتی ہے۔ اور اس طریق میں لفظ صلوۃ معنی لغوی (دعا) پر باقی رہتا ہے۔ (دعا کا معنی عبادت وسوال ہونا اوپر ثابت ہو گیا)۔ پس یہ معنی صلوۃ کے حقیقت ہوئے نہ مجاز۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ایک مخصوص عبادت کے ساتھ اسم صلوٰۃ کو خاص کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ دیگر تمام الفاظ کو اہل لغت وعرف اس کے بعض مسمی کے ساتھ خاص کر دیا کرتے ہیں۔ جس کی مثال الفاظ دابہ راس وغیرہ سے مل سکتی ہے۔ تو گویا یہ بھی تخصیص لفظی ہی ہے اور لفظ کو ایک نہ ایک موضوع پر مقرر کر دینا۔ جس سے ثابت ہوا کہ موضوع اصل سے نقل و خروج نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

صلوٰۃ اللہ کی قسمیں

صلوٰۃ کے جو معنی بیان ہوئے یہ تو آدمی کی طرف سے صلوٰۃ کے ہیں۔ رہی اللہ سبحانہٗ کی صلوٰۃ بندوں پر اس کی دو قسمیں ہیں۔ عامہ اور خاصہ

۱۔ عام تو اللہ تعالےٰ کی صلوٰۃ مومنوں پر ہے۔ فرمایا۔

ھُوَ الَّذِی یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلَائِکَتُہٗ ! خدا اور اس کے فرشتے تم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔

حدیث میں بھی یہی مراد ہے۔

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ اٰلِ اَبِیْ اَوْفیٰ ! الٰہی آلِ ابی اوفی پر صلوٰۃ بھیج۔

ایک عورت کی درخواست پر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکِ وَعَلیٰ زَوْجِکِ ! خدا تجھ پر اور تیرے شوہر پر صلوٰۃ بھیجے۔

۲۔ خاصہ وہ ہے جو انبیاء و رسل پر ہے۔ بالخصوص وہ جو خاتم النبیین و خیر المرسلین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر ہے۔

صلوٰۃ کے معنے

اس صلوٰۃ کے معنی میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ اور اس بارہ میں چند اقوال ہیں۔

اوّل۔ صلوٰۃ کے معنی رحمت ہیں۔ اسمٰعیل نے سند کے ساتھ ضحاک سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی صلوٰۃ رحمت ہے۔ اور ملائکہ کی صلوٰۃ دعا۔ مبرّد کا قول ہے۔ کہ صلوٰۃ کی اصل رحمت ہے۔ وہ اللہ کی جانب سے رحمت ہے اور ملائکہ کی جانب سے رحمت۔ اور بندوں کی جانب سے استدعا رحمت۔ یہی قول اکثر متاخرین کے نزدیک معروف ہے۔

دوم۔ صلوٰۃ کے معنے مغفرت ہیں۔ اسمٰعیل نے ضحاک سے ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ کی صلوٰۃ مغفرت اور ملائکہ کی صلوٰۃ دعا ہے۔

یہ قول بھی پہلے قول سا ہے۔ مگر یہ دونوں کئی وجوہ سے ضعیف ہیں۔

صلوۃ اور رحمت میں فرق

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر صلوۃ اور رحمت میں فرق خود بتلایا ہے۔ فرمایا۔

اولٰئک الذین علیھم صلوات من ربھم و رحمۃ و اولٰئک ھم المھتدون ٥ — یہ وہ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوۃ اور رحمت ہے۔ اور یہی راہ پانے والے ہیں۔

یہاں رحمت کو صلوۃ پر عطف کیا ہے۔ یہ دونوں کا غیر ہونا بتلاتا ہے۔ کیونکہ عطف کی اصلیت بھی یہی ہے۔ بعض لوگ جو عطف میں تغائر نہ ہونے کے ثبوت میں دالفی قولھا کذبا و منیا ، پیش کیا کرتے۔ اول تو یہ شاذ و نادر ہے جس پر افصح الکلام کو حمل نہیں کر سکتے دوسرے یہ کہ مین کذب سے خاص تر ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے صلوۃ تو انبیاء و رسل کے لیے نیز مومن بندوں کے لیے مخصوص ہے۔ رہی رحمت وہ ہر چیز سے وسیع تر ہے۔ اس لیے صلوۃ رحمت کی مرادف نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ رحمت صلوۃ کے لوازم اور موجبات و ثمرات میں سے ہے۔ جو شخص صلوۃ کی تفسیر رحمت کے ساتھ کرتا ہے گویا وہ اس کے بعض ثمرہ اور بعض مقصود سے تفسیر کرتا ہے۔ اور یہ حال قرآن مجید اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کی تفسیر میں اکثر دیکھا گیا ہے۔ کہ ایک لفظ کی تفسیر اس کے لازم یا جزو سے کی جاتی ہے۔ جیسے ریب کی تفسیر شک کے ساتھ (حالانکہ شک ریب کا ایک جزو ہے) اور مغفرت کی تفسیر ستر کے ساتھ (حالانکہ وہ مغفرت کا ایک جزو ہے) اور رحمت کی تفسیر ارادۂ احسان کے ساتھ (حالانکہ ایسا ارادہ لازمہ رحمت ہے) غرض اس کی نظائر بہت ہیں۔ جن کا ذکر اصول تفسیر میں کیا گیا ہے۔

۳۔ مومنین پر رحمت کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ مگر سلف و خلف کا اختلاف ہے کہ غیر انبیاء کے لیے صلوۃ بھی جائز ہے یا نہیں۔ اس بارہ میں جو تین اقوال ہیں وہ تو ہم انشاء اللہ تعالیٰ بعد میں ذکر کریں گے۔ مگر پہلے لفظ پر اتفاق۔ اور دوسرے پر اختلاف نے ظاہر کر دیا۔ کہ یہ دونوں لفظ مترادف نہیں۔

۴۔ اگر صلوۃ کے معنے رحمت ہیں تو رحمت کو امتثال امر میں صلوۃ کا قائم مقام ہونا چاہیئے اور جس کے مذہب میں صلوۃ واجب ہے اس کے نزدیک اللھم ارحم محمدا و آل محمد

کہنے سے وجوب ساقط ہوجانا چاہیئے۔ حالانکہ صورت یہ نہیں۔

۵۔ جو شخص غیر کے لیے رحمت کرتا۔ اس کے لیے دل پگھلاتا۔ کھلاتا پلاتا پہناتا ہے تو اس موقعہ پر کوئی نہیں بولتا کہ اس نے اس پر صلوٰۃ کی۔ بلکہ کہا کرتے ہیں کہ اس نے اس پر رحمت کی۔

۶۔ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے دشمن پر بھی رحم آجاتا ہے اور اس کا دل نرم ہوجاتا ہے مگر یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس پر صلوٰۃ بھیجنے لگے۔

۷۔ صلوٰۃ میں کچھ کلام ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ درود پڑھنے والے کی جانب سے ثناء وصفت ہے اس شخص کی جس پر درود پڑھتا ہے۔ وہ گویا اس کی شان بلند دکھلاتا، توصیف کرتا اور محاسن ظاہر کرتا ہے۔

صحیح بخاری میں معنےٰ صلوٰۃ

امام بخاری رح نے صحیح میں ابوالعالیہ سے روائیت کی ہے کہ اللہ کی صلوٰۃ رسول پر آنحضرت ؐ کی ثنا کرنا ہے۔ ملائکہ کے پاس۔ اسمٰعیل نے اپنی سند کے ساتھ ابوالعالیہ سے اِنَّ اللہَ وَملائکتہٗ یصلّون علی النّبیّ کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کی صلوٰۃ آپ پر ثناء کرنا ہے۔ اور ملائکہ کی صلوٰۃ دعا کرنا ہے۔

۸۔ اللہ تعالےٰ نے پہلے تو اپنی صلوٰۃ اور ملائکہ کی صلوٰۃ میں تفریق فرمائی۔ اور پھر اُسے ایک فعل کے ساتھ جمع کردیا۔ فرمایا اِنَّ اللہ وملائکتہ یصلّون علی النّبیّ پس جائز نہیں کہ صلوٰۃ کے معنے رحمت ہوں۔ بیشک صلوٰۃ تو ثناء ہے۔ اللہ کی جانب سے بھی اور ملائکہ کی جانب سے بھی۔

لفظ مشترک المعنی

واضح ہو کہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ صلوٰۃ لفظ مشترک المعنی ہے۔ اور جائز ہے۔ کہ وہ دو معانی کے لیے ایک ہی دفعہ استعمال کیا جائے" کیونکہ اس قول میں چند محاذیر یا نقص ہیں۔

۱۔ اشتراک خلافِ اصل ہے۔ اور ایسے لفظ کا ایک واضع سے واقع ہونا غیر معلوم

ہے۔ چنانچہ ائمہ لغت مبرد وغیرہ نے اس پر نص کر دیا ہے۔ جو اشتراک بھی پایا جاتا ہے وہ عارضی و اتفاقی ہے۔ جس کی ابتدائی وجہ واضعین کا تعدد ہے۔ پھر جب لغت آپس میں مل جل گئے۔ تب لفظ میں اشتراک المعانی معلوم ہونے لگا۔

ب۔ اکثر علماء لفظ مشترک کا دو معانی میں استعمال کرنا جائز نہیں رکھتے۔ نہ بطریق حقیقت اور نہ بطریق مجاز۔ جن لوگوں نے امام شافعی سے اس کے جواز کی روائیت کی ہے وہ صحیح نہیں۔ بلکہ یہ مسئلہ ان کے اس قول

اذا وصّٰی لموالیہ ولہ	جب کوئی اپنے موالی کے لیے وصیت کر
موال من فوق ومن	جائے اور اس کے موالی اوپر کے رشتہ والے
اسفل تناول	بھی ہوں اور نیچے کے بھی تو وہ وصیت سب
جمیعھم !	پر حاوی ہو گی۔

سے نکالا گیا ہے۔ یعنے سمجھنے والے نے یہ سمجھ لیا کہ لفظ مولی دونوں معانی کے لئے مشترک ہے۔ اور تجرد کے وقت بھی ان دونوں پر اُسے حمل کر سکتے ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ لفظ موالی الفاظ متواطیہ میں سے ہے۔ اور امام شافعی نیز ظاہر مذہب میں امام احمد رح بھی قائل تھے۔ کہ موالی کی ایک نوع اس لفظ میں داخل ہے۔ یہ ان کے نزدیک عام متواطی ہے مشترک نہیں۔ رہی تفسیر لامستم النساء کی جو امام شافعی رح سے مروی ہے کہ وہ ملامست سے مجامعت مراد لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ملامست کے حقیقی معنے تو ہاتھ سے چھونا ہے اور مجازاً جماع۔ تو یہ روائیت ان سے صحیح نہیں۔ ان کا کلام ہی اس انداز کا نہیں ہوتا۔ یہ تو متاخرین میں سے کسی فقیہہ کا قول ہے۔ اور ہم نے ایک علیحدہ رسالہ میں لفظ مشترک کے استعمال کے ابطال میں تیرہ چودہ دلائل کے قریب بیان کئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب صلوٰۃ کے معنے رسول کی ثناء اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے شرف و فضل و حرمت کا اظہار اور آنحضرت صلعم پر بذل عنائیت و التفات کے ہیں تو آیت میں لفظِ صلوٰۃ مشترک اور دو معانی پر محمول نہ ہوا۔ بلکہ ایک ہی معنی میں مستعمل ٹھہرا۔ جو الفاظ کی اصل ہے۔ ہم اس مسئلہ کی پوری توضیح ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی! کی تفسیر میں کریں گے۔

۹۔ اللہ سبحانہ نے آپ پر صلوٰۃ کا حکم تب دیا ہے۔ جب پہلے یہ بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ پر درود پڑھتے ہیں۔ اور معنی آیت یہ ہیں کہ جب خدا اور اس کے فرشتے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں تو مومن بھی درود پڑھیں بلکہ تم کو درود پڑھنا، سلام و تسلیم بھیجنا زیادہ زیبا اور شایان ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی برکاتِ رسالت اور فیضانِ نبوت سے تم کو کیا کچھ شرف دنیوی اور خیر اخروی حاصل ہو چکے ہیں۔ دیکھو اگر آیت بالا میں صلوٰۃ کے معنی رحمت لیں تو چسپاں ہی نہیں ہوتے ہیں۔ اور نظم کلام بھی درست نہیں رہتا اور لفظ و معنی میں تناقض بھی ہو جاتا ہے اور آیت کی تقدیر یوں ماننی پڑتی ہے۔ ان اللہ و ملائکتہ ترحم ویستغفرون لنبیہ فادعوا انتم لہ وسلموا ! لیکن آیت کی یہ مراد ہرگز نہیں بلکہ ہم کو بھی اُسے صلوٰۃ کے طلب کرنے کا حکم ہوا ہے جس کی خبر اللہ تعالے نے اپنی اور اپنے ملائکہ کی جانب سے دی ہے۔ یعنی آپ کی ثنا اور اظہار فضل و شرف اور ارادہ تکریم و تقریب، اور یہی خیر و طلب سے پر متضمن ہے۔

رہی یہ بات کہ ہماری جانب سے اس سوال و دعا کئے جانے کا نام بھی صلوٰۃ رکھا گیا۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔

ا۔ صلوٰۃ۔ درود خواں کی جانب سے ثنا پر متضمن ہوتا ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر شرف و فضل اور ارادہ محبت کا اس میں اشارہ (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ میں ہے) پس یہ خیر و طلب پر متضمن ہوا۔

ب۔ صلوٰۃ اس لیے نام ہوا کہ بندے سوال کیا کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجے۔ اللہ تعالےٰ کی صلوٰۃ تو آپ کی ثنا اور آپ کے رفع ذکر کا ارادہ و تقریب ہے اور ہماری صلوٰۃ جیسا کہ ہم ارادہ کرتے ہیں اللہ تعالے سے سوال ہے کہ ایسا ہی فرمائیے۔

صلوٰۃ کی ضد اعداء خدا اور دشمنانِ رسول کے لیے لعنت ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:

اُولٰٓئِکَ یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون ۵ — یہ وہ ہیں جن پر خدا لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے سے بھی معاف کیا اور بندوں سے بھی۔ لعنتِ الٰہی تو بیزاری و دوری اور بغض پر متضمن ہے اور بندوں کی لعنت اس سوال پر متضمن ہے کہ جو اہل لعنت ہیں۔ ان پر لعنت فرمائے۔ جب یہ معنی ثابت ہو گئے تو ایسی حالت میں اگر صلوٰۃ کے معنے رحمت ہوتے تب طالبِ رحمت کو مصلی کہنا ٹھیک نہ ہوتا بلکہ مسترحم کہا جاتا۔ جیسا کہ طالبِ مغفرت کو مستغفر اور طالب عطف کو مستعطف کہا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی کسی شخص کے لیے مغفرت مانگے تو اس وجہ سے اس کو غافر نہیں کہا جاتا۔ لیکن یہاں تو بندہ کو مصلی کہا جاتا ہے۔ اگر صلوٰۃ کے معنے رحمت ہوتے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ صلوٰۃ پڑھنے والا اس کے لیے راحم ہوتا ہے۔ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے اس پر رحم کیا۔ (اسی طرح کہنا جائز ہوتا) کہ جو کوئی نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر ایک بار رحم کرے۔ خدا اس پر دس بار رحم فرمائے گا۔ بیشک اس کا باطل ہونا معلوم ہے۔ اگر کوئی کہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر بندہ کی صلوٰۃ کے معنی رحمت نہیں بلکہ طلبِ رحمت ہیں۔ تو یہ بھی بوجوہ باطل ہے۔

ا۔ طلبِ رحمت تو ہر مسلمان کے لیے مشروع ہے۔ اور طلب صلوٰۃ انبیاء و رسل کے لیے مخصوص جیسا کہ مذہب جمہور آگے بیان کیا جائے گا۔

ب۔ اگر طالبِ رحمت کا نام مصلی ہو سکتا ہے تو طالبِ مغفرت کا نام غافر بھی ہونا چاہیئے اور طالب عفو کا نام عافی۔ اور طالب صفح کا نام صافح بھی۔

اگر کوئی کہے کہ اچھا تم بھی تو اللہ تعالےٰ سے صلوٰۃ (ثناء) کے طالب کو مصلی کہتے ہو۔ پھر اگر ہم نے اللہ سے طالبِ صلوٰۃ (رحمت) کو مصلی کہہ دیا تو کیا ہو گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تو حقیقتِ صلوٰۃ کا وجود حاصل ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ کی حقیقت ثناء اور اکرام و تقریب و اعلیٰ منزلت کا ارادہ ہے۔ اور یہ بندہ کی صلوٰۃ (ثناء) میں بھی حاصل ہے۔ ہاں درود شریف میں بندہ ان امور کا اللہ تعالےٰ سے خواہاں ہے اور اللہ تعالےٰ اپنی ذاتِ پاک سے اپنے رسول کے ساتھ ایسا کرنا چاہتا ہے۔ رہا دوسرا پہلو کہ مصلی کو اللہ تعالےٰ سے طلبِ صلوٰۃ کی وجہ سے مصلی کہتے ہیں وہ بھی یوں ہے کہ صلوٰۃ ایک نوع کلام طلبی و خبری و ارادہ سے ہے اور یہ امور

مصلی سے بھی پائے گئے۔ بخلاف رحمت و مغفرت کے۔ کیونکہ یہ ایسے افعال ہیں جو طالب سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ مطلوب منہ سے حاصل ہوتے ہیں۔

عمل کی جزا اسی جنس سے ہوتی ہے

۱۰۔ صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ جو شخص ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے گا۔ اللہ تعالےٰ اس پر دس دفعہ بھیجے گا۔"
یہ شریعت کے قاعدہ مستقرہ کے موافق ہے کہ عمل کی جزا اسی جنس سے ہوتی ہے گویا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے والے کی جزا بھی خداوند کریم نے صلوٰۃ کو ہی بنایا۔ اور یہ تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کے معنی رحمت نہیں بلکہ ثناء ہیں۔ اور التجا ہے کہ اللہ تعالےٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند اور تعظیم زیادہ فرمائے۔ جزاء کے جنس عمل میں سے ہونے کے قاعدہ سے یہ نکلا کہ جو شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ثنا کرے گا۔ اللہ تعالےٰ اس کی ثناء فرمائے گا۔ اور تشریف و تکریم میں اس کو بڑھائے گا۔ اب جزا کا عمل کے ساتھ ربط بھی صحیح ہو گیا اور مشاکلت و مناسبت بھی درست ہو گئی۔ جیسا کہ دیگر احکام میں ہے۔ مثلاً جو شخص تنگی میں کسی کی مدد کرے اللہ تعالےٰ حساب میں اُسے فراخی دے گا۔ جو مسلمان کو دنیا میں پہنائے خدا اُسے دنیا و آخرت میں پہنائے گا۔ جو کوئی مومن کی دنیا کی سختی دور کرے اللہ تعالےٰ آخرت کی سختی اس سے دور فرمائے گا۔ اللہ اپنے بندہ کی مدد پر ہوتا ہے۔ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے جو کسی راہ پر طلب علم میں چلتا ہے اللہ تعالےٰ اس پر راہِ بہشت کو آسان بنا دیتا ہے۔ جس نے علم کی کوئی بات جسے وہ جانتا ہے پوچھنے پر نہ بتائے اللہ تعالیٰ اُسے آگ کا لجام قیامت کو پہنائے گا۔ علیٰ ہذا جو کوئی رسول اللہ علیہ وسلم پر ایک بار صلوٰۃ بھیجے اللہ تعالےٰ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا وغیرہ وغیرہ۔

۱۱۔ اگر کوئی شخص روایتِ حدیث کے وقت عن رسول اللہ رحمہ اللہ یا قال رسول اللہ رحمہ اللہ۔ بجائے صلے اللہ علیہ وسلم کے کہے تب تمام امت اس پر انکار کرے گی۔ اور اس کو بدعتی سمجھ کر جان لے گی کہ یہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا وقر نہیں رکھتا۔

آپ پر صلوٰۃ نہیں بھیجتا۔ اور جس ثناء کے آپ مستحق ہیں اسے ادا نہیں کرتا۔ اب اس کا حق نہیں کہ دس صلوٰۃ اس کو ملیں۔ دیکھو اگر صلوٰۃ کے معنے اللہ کی رحمت ہیں تو رحمہ اللہ کہنا منع نہ ہوتا۔

۱۲۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا۔ یعنے مسلمان نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نہ پکاریں جس طرح باہم ایک دوسرے کو پکار لیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ نام لے کر نہ پکاریں بلکہ یا رسول اللہ کہہ کر بلا دیں۔ کیونکہ نام لے کر پکارنا تو کفار کی عادت تھی۔ اور مسلمان ہمیشہ رسول اللہ کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے۔ پس جو حالتِ خطاب کا حکم ہے وہی غائبانہ کا ہے یعنی یہ سزاوار نہیں کہ عام کی طرح آپ کے لیے دُعا کی جائے بلکہ آنحضرتؐ کے لیے تو اشرف دعا یعنی صلوٰۃ چاہیئے۔ اور یہ تم جانتے ہی ہو کہ رحمت ایسی عام شے ہے کہ ہر مسلمان کو اس کے ساتھ دعا دی جاتی ہے۔ بلکہ حیوانات کو بھی۔ چنانچہ دعاء استسقاء میں یہ الفاظ ہیں۔ اللھم ارحم عبادك وبلادك وبھائمك

۱۳۔ لغت اصلیہ میں صلوٰۃ کے معنے رحمت ہرگز نہیں۔ بلکہ عرب کے نزدیک جو معنے اس کے مشہور و معروف ہیں۔ وہ ثناء و تبریک ہیں۔ اور صلے علیہ کے معنی رحمہ عرب کبھی نہیں سمجھتے۔ اس لیے لفظ کے وہی معنے کرنے چاہئیں جو لغت میں متعارف ہیں۔

۱۴۔ ہر شخص کر سکتا ہے بلکہ مستحب بھی ہے کہ اپنے لیے رحمت کا سوال کرے چنانچہ دعائیں ہم کو

اللھم اغفر لی وارحمنی ! اے خدا مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر۔

سکھلایا گیا ہے۔ لیکن یہ کسی کو شایان نہیں کہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیَّ ! اے خدا مجھ پر صلوٰۃ بھیج۔

کہے لیکن اگر کوئی کہے گا تو وہ دعا میں حد سے بڑھنے والا ہے جسے خدا پسند نہیں کرتا۔ برخلاف سوال رحمت کے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ پسند کرتا ہے کہ بندہ اس سے مغفرت ورحمت کا سوال کرے۔ اس سے سمجھا گیا کہ صلوٰۃ اور رحمت کے معنے ایک نہیں۔

۱۵۔ بہت سے ایسے مواضع ہیں جہاں رحمت کا استعمال ہوا ہے اور اس جگہ صلوۃ کا استعمال ٹھیک نہیں فرمایا۔

رحمتی وسعت کل شیء میری رحمت ہر ایک چیز سے وسیع ہے۔

فرمایا۔

رحمتی سبقت علی غضبی! میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

فرمایا۔

ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین! اللہ کی رحمت محسنین سے قریب ہے۔

فرمایا۔

کان بالمؤمنین رحیما! مومنوں پر وہ رحیم ہے۔

فرمایا۔

انہ بھم رؤف رحیم! وہ ان پر مہربان۔ رحمت والا ہے۔

حدیث میں ہے۔

ان اللہ ارحم بعبادہ من الوالدۃ بولدھا! خدا اپنے بندوں پر زیادہ مہربان ہے۔ بہ نسبت ماں کے اپنے بچے پر۔

دوسری حدیث میں ہے۔

ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء! جو زمین پر ہے تم اس پر رحم کرو۔ جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔

فرمایا۔

من لا یرحم لا یرحم! جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہ کیا جائے گا۔

غرض استعمال رحمت کے بہت سے ایسے مواضع ہیں (خواہ اللہ کی جانب سے ہو یا بندوں کی طرف سے) جہاں لفظ صلوۃ کا واقع ہونا زیبا اور موزوں نہیں۔ اس لیے صلوۃ کی تفسیر لفظ رحمت کے ساتھ ٹھیک نہیں (واللہ اعلم)

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی کی تفسیر میں یبارکون علیہ! کہا ہے لیکن برکت ثنا اور ارادۂ تکریم و تعظیم کی منافی نہیں۔ کیونکہ اللہ کی جانب سے تبریک ان امور بالا کی بھی متضمن ہے۔ اسی لیے آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے صلوٰۃ کے ساتھ برکت کو بھی ملایا گیا ہے (یعنی اللّٰھم بارك علی محمد) ملائکہ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کہا ہے۔
رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت ! اے گھر والو خدا کی رحمتیں اور برکتیں تم پر ہوں۔
سیدنا مسیح علیہ السلام نے کہا ہے۔
وجعلنی مبارکًا این ما کنت ۵ اور مجھے مبارک بنایا جہاں کہیں کہ میں ہوں"

سلف میں سے ایک سے زیادہ نے کہا ہے کہ مبارک سے مراد خیر کا معلم ہے مگر یہ معنی کا ایک جزو ہے کیونکہ مبارک وہ اپنی ذات سے خیر کثیر والا شخص ہے۔ جس کو تعلیم و انذار یا نصیحت و ارادہ و اجتہاد کے ذریعہ دوسرے سے خیر حاصل ہوئی ہو۔ اسی لیے بندہ کا نام مبارک ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اس میں برکت ڈال دیتا اور اُسے صاحب برکت کر دیتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا نام متبارک ہے۔ کیونکہ تمام برکت اسی کی جانب سے ہے۔ قرآن مجید میں ہے تبارك الّذی نزل الفرقان علیٰ عبدہٖ فرمایا تبارك الّذی بیدہ الملك خیران معنی پر آگے چل کر بحث ہوگی۔

جہمیہ اور صفات باری تعالےٰ

بعض لوگوں نے صلوٰۃ بمعنی رحمت ہونے سے بدیں وجہ انکار کیا ہے کہ رحمت کے معنے رقتِ طبع ہیں۔ اور یہ اللہ سبحانہٗ کے حق میں محال ہے۔ جس شخص کا یہ قول ہے اس کے دل سے زبان تک جہمیت کی نبض جاری ہے۔ اور درحقیقت وہ رحمت الٰہیہ کا قطعًا انکار کرتا ہے۔ جہم بن صفوان بانی مذہب کی عادت تھی کہ جب جذامیوں پر اس کا گذر ہوتا تو انکار رحمت کے طور پر اس وقت ارحم الراحمین زبان سے کہا کرتا۔ غرض قولِ بالا کے قائل نے صلوٰۃ بمعنے رحمت نہ ہونے کی جو وجہ بیان کی ہے وہ دراصل منکرین صفاتِ الٰہیہ کا شبہ ہے کیونکہ ان کا قول ہے کہ ارادہ نام ہے حرکت نفس کا جو حصولِ نفع یا دفعِ ضرر کے لیے ہو۔ اور پروردگار حرکت نفس سے برتر ہے اس لیے اس میں ارادہ نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ غضب نام ہے انتقام کے لیے خونِ دل کے جوش مارنے کا۔ اور پروردگار اس سے پاک ہے۔ اس لیے اس میں غضب نہیں۔ غرض اسی جھوٹے رستہ پر وہ

اللہ تعالےٰ کی حیات و کلام اور دیگر صفات کے بارہ میں چلے۔ حالانکہ یہ بہت ہی باطل طریق ہے۔ کیونکہ یہ شخص صفت کے مسمی میں صرف مخلوق کی خصوصیتوں کو لیتا ہے۔ اور پھر ان کی وجہ سے صفت خالق کی نفی کرتا ہے۔ اس شخص کا یہ کام نہایت تلبیس و گمراہی ہے۔ کیونکہ صفت کی جس خاصیت کو یہ شخص لیتا ہے وہ صفت کے لیے ذاتی نہیں بلکہ مخلوق ممکن کے اعتبار سے اضافی ہے۔ اور روشن بات ہے کہ اگر کسی صفت سے ان خصوصیتوں کی نفی کردی جائے جو مخلوق سے خاص ہیں۔ تو اس سے اصل صفت کا نفی کر دینا یا اللہ تعالیٰ کا اس صفت سے موصوف نہ ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ اور جب اصل صفت خدا کے لیے ثابت کی جائے تو اس سے مخلوق کی خصوصیتیں اللہ تعالےٰ کے اندر ثابت نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کی صفات میں نقص و تشبیہہ نہ ہونے سے مخلوق کی صفات عیب و نقص سے پاک نہیں ہو سکتیں۔ غرض خالق اور مخلوق پر ایک صفت کے اطلاق (لفظی) سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالےٰ کی صفت کے لیے جو کچھ وجوب اور قدم و کمال ہے وہ مخلوق کے لیے بھی ثابت ہو جائے۔ یا بندہ میں جو نقص و عیب ہیں۔ وہ خدا کے لیے بھی۔ یہی مثال حیات اور علم کی ہے۔ کیونکہ بندہ کی حیات آفات متضادہ کی معرض ہے نیند۔ مرض۔ موت۔ اُس سے لگی ہوئی ہیں۔ علم انسانی کو نسیان بھی ہے۔ اور اس کی ضد جہل بھی لگی ہوئی ہے۔ لیکن ان خصائص کا اللہ تعالےٰ کی حیاۃ و علم میں ہونا محال ہے۔ اب جو شخص اللہ تعالےٰ کے حیات اور علم کی نفی مذکورہ بالا خصائص انسانی کی وجہ سے کرتا ہے وہ صریح بطلان پر ہے۔ پس یہی مثال ہے نفی رحمتِ الٰہی کی۔ جو صرف بدیں وجہ کی جاتی ہے۔ کہ رحمت مخلوق میں رقتِ طبع کا ہونا ضروری ہے۔ اُسے یہ وہم ہو گیا ہے۔ کہ رحمت صرف اسی حالت میں (جو مخلوق کے اندر پائی جاتی ہے) پائی جا سکتی ہے اور اس نے سمجھا کہ علم و حیات و ارادہ بھی ان ہی خصوصیتوں کے ساتھ جو مخلوق کے علم و حیات و ارادہ سے لگی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالےٰ میں پائی جا سکتی ہیں۔ لیکن یہ محض غلطی ہے۔ اور منشاء غلطی یہ ہے کہ اس صفت کو پہلے تو مخلوق کی صفت سے جو اس پر پابند ہے قیاس کیا۔ اور پھر اللہ تعالےٰ کے اندر جب اس صفت کا اثبات کیا تو اسی پابندی کے ساتھ۔ لیکن دونوں وہم باطل ہیں۔ کیونکہ جو صفت اللہ تعالےٰ کے لیے ثابت ہے اور اس کی جانب مضاف ہے اس میں مخلوق کی خصائص میں سے کسی شے کے ہونے کا وہم

نہیں کیا جا سکتا۔ نہ لفظی طور پر نہ معنوی طور پر۔ اب جو شخص اسی باطل خیال پر اللہ تعالےٰ کی کسی صفت کی نفی کرتا ہے اُسے لازم آتا ہے کہ جملہ صفات کمال کی ہی نفی کرے۔ کیونکہ وہ تو ہر ایک صفت کو صفت مخلوق کا ہی نمونہ سمجھتا ہے بلکہ اُسے تو چاہیئے کہ ذات الٰہی کی بھی نفی کر دے۔ کیونکہ وہ صرف ذوات مخلوقہ کو ہی جانتا ہے۔

یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ مخلوق کی کسی شے سے مشابہ نہیں۔

اس باطل طریق پر معطلہ فرقہ کے غالی لوگوں نے التزام کر رکھا ہے۔ اور جہاں تک وہ ایسی صفات کی نفی میں توغل کرتے گئے اسی قدر تناقض شدید اور بطلان ظاہر بڑھتا گیا۔ بیشک یہ باتیں عقل کی سچی کسوٹی پر درست نہیں رہتیں۔ عقل سلیم کے نزدیک بھی وہی درست ہے جو انبیاء صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم لے کر آئے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

سبحان اللہ عما یصفون الا عباد اللہ المخلصین ۔

اللہ پاک ہے ان باتوں سے جس سے یہ لوگ اس کا وصف کرتے ہیں۔ مگر اللہ کے مخلص بندے۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات کو ہر ایک وصف کنندہ کے وصف سے منزّہ قرار دیا۔ بجز مخلص بندوں کے جو انبیاء اور رسول ہیں۔ یا ان کے پیرو۔ چنانچہ دوسری آیت میں ہے۔

سُبحان ربّک ربّ العزۃ عمّا یصفون و سلام علی المرسلین والحمد للہ ربّ العٰلمین ۝

پاک ہے رب تیرا عزت کا مالک ان باتوں سے جن سے یہ لوگ اس کا وصف کرتے ہیں۔ اور سلامتی ہے مرسلین پر۔ اور حمد ہے واسطے خدا کے جو رب العالمین ہے۔

اس میں بھی اپنی ذات کو وصف کنندوں کے وصف سے منزّہ بتلایا اور مرسلین پر سلامتی نازل فرمائی۔ کیونکہ جو کچھ وہ اللہ تعالےٰ کی توصیف کرتے ہیں اس میں ہر ایک نقص و عیب سے سلامت رہتے ہیں۔ پھر اپنی ذات پاک کے لیے تحمید فرمائی۔ کیونکہ وہی ذات پاک صفات کمال سے موصوف اور اس لیے حمد کی مستحق ہے۔ پھر اسے ہر ایک نقص سے جو کمال حمد کا منافی ہے منزّہ بھی فرمایا۔

تیسری فصل

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے معنی۔ اور اس اسم کے اشتقاق کے بیان میں

واضح ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مشہور ترین اسماء میں سے جو نام ہے وہ حمد سے منقول ہے اور یہ دراصل حمد سے اسم مفعول ہے۔ اور محمود کی ثنا و محبت اور اجلال و تعظیم پر متضمن ہے کیونکہ حمد کی حقیقت یہی ہے۔ یہ مفعل کے وزن پر مبنی ہے جیسے معظم و مبجل و مسود وغیرہ ہیں۔ یہ بنا تکثیر کے لیے موضوع ہے۔ جب اس سے اسم فاعل بناتے ہیں تب اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ فعل کا صدور مرۃ بعد مرۃ کثرت کے ساتھ اس شخص سے ہو۔ جیسے معلم و مفہم و مبین و مخلص و مفرج کے معنے سے واضح ہو گا۔ اور جب اس سے اسم مفعول بناتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ فعل کا وقوع پیاپے مرۃ بعد مرۃ اس پر ہوتا ہو۔ (استحقاقاً ہو یا وقوعاً)۔ پس محمدؐ وہ ہے جس پر حمد کرنے والوں نے مرۃ بعد اخریٰ بکثرت حمد کی ہو۔ اور وہ جو پیاپے حمد کئے جانے کا مستحق ہو۔ حمد سے محمد اس طرح بنایا گیا ہے۔ جیسے علم سے معلم۔

اسم مبارک عَلَم بھی ہے اور صفت بھی

یہ اسم مبارک عَلَم بھی ہے اور صفت بھی۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں دونوں امور مجتمع ہیں گو بہت سے لوگوں کے لئے جن کا یہی نام (محمد) رکھا جائے۔ یہ اسم عَلَم محض ہو گا۔

یہی شان اللہ تعالےٰ کے اسماء حسنیٰ اور کتب آسمانی کی ہے۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے جملہ اسماء مبارکہ کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اعلام بھی ہیں اور اپنے معانی پر بھی جو اعلام کے لیے اوصاف ہیں دلالت کنندہ ہیں۔ اس لیے ان میں علمیت وصف سے

متضاد نہیں ہوتی۔ برخلاف دیگر مخلوق کے اسمار کے مثلاً اللہ۔ خالق۔ مصور۔ قہار جو اسمار ہیں یہ اپنے معانی پر جو اس کی صفات ہیں دلالت کنندہ ہیں۔ اسی طرح قرآن و فرقان و کتاب مبین۔ اسی طرح نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اسمار محمدؐ۔ احمدؐ۔ ماحی۔ چنانچہ جبیر بن مطعم کی حدیث میں ہے۔

ان لی اسماء انا محمد وانا احمد وانا الماحی الذی یمحا اللہ بہ الکفر !	میرے کئی نام ہیں۔ میں محمدؐ ہوں۔ میں احمدؐ ہوں میں ماحی ہوں جس کی وجہ سے اللہ نے کفر کو محو کر دیا ہے۔

دیکھو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان اسمار کا ذکر فرمایا اور فضیلت کی جو خصوصیت اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دی ہے۔ اُسے بیان کر کے معانی کی طرف بھی (یعنے کفر کو محو کر دینے کی وجہ سے آنحضرتؐ کا نام ماحی ہے) ارشاد فرما دیا۔ اگر یہ اسمار محض اعلام ہوتے جن کے کچھ معنے نہ ہوتے تو وہ مدح پر ہرگز دلالت نہ رکھتے۔ حسان بن ثابت مداح نبی رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے یہ شعر کہا ہے ؎

وشق لہ من اسمہ لیجلہٗ	فذوالعرش محمود وھذا محمدؐ
نکالا نام اپنے نام سے دیکھو کرم بخشی	کہ صاحب عرش کا محمود ہے اور یہ محمدؐ ہیں

اسمارِ حسنیٰ کا معانی سے تعلق

یہی حال اللہ تعالےٰ کے جملہ اسمار مدح کا ہے۔ کیونکہ اگر وہ مجرد الفاظ ہوتے جن کے معانی نہیں تو وہ مدح پر دلالت کنندہ نہ ہوتے۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا وذروا الذین یلحدون فی اسمآئہ سیجزون ما کانوا یعملون ؁	اللہ کے پاک نام ہیں انہی سے اللہ کو پکارو۔ اور جو لوگ اس کے ناموں میں الحاد کرتے ہیں۔ انہیں چھوڑ دو۔ وہ اپنے عملوں کا بدلا جلد پا لیں گے۔

جن اسمار کی توصیف لفظ حُسنیٰ کے ساتھ فرمائی وہ مجرد لفظ ہونے کی وجہ سے حُسنےٰ نہیں۔ بلکہ اوصاف کمال پر دلالت رکھنے کی وجہ سے ہیں۔

مروی ہے کہ ایک قاری نے یہ آیت پڑھی۔

والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاءً بما کسبا نکالا من اللہ واللہ غفور رحیم ؁	چور مرد چور عورت کا ہاتھ کاٹ ڈالو۔ یہ ان کے کئے کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف ذلت و خواری اس سے آگے اس شخص نے غفور رحیم پڑھا۔ جس کے معنے ہیں اللہ بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے۔ قرآن میں دراصل عزیز حکیم تھا۔ یعنی اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

ایک اعرابی نے سن کر کہا یہ تو کلام الٰہی نہیں۔ قاری نے کہا کیا تو کلام اللہ کی تکذیب کرتا ہے؟ وہ بولا نہیں۔ مگر جو تو نے پڑھا ہے وہ کلام الٰہی نہیں۔ قاری نے اپنے حافظہ پر زور ڈالا تو غفور رحیم کی جگہ عزیز حکیم پڑھا۔ اعرابی بولا اب ٹھیک ہے۔ وہ غالب ہے اس لیے حکم دیا اور قطع ید فرمایا۔ اگر مغفرت و رحم کرتا تو قطع کا حکم نہ دیتا۔

یہی وجہ ہے کہ جب آیت رحمت اسم عذاب پر یا بالعکس ختم کی جائے تو تنافر کلام اور عدم انتظام ظاہر ہو جاتا ہے سنن میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ قرأت قرآن سات حرف پر ہے اور ہر ایک کافی وشافی ہے۔ اگر سمیعًا علیمًا کی جگہ عزیزًا حکیمًا پڑھ دیا جائے (تو کچھ ڈر نہیں) جب تک آیتِ عذاب رحمت پر اور آیتِ رحمت عذاب پر ختم نہ ہو۔

دیکھو اگر یہ اسماء محض اعلام ہوتے جن کے کچھ معانی نہیں تو کچھ فرق نہ ہونا چاہیئے تھا کہ آیت اس اسم پر ختم ہو یا اس پر اور دیکھو کہ اللہ تعالےٰ احکام اور افعال کو اپنے اسماء کی علت ٹھہراتا ہے۔ پس اگر اسماء کے لیے کچھ معانی نہ ہوں۔ تو وہ تعلیل بھی صحیح نہ ہو فرمایا۔

استغفروا ربکم انہ کان غفارًا ؁	اپنے رب سے بخشش مانگو۔ بیشک وہ بہت بخشنے والا ہے۔

قرآن مجید کا طریق یہ بھی ہے کہ اسماء رجا اور اسماء خوف کو ساتھ ساتھ بیان کیا جاتا ہے فرمایا۔

اعلموا ان اللہ شدید العقاب و ان اللہ غفور رحیم ؁	جان لو خدا سخت عذاب والا ہے اور خدا بخشنے والا اور رحم والا ہے۔

اہلِ جنت کا قول ہے۔

الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور ۝ — اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور فرمایا بیشک ہمارا رب غفور و شکور ہے۔

اس آیت میں گویا اس معنی کا اظہار ہے کہ گناہ بھی ہمارے اسی نے بخشے اور نیکیوں کو مشکور بھی اس نے کیا تب ہم دارِ کرامت میں پہنچے۔ فرمایا۔

ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و امنتم وکان اللہ شاکرًا علیمًا ۝ — اللہ تم کو عذاب نہ دے اگر اللہ پر تم شکر گزار رہو اور ایمان لے آؤ اللہ تو شاکر و علیم ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تم پروردگار کا شکر کرو گے وہ تم کو مشکور کرے گا اور وہ تمہارے شکر کو جانتا بھی ہے شکر گذار و نافرمان اس سے کچھ مخفی نہیں۔ غرض قرآن مجید اسی سے مملو ہے اور ہمارا مقصود اس پر آگاہی بخش دینا ہے۔

پھر تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء سے توحید پر بھی اور نفیِ شرک پر بھی استدلال فرماتا ہے۔ پس اگر اسماء کے معنی نہ ہوتے تو اس مدعا پر دلالت نہ کر سکتے مثلاً حضرت ہارونؑ کا گوسالہ پرستوں سے کہنا۔

یا قوم انما فتنتم بہ و ان ربکم الرحمٰن ۝ — اے قوم تم آزمائش میں ڈالے گئے ہو اور تمہارا رب تو رحمٰن ہی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا۔

انما الٰھکم اللہ الذی لا الٰہ الا ھو وسع کل شیء علمًا ۝ — بیشک تمہارا معبود تو اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے ہر ایک چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے۔

نیز یہ ارشاد۔

والٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم ۝ — تمہارا معبود وہی ایک ہے اس کے سوا کوئی نہیں وہ رحمٰن رحیم ہے۔

نیز آخر حشر میں یہ ارشاد۔

ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمٰن الرحیم ۝ — اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ چھپی اور کھلی کو جانتا ہے وہ رحمٰن رحیم ہے۔

هو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان اللہ عما یشرکون ۝

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ملک۔ قدوس۔ سلام۔ مومن۔ مہیمن۔ عزیز۔ جبار متکبر ہے۔ اللہ مشرکوں کی باتوں سے پاک ہے۔

اس میں مشرکین کے شرک سے اپنی ذات پاک کی تسبیح و پاکی۔ اور اسماء حسنیٰ کے ساتھ (جو توحید کے مقتضی ہیں اور اثبات شریک کو محال بتلاتے ہیں) اپنی مدح فرمائی۔

غرض جو شخص قرآن مجید میں اس معنی کا تدبر کرے گا وہ نور ہدایت پائے گا۔ اور خیابانِ علم میں جا پہنچے گا (جسے خداوند کریم ہر شخص سے جو کتاب و ہدایت سے روگرداں ہو بچائے رکھے) یہ ایسا بیان ہے کہ اگر اس کتاب میں صرف یہی ایک فصل ہوتی تب بھی ذوق و معرفت والے کے لیے یہی کافی تھی۔ واللہ الموفق للصواب ۝

اس کے علاوہ تم دیکھو گے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے اسماء کے ساتھ معمولات یعنی ظرف و جار و مجرور وغیرہ کو بھی متعلق کیا ہے۔ اگر اسماء حسنےٰ محض اعلام ہی ہوتے تب ایسا کرنا صحیح نہ ہوتا۔ مثلاً فرمایا ہے۔ واللہ بکل شیء علیم۔ وکان بالمؤمنین رحیمًا ط واللہ علیٰ کل شیء قدیر۔ انہ بعبادہ خبیر بصیر ط غرض اس کی نظائر بہت ہیں۔ علیٰ ہذا اللہ تعالےٰ نے اپنے اسماء کو منکرین صفاتِ کمال کے لیے دلیل بھی بنایا ہے۔ فرمایا۔ الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر ۝

واضح ہو کہ جن لوگوں نے اسماء حسنےٰ پر نظرِ غور ڈالی ہے۔ انہوں نے اس بارہ میں اختلاف کیا ہے کہ

۱۔ کیا یہ اسماء متبائن ہیں۔ جیسا کہ ان کے معانی سے نظر آتا ہے کیونکہ ہر ایک اسم ایک جدا معنی پر دلالت کرتا ہے جس پر دوسرا اسم نہیں کرتا۔

۲۔ کیا یہ مترادف ہیں۔ کیونکہ ذاتِ واحد پر ہی دلالت کرتے ہیں۔ اور ان کا مدلول ایک ہے متعدد نہیں۔ اور یہی تعریف مترادف کی ہے لیکن یہ اختلاف صرف لفظی ہے تحقیق یہ ہے کہ ذات کے اعتبار سے یہ مترادف ہیں اور صفات پر نظر ڈالنے سے متبائن۔ اور ہر ایک اسم ہی ایسا ہے جو اپنی صفت سے موصوف ذات پر تو بالمطابقت اور بالتضمن دلالت کرتا ہے۔ اور دوسری صفت پر باالالتزام۔

وجہ تسمیہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم

جب تم مذکورہ بالا بیان سمجھ گئے۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجہ تسمیہ (محمدؐ) پر خیال کرو۔ جو حمد سے بنایا گیا ہے۔ بیشک نبی صلے اللہ علیہ وسلم محمود ہیں اللہ تعالےٰ کے نزدیک۔ محمود ہیں۔ ملائکہ کے نزدیک۔ محمود ہیں اپنے اخوان مرسلین ؑ کے نزدیک۔ محمود ہیں۔ کل باشندگانِ زمین کے نزدیک۔ گو ان میں سے کوئی آپ کا انکار کرے۔ کیونکہ جو صفات کمال آپ میں ہیں وہ صفات ہر ایک عاقل کے نزدیک ضرور محمود ہیں۔ اب اگر کوئی شخص جہالت اور عداوت کی وجہ سے انکار کرتا ہے تو صرف اس امر کا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان اوصاف سے متصف نہیں۔ لیکن جب اُسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا متصف بہ اوصاف کمال ہونا واضح ہو جائے گا۔ تو ضرور آپ کی حمد کرے گا کیونکہ وہ حالتِ انکار میں بھی ایک ایسے وجود مبارک کی تعریف کر رہا ہے گو حضورؐ کی ذاتِ اشرف کو اس نے بھلا دیا ہے۔ پس یہ شخص فی الحقیقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا حامد ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو معنٰی حمد کے ساتھ جو خصوصیت حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک محمدؐ و احمدؐ ہے۔ (صلے اللہ علیہ وسلم)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت حماد ہے جو تنگی و فراخی میں اللہ کی حمد کرتی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور امت کی نماز اور خطبے۔ اور قرآن مجید بھی حمد سے ہی شروع ہوتا ہے۔ اور یہ کتاب اللہ تعالےٰ کے پاس لوحِ محفوظ پر بھی اسی طرح مرقوم ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلفاء و صحابہ بھی خطوط کو حمد سے ہی شروع کیا کرتے تھے۔ اور قیامت کے دن لواء الحمد بھی آنحضرت ؐ کے ہی دستِ مبارک میں ہو گا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے لیے سجدہ فرمائیں گے اور اذن عطا ہو گا تو اس وقت بھی حضورؐ حمد ربانی ہی فرمائیں گے ایسے محامد کے ساتھ جو اسی وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کھولے جاویں گے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی صاحبِ مقامِ محمود ہیں۔ جس کے لیے اولین و آخرین کی آرزو رہی اور ہو گی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

ومن الليل فتهجد به نافلةً لك رات کو خواب سے اُٹھ کر نماز پڑھا کیجئے۔ یہ

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً ۔ آپ کے لیے افزونی ہے قریب ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود پر کھڑا فرمائے۔

اگر کوئی شخص مقام محمود کے معنی جاننے کا شوق رکھتا ہے تو اُسے وہ معنے دیکھنے چاہئیں جو سلف امت صحابہ و تابعین سے مروی ہیں۔ اور ابن ابی حاتم و ابن جریر و عبد بن حمید وغیرہ سلف کی تفاسیر میں منقول ہیں۔ الغرض جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس مقام پر ایستادہ ہوں گے۔ تو اس وقت کل اہل مؤقف کیا مسلمان کیا کافر اوّلین و آخرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد کریں گے۔

بیشک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم محمود ہیں۔ بوجہ اس کے کہ آنحضرتؐ نے زمین کو ہدائیت و ایمان اور علم نافع و عمل صالح سے بھر دیا ہے۔ اور اپنی تعلیمات سے دلوں کو کھول دیا ہے اور ظلمت کو اہل ارض سے اٹھا دیا۔ شیاطین کی قید سے دنیا کو چھڑا دیا۔ اللہ کے ساتھ شرک و کفر و جہل سے نجات دلا دی۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع کرنے والے دارین کے شرف کو پہنچ گئے۔ بیشک اہل ارض پر جو آفت تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی اس کے دفعیہ کے لیے بہت ہی زیادہ حاجت تھی۔ کیونکہ وہ لوگ بت پرست۔ صلیب پرست۔ آتش پرست۔ ستارہ پرست تھے۔ ان پر غضب ہو چکا تھا۔ اور انہوں نے اللہ کے غضب کو کما لیا تھا۔ نیز وہ حیران تھے۔ وہ کسی معبود کو نہ جانتے تھے جس کی عبادت کریں۔ نہیں جانتے تھے کہ کیونکر عبادت کریں۔ آدمی ایک دوسرے کو کھاتا تھا۔ جس کو جو اچھا لگا۔ لوگوں کو ادھر ہی بلا لیا۔ اور جس نے خلاف کیا اس سے جنگ شروع کر دی۔ غرض روئے زمین پر ایک قدم کی جگہ ایسی نہ تھی جو نور رسالت سے منور ہو۔ اللہ تعالےٰ نے اہل زمین کو دیکھا اور عرب و عجم سے بیزاری فرمائی۔ بجز اُن کے جو دین صحیح کے آثار پر بچے پیچھے رہ گئے تھے۔ جب ایسی حالت ہو گئی تو اللہ تعالےٰ نے بلاد و عباد کی فریاد کو سنا۔ گھٹا ٹوپ اندھیروں کو اٹھا دیا اور موت کے بعد زمین کو حیات تازہ عطا فرمائی۔ ضلالت سے نکال کر ہدائیت فرمائی۔ جہالت سے نکال کر علم سکھلایا۔ قلت کے بعد کثرت اور ذلت کے بعد عزت دی۔ تنگی کے بعد فراخی عطا فرمائی۔ کور بصیرتوں کی آنکھوں کو کھول دیا اور بہروں کو کان دیئے۔ دلوں کے پردے اٹھا دیئے۔ اب لوگوں نے اپنے رب معبود کو جان لیا اور جہاں تک ان کے قوئے میں یاری تھی معرفت حاصل کر لی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ کے اسمار وصفات افعال واحکام کے ذکر کو اختصار واطناب سے بیان کیا بتلایا دہرایا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ کی معرفت مومن بندوں کے دل میں روشن ہو گئی۔ اور شک وریب کی بدلیاں ان کے دلوں سے اس طرح دور ہو گئیں جیسے صاف چاندنی چٹکی رات میں چاند پر سے بادل دور ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں ایسی تعلیم پُر از معرفت دی کہ لوگوں کو نہ کسی پہلی تعلیم کا محتاج چھوڑا نہ پچھلی کا۔ بلکہ ہر شخص سے جو اس بارہ میں تکلم کر سکتا ہے اپنی امت کو غنی وبے پروا بنا دیا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اولم یکفھم انا انزلنا علیک	کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب
الکتاب یتلی علیھم ان فی ذالک لرحمۃ	اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ بیشک اس میں
وذکریٰ لقوم یؤمنون ط	مومنوں کے لیے رحمت اور یاد دلانا ہے۔

ابوداؤد نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً روایت کی ہے کہ آپ نے ایک صحابی کے ہاتھ میں تورات کا ایک قطعہ دیکھا۔ فرمایا۔

کفیٰ بقوم ضلالۃ ان یتبعوا کتابا	کسی قوم کے لیے یہی گمراہی کافی ہے کہ وہ اپنی
غیر کتابھم انزل علیٰ غیر	کتاب کو چھوڑ کر دوسرے نبی پر اتری ہوئی کتاب
نبیھم ط	کی تابعداری کرنے لگیں۔

اللہ عزوجل نے اس کی تصدیق میں آیت بالا نازل فرمائی۔ دیکھو یہ حالت تو اس شخص کی ہے جو دوسرے نبی پر اتری ہوئی کتاب سے دین اخذ کرتا ہے۔ اس پر اندازہ کرو اس شخص کا جو زید وبکر کی عقل سے دین لیتا ہے۔ اور اُسے اللہ ورسولؐ کے کلام پر مقدم رکھتا ہے۔

غرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو وہ طریق بتلایا جو ان کو پروردگار سے ملا دیتا اور رضوان ودار کرامت تک پہنچا دیتا ہے۔ کوئی ایسا نیک کام نہیں جس کا امر نہ فرمایا ہو۔ کوئی ایسا برا فعل نہیں جس سے روکا نہ ہو۔ چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے۔

ما ترکت من شیء یقربکم الی	جو چیز تم کو جنت سے نزدیک کر سکتی ہے میں
الجنۃ الا وقد امرتکم	نے اس کا حکم تم کو دے دیا۔ اور جو تم کو دوزخ

به ولا من شيء يقربكم الى النار وقد نهيتكم عنه ط	سے نزدیک کر سکتی ہے میں نے اس سے تم کو ہٹا دیا ہے۔ بیان کر دینے میں کوئی بات باقی نہیں رکھی۔

ابوذر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ اور کوئی پرند نہیں جو فضا میں اپنا بازو کھولتا ہے مگر ہم کو اس کا علم سکھلایا۔
اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام حالات بھی بتلائے جو پروردگار کے حضور میں حاضر ہونے پر واقع ہوں گے۔ اور ان کا بیان نہائیت واضح اور صفائی سے فرمایا۔ غرض علم نافع کا کوئی ایسا دروازہ جو بندوں کو اللہ تعالےٰ سے متقرب کرتا ہو بند نہ چھوڑا۔ اور کسی مشکل کو باقی نہ رکھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے دلوں کو گمراہی سے نجات دی اور بیماری سے صحت عطا فرمائی۔ اور مخلوق کی فریاد رسی کی۔ ایسی حالت میں بتلاؤ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی حمد کی جائے۔ اللہ تعالےٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو امت کی جانب سے بہترین جزا عطا فرمائے۔

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

واضح ہو کہ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ اور صحیح تر یہ ہے کہ آیت اپنے عموم پر ہے اور بدیں تقدیر اس کی دو وجوہ ہیں۔
اول۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا نفع عام طور پر جملہ اہل عالم کو پہنچا ہے۔ اتباع کرنے والوں کو تو یہ کہ وہ دنیا و آخرت کی کرامت کو پہنچ گئے۔ اور جنگ جو اعداء کو یہ کہ موت وقتل نے ان کو جلد لے لیا۔ کیونکہ شقاوت اُن کے لیے لکھی جا چکی تھی اب زندگی ان کے لیے عذاب کی شدت اور زیادت کا سبب تھی اس لیے موت کا جلد آ جانا ان کے حق میں طول عمری سے بہتر تھا۔ رہے اہل ذمہ جو آنحضرت م کے ساتھ ہم عہد ہو کر رہے۔ وہ دنیا میں آنحضرت م کی ذمہ داری و عہد کے زیر سایہ آباد اور آسائش پذیر رہے۔ اور اسی وجہ سے ان میں اور فرقوں کی نسبت شر بھی کم ہو گیا۔ رہے منافق سو اظہار ایمان سے ان کے جان و مال اہل و عیال محفوظ و محترم ہو گئے۔ اور توارث وغیرہ میں مسلمانوں کے احکام اُن پر جاری ہو گئے۔ رہی وہ ملک اور قومیں جو دور دراز فاصلہ پر تھیں۔ سو اللہ تعالےٰ نے آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی وجہ سے اہل زمین سے عام عذاب کو اٹھا لیا۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ حضور کی رسالت اہل عالم کے لیے عام رحمت تھی۔ اور جمیع باشندگانِ دنیا کو رسالتِ محمدی کا نفع پہنچا ہے۔

دوم۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک تو ہر ایک کے لیے رحمت مزید ہے۔ مومنین نے اس رحمت کو قبول کر لیا اور دنیا و آخرت کا نفع اٹھایا۔ رہے کفار انہوں نے اس رحمت کو قبول نہ کیا اور لوٹا دیا۔ لیکن اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سراپا رحمت ہونے میں کچھ فرق نہیں آتا۔ مثلاً کوئی دوا کسی مرض کے لیے مجرّب ہے۔ اب اگر کوئی اس کا استعمال نہ کرے گا تو اس مرض کے لیے اس دوا کے مجرّب ہونے میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

اخلاق و عاداتِ نبویؐ

واضح ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی جو تعریف کی جاتی ہے۔ وہ اُن مکارم اخلاق اور کرائم وشیئم کی وجہ سے ہے جس پر اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا ہے بیشک جو شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشیم پر نظر ڈالے گا وہ ضرور اعتراف کرے گا۔ کہ یہی بہترین اخلاق ہیں۔ بیشک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے علم میں وسیع تر امانت میں عظیم تر۔ گفتگو میں نہایت سچے اور موزوں کلام۔ کمال سخی۔ بہت زیادہ بردبار۔ عفو و مغفرت میں بزرگ تر تھے۔ کوئی شخص کیسی ہی بڑھ کر جہالت سے پیش آتا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس کی برداشت فرماتے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یوں روایت کی ہے کہ تورات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صفت اس طرح پر ہے۔

" محمدؐ میرا بندہ و رسول ہے۔ میں نے اس کا نام متوکل رکھا ہے وہ بدزبان درشت طبع، بازاروں میں آوازہ لگانے والا نہیں، وہ بدی کا بدلہ نہیں لیتا، بلکہ وہ معاف کرتا، اور بخش دیتا ہے، میں اُسے وفات نہ دوں گا جب تک بگڑے ہوئے ملت کو اس سے درست نہ بنوا دوں گا! میں اس سے کور بصیرتوں کی آنکھوں کو روشن کراؤں گا۔ اور بہروں کو شنوا۔ وہ دلوں کے پردہ

اٹھا دے گا۔ یہاں تک کہ لوگ لا آلہ الا اللہ کہنے لگیں !!

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سب سے بڑھ کر رؤف رحیم۔ اور دینی و دنیوی منفعت بخشنے میں سب سے زیادہ عظیم۔ اور معانی کثیرہ کو الفاظ و جیزہ میں اس خوبصورتی کے ساتھ کردہ مراد پر دلالت کرتے رہیں۔ بیان کر دینے میں تمام خلقت سے زیادہ فصیح و خوش گفتار مواطن صبر میں کمال درجہ صابر۔ اور مقامات لقا میں نہایت ہی باصدق۔ عہد و حمایت میں نہایت کامل۔ اور انعام و عطا بخشی میں چند در چند درجہ بزرگ تر۔ تواضع میں کمال درجہ بڑھے ہوئے اور جود و سخاوت میں سب سے آگے نکلے ہوئے۔ اوامر میں نہایت محکم و مضبوط۔ نواہی میں بہت ہی تارک و نافر۔ محبت و پیار۔ اعزا پروری۔ اقربا نوازی میں دنیا بھر سے زیادہ اور اس شعر کے پورے پورے مصداق تھے۔

بردعلی الادنی دمرحمة　　　　وعلی الاعادی مازن جلد

عاجزان را بود بردوم رحمت آن نورحق　　　　شورہ نارِ دشمنان را نیز باران کرم

نعتِ نبوی از جناب مرتضوی

شیر خدا سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس صدراً و اصدقھم لھجۃ والینھم عریکۃ واکرمھم عشرۃ۔ من راٰہ بدیھۃ ھابہ ومن خالطہ معرفۃ احبہ یقول ناعتہ لم ار قبلہ ولا بعدہ .... مثلہٗ ۔

(صلے اللہ علیہ وسلم)۔

واضح ہو کہ اجود الناس صدراً سے مرادِ مرتضوی یہ ہے کہ سینۂ مبارک میں بر و خیر کثرت سے بھرا تھا اور سینہ مطہر سے نیکی اس طرح جوش کھا کر نکلتی تھی جیسے چشمہ سے پانی ابلتا ہے۔ ہر ایک خلق جمیل اور جملہ خیر کثیر پر آپ حاوی تھے۔ اہل علم کا قول ہے کہ تمام عالم میں کوئی محل ایسا نہیں جہاں سینۂ محمدی سے بڑھ کر خیر موجود ہو۔ بیشک نیکی کی جمیع اقسام و انواع کو جمع کیا گیا اور پھر سینۂ مبارک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں اُسے ودیعت رکھ دیا گیا۔

اصدق الناس لہجۃ کی شرح یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی راست گفتاری کا اقرار ان دشمنوں نے بھی کیا ہے جو میدان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کلہ بہ کلہ جنگ کرتے رہے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دشمن سے دشمن نے بھی ایک جھوٹ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے لگایا ہو۔ اس بارہ میں دوستداروں کی شہادات سے بکلی قطع نظر کر کے پھر دیکھو کہ دنیا بھر کے مخالفین کیا اہل کتاب اور کیا مشرکین سب نے طرح طرح کی مخالفت اور جنگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کئے ایک دن بھی کبھی کسی نے ایک بات میں بھی (چھوٹی ہو یا بڑی۔ جھوٹ بولنے کا طعن آنحضرت ؐ کو نہیں دیا۔ مسور بن مخرمہ کہتے ہیں میں نے ابو جہل سے جو میرا ماموں تھا کہا کہ ماموں! کیا تم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اس دعوے سے پہلے بھی جھوٹ بولنے کا الزام لگاتے تھے بولا بھانجے۔ خدا کی قسم نہیں۔ محمدؐ ابھی جوان تھے کہ قوم ان کو امین کہہ کر پکارتی تھی۔ جب ادھیڑ ہوئے تب بھی انہوں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ میں نے پوچھا کہ پھر تم اب کیوں اس کی پیروی نہیں کرتے۔ کہا بھانجے۔ ہم میں اور بنو ہاشم میں شرف و بزرگی کا تنازعہ آپڑا۔ انہوں نے لنگر جاری کیا۔ ہم نے بھی کیا۔ انہوں نے پیاؤ لگائے ہم نے بھی لگائے۔ انہوں نے نیزہ بازی کی ہم نے بھی کی۔ جب ہم اپنی سواریوں پر زانو بزانو ہو بیٹھے اور ہم ایسے تھے جیسے گھوڑ دوڑ کے گھوڑے۔ تب انہوں نے کہہ دیا کہ ہمارے میں نبی ہے اب ہم نبی کہاں سے لائیں؟"

اللہ تعالی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور ا مدادین کے قول کی نادرستی میں فرماتا ہے۔

قد نعلم انہ لیحزنک الذی یقولون	ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کو رنج
فانھم لا یکذبونک ولکن الظالمین	ہوتا ہے مگر یہ آپ کو نہیں جھٹلاتے۔ بلکہ ظالم اللہ
بآیات اللہ یجحدون ۵	کی آیات کے سامنے جھگڑتے ہیں۔

حضرت علی رضؓ کے قول الینھم عریکۃ کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سہل و نرم۔ لوگوں سے قریب تر تھے جو حضور کو بلاتا اس کی درخواست منظور فرماتے جو کوئی مدد مانگتا اس کی حاجت روا کر دیتے۔ دل شکستگی کھو دیتے تھے۔ سائل کو محروم نہ رکھتے اور مایوس واپس نہ فرماتے۔ جب صحابہ رضوان اللہ عنہم کسی کام میں حضورؐ کی شرکت چاہتے

توان کا ساتھ دیتے۔ اور جب خود کسی امر کا عزم فرماتے تو سب سے مشورہ کئے بغیر اس میں ابتداء نہ فرماتے۔ نیکی کرنے والے کو پسند فرماتے اور بدی کرنے والے کو معاف کر دیتے۔

اکرمھم عشرۃ کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کبھی کسی جلیس کے ساتھ نہ بیٹھتے مگر اس کے ساتھ عمدہ۔ بہتر۔ پسندیدہ برتاؤ فرمایا کرتے۔ نہ کبھی چہرہ مبارک پر چین پڑتی اور نہ گفتگو میں کبھی تندی آتی۔ نہ رُخ اس سے پھراتے۔ اور نہ چپ ہو کر ہی بیٹھے رہتے۔ اگر ہم نشین سے کوئی درشتی وغیرہ ہو جاتی تو اس کا اخذ نہ کرتے بلکہ نہایت درجہ اس پر احسان فرماتے اور کمال برداشت کیا کرتے۔ غرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ یہ تھا کہ سب کی سختی و درشتی کو برداشت کر لیتے۔ اور کبھی نہ کسی پر عتاب و ملامت فرماتے اور نہ ناپسندیدگی کا اظہار مناسب سمجھتے۔

من خالطہ معرفۃ کی شرح یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو سب سے بڑھ کر محبوب اس لیے ہو جاتے تھے کہ وہ حضور کے الطاف کو دیکھتے تھے اور خیال کیا کرتے کہ کس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قریب بٹھلاتے۔ توجہ کرتے ان کے لیے اہتمام فرماتے۔ نصیحت و راہنمائی کرتے ہیں۔ کیونکر احسان لگاتے اور سختی کی برداشت کیا کرتے ہیں۔ اب تم دیکھو کہ اس برتاؤ سے بہتر کونسا برتاؤ ہے یا ہو سکتا ہے حضرت حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے دریافت کیا کہ ہم نشینوں کے اندر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کیا تھی۔ کہا خندہ رُو ملنسار۔ نرم طبع۔ آپ بد زبان و درشت طبع نہ تھے۔ نہ آوازہ لگاتے نہ فحش بکتے۔ نہ کسی کا عیب ظاہر کرتے نہ تعریفیں کیا کرتے۔ جس چیز کی حاجت و ضرورت نہ ہوتی اس کے متعلق دریافت ہی نہ کرتے اور ادھر توجہ ہی نہ فرماتے۔ تین باتیں تو بالکل ہی متروک تھیں۔

ا۔ کسی کی مذمت و عیب نہ کیا کرتے۔ کسی کا راز تلاش نہ فرماتے جب تک بولنے پر ثواب کی امید نہ ہوتی اس وقت تک گفتگو نہ کیا کرتے۔ جب گفتگو شروع فرماتے تو سب لوگ سرنگوں ہو جاتے گویا سروں پر پرندے ہیں۔ جب حضور خاموش ہو جاتے تب دوسرے لوگ بولتے۔ وہ بھی حضورؐ کے سامنے گفتگو میں بحث د

نزاع نہ کرتے تھے۔ بلکہ جب ایک بولتا تو سب چپ کر رہتے تھے۔ سب کی گفتگو در جہ وار ہوتی۔ جس بات پر اور ہنستے آنحضرتؐ بھی ہنسا کرتے جس پر اور متعجب ہوتے خود بھی تعجب فرمایا کرتے۔ اجنبی شخص کے کلام و سوال میں اگر تندی و درشتی ہوتی تو اس کی برداشت کیا کرتے۔ صحابہ اگر اسے روکنا بھی چاہتے تو فرما دیتے کہ جب کوئی حاجتمند اپنی حاجت طلب کرے تو اس کو مدد دو۔ عادتِ شریف یہ تھی کہ اپنی تعریف کفایت سے بڑھ کر قبول نہ فرماتے اور کسی کی بات کو بیچ میں قطع نہ کرتے۔ جب تک ایسا کرنا جائز نہ ہوتا۔ ایسی صورت میں یا تو وہاں سے اٹھ کھڑے ہوتے یا بولنے والے کو منع نہ کر دیتے۔

واضح ہو کہ حضرت علی رضؓ مرتضیٰ کے قول من راہ بدیہتہ ہابہ ومن خالطہ معرفتہ احبہ میں دو صفتوں کے ساتھ توصیف کی گئی ہے۔ بیشک اللہ اللہ تعالیٰ نے اہل صدق و اخلاص میں یہ خصوصیت دے رکھی ہے۔ کہ ان میں اجلال اور محبت دونوں ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہیبت اور محبت دی گئی تھی۔ جو یکایک حضورؐ کو دیکھتا وہ ہیبت و رعب میں آجاتا۔ اس کا دل تعظیم و جلال سے بھر جاتا خواہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہوتا۔ پھر جب کوئی حضورؐ کے پاس آبیٹھتا۔ تب تمام مخلوق سے بڑھ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی اس کے محبوب ہوتے۔

کمال محبت کی تعریف

الغرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مبجل و معظم بھی ہیں اور محبوب و مکرم بھی۔ اور کمال محبت کی انتہا بھی یہی ہے۔ کہ وہ تعظیم و ہیبت کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ کیونکہ جس محبت کے ساتھ تعظیم و ہیبت نہ ہو وہ ناقص ہے اور جس ہیبت و تعظیم کے ساتھ محبت نہ ہو جیسا کہ ظالم حاکموں کا حال ہے وہ بھی ناقص ہے۔ کمال یہی ہے کہ مودت و محبت اور اجلال و تعظیم مجتمع ہوں۔ لیکن یہ بات تب ہی حاصل ہوتی ہے جب محبوب میں وہ سب صفاتِ کمال ہوں۔ جن کی وجہ سے وہ تعظیم کا بھی مستحق ہو اور محبت کا بھی۔

چونکہ اللہ تعالےٰ صفاتِ کمال سے متصف ہونے کی وجہ سے زیادہ تر مستحق

ہے اس لیے اسی کا یہ استحقاق ہے کہ تعظیم و تکبیر اسی کے لیے ہو۔ اس سے ہیبت کھائی جائے۔

حقیقتِ شرک

اور دل کے تمام اجزاء کے ساتھ محبت و مودت اس سے کی جائے۔ اور کسی کو بھی اس میں اللہ پاک کا شریک نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ وہی شرک ہے جسے اللہ تعالےٰ معاف نہ فرمائے گا۔ کہ اس محبت و تعظیم میں اللہ تعالےٰ اور غیر کو برابر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونھم کحب اللہ والذین اٰمنوا اشد حبًا للہ ؕ

لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا اوروں کو ند بناتے ہیں ان کے ساتھ ویسی محبت رکھتے ہیں جو اللہ کے ساتھ چاہیئے۔ مگر مومن اللہ کی محبت میں بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔

اس میں ظاہر فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص غیر اللہ کے ساتھ اللہ جیسی محبت کرتا ہے وہ اللہ کے ساتھ ند (شریک) بناتا ہے۔ دوزخی اپنے معبودوں کو خطاب کر کے کہیں گے۔

تاللہ ان کنا لفی ضلال مبین ؕ اذ نسویکم برب العالمین ؕ

بخدا ہم صریح گمراہی میں تھے جب کہ تم کو رب العالمین کے برابر سمجھا کرتے تھے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ یہ لوگ آسمان و زمین کی پیدائش میں یا اپنے اور آباؤ اجداد کی پیدائش میں اپنے معبودوں کو خدا و ند کریم کے برابر نہ کیا کرتے تھے۔ بلکہ وہ ان کو رب العالمین کے ساتھ محبت میں برابر رکھتے تھے۔ اور یہی حقیقت عبادت کی ہے کہ اس میں محبت اور مذلت ملی ہوئی ہو۔ اور یہی ہے جلال و اکرام جس کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے اپنی ذاتِ مبارک کی توصیف فرمائی ہے۔

ذوالجلال والاکرام کی شرح

فرمایا تبارک اسم ربک ذو الجلال والاکرام۔ اس کی تفسیر میں دو قول ہیں اور صحیح تر یہ ہے کہ جلال تو تعظیم ہے اور اکرام محبت ہے اور لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر میں بھی یہی

راز ہے۔ مسند امام احمدؒ میں حضرت انس رضؓ کی حدیث ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الظوا بیاذ الجلال والاکرام یعنی یا ذوالجلال والاکرام کو لازم پکڑلو۔ اور اسے ورد زبان بنالو۔ ابویعلی موصلی کی سند میں ایک صحابی سے روایت ہے کہ انہوں نے اسم اعظم کا معلوم کرلینا چاہا۔ تو انہوں نے خواب میں آسمان کے اندر ستاروں سے لکھا ہوا دیکھا۔ یا بدیع السمٰوات والارض یا ذا الجلال والاکرام۔

آنحضرت صلعم کی محبّت و تعظیم وہی رکھے گا جو اللہ کی محبّت و تعظیم رکھتا ہے

واضح ہو کہ بشر کی جس قدر محبت و تعظیم ہے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت و تعظیم کی تبعیت (پیروی) میں ہونی چاہیئے۔ مثلاً رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم۔ یہ بھی درحقیقت اللہ پاک کی (جو آنحضرتؐ کو بھیجنے والا ہے) محبت و تعظیم کی وجہ سے ہے۔ بیشک جو مومن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں وہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ محبت کی وجہ سے ہے۔ اور جو آپ کی تعظیم و اجلال کرتے ہیں اس کا باعث تعظیم و اجلال الٰہی ہے یہی حال ہے اہل ایمان و اہل علم و صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت و تعظیم کا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم کے تابع ہے۔

المختصر۔ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی محبت و مہابت کا حصّہ ارزانی فرمایا ہے۔ اور ہر ایک مخلص و مومن کو بھی کم و بیش اس میں سے ایک حصہ دیا ہے۔

حسن بصریؒ کا قول ہے کہ مومن کو حلاوت و مہابت دی جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کے ساتھ محبت کی جاتی ہے اور اس کی ہیبت و جلال بھی دلوں پر پڑتا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ مومن کو خلعتِ ایمان پہنا دیتا ہے اور وہ ہیبت و محبت کا مقتضی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ صحابہ رضؓ کے نزدیک عہد نبویؐ میں آنحضرت صلعم سے بڑھ کر کوئی بشر

عشق صحابہ با نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہیبت و جلال اور محبت و تعظیم میں نہ تھا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہو کر کہا کہ پہلے رسولؐ اللہ

سے بڑھکر میرے نزدیک کوئی دشمن نہ تھا۔ لیکن اسلام کے بعد حضورؐ سے زیادہ پیارا اور بزرگ میری آنکھوں میں کوئی بھی نہیں۔ کہا اگر مجھ سے کہا جائے کہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی توصیف تم سے کروں تو میں اپنی طاقت نہیں دیکھتا۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اس قدر جلال تھا کہ میں آنکھ بھر کر چہرہ مبارک پر نظر نہ ڈال سکتا تھا۔ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قریش کو کہا۔ لوگو! بخدا میں کسریٰ (شاہ ایران) اور قیصر (شاہ روم) اور دیگر بادشاہوں کو دیکھ چکا ہوں۔ میں نے کسی بادشاہ کو نہ دیکھا کہ اس کے مصاحبین اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب حضورؐ کی تعظیم کرتے ہیں۔ بخدا یہ لوگ ازراہِ تعظیم چہرہ کی جانب نظر بھی نہیں اُٹھاتے۔ اور آپ اگر تھوکتے بھی ہیں تو وہ زمین پر گرنے نہیں پاتا کسی نہ کسی کے ہاتھ پر ہی گرتا ہے۔ اور وہ اسے اپنے چہرہ و سینہ پر مل لیتا ہے۔ پھر جب حضورؐ وضو کرتے ہیں۔ تو دھوون کے پانی پر تو گویا لڑائی ہونے والی ہو جاتی ہے۔

پس جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایسے ایسے اوصاف سے متصف ہیں جن کا اقتضاء ہی یہ ہے کہ آپ پر پے در پے حمد کی جائے۔ اس لیے حضور کا اسم مبارک محمدؐ ہوا۔ (صلے اللہ علیہ وسلم) یہ اسم مسمّٰی کے مطابق ہے۔ اور یہ لفظ معنے سے موافق ؎

محمدؐ و احمدؐ میں فرق

محمدؐ اور احمدؐ میں فرق دو وجہ سے ہے۔

اوّل۔ محمدؐ کے معنے تو محمود ہیں۔ یعنی وہ شخص جس کی حمد کے بعد حمد کی جائے۔ پس یہ اسم تو حامدین کی کثرتِ حمد پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس امر کا مستلزم ہے کہ وجود باوجود میں موجباتِ حمد بکثرت ہوں۔

اور احمدؐ حمد سے افعل التفضیل ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ جس حمد کے مستحق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اس کا درجہ اس حمد سے افضل و برتر ہے۔ جس کا مستحق کوئی اور ہے۔ یعنی محمدؐ تو حمد کی زیادت کمیت میں ہے اور احمدؐ حمد کی زیادتہ کیفیت میں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم محامد بشری میں اکثر اور افضل کے مورد و مصداق ہیں۔

دوم۔ محمد کے معنے تو وہی ہیں جو بیان ہو چکے ہیں اور احمد وہ ہے جو اپنے پروردگار کی حمد زیادہ تر کرتا ہو۔ پس اسم محمدؐ سے تو یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم محمود ہیں۔ اور اسم احمدؐ سے یہ معلوم ہوا کہ حضور تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے ہیں۔

یہ معنے قیاس نحوی پر مبنی ہیں۔ کیونکہ بصریین کے نزدیک افعل التفضیل اور تعجب فعلِ فاعل پر مبنی ہوتے ہیں نہ فعلِ مفعول پر۔ بدیں خیال کہ یہ فعل لازم سے بنتے ہیں نہ متعدی سے۔ اسی لیے فَعَلَ و فَعِلَ سے فَعُلَ کی بنار پر نقل کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس پر دلیل یہ ہے کہ فعل کو مفعول کی طرف متعدی ہمزہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ پس ہمزہ اس میں تعدیہ کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً ما اظرف زیداً و اکرم عمرواً۔ کیونکہ اصل میں یہ ظرف وکرم ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ متعجب منہ دراصل فاعل ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کا فعل متعدی نہ ہو۔ یہ کہتے ہیں کہ ما ضرب زیداً لعمرو جو پیش کیا جاتا ہے کہ اس کا فعل فی الاصل متعدی ہے۔ سو یہ تو ضرب سے وزن فعل لازم پر نقل کرکے پھر ہمزہ تعدیہ کے ساتھ اس کو متعدی بنایا گیا ہے۔ اور اس کی دلیل لام کا لانا ہے چنانچہ ما اضرب زیداً لعمرو بولتے ہیں۔ اگر یہ تعدیہ پر باقی ہوتا تو لام کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ وہ ایک کی طرف بنفسہٖ متعدی تھا اور دوسرے کی طرف ہمزہ تعدیہ سے۔ لیکن جب اُسے مفعول کی طرف ہمزہ تعدیہ سے اور دوسرے کی جانب لام سے متعدی بنایا گیا ہے تو اس سے فعل کا لازم ہونا سمجھا گیا۔ غرض یہ وجہ ہے جس نے بصریوں کو ضروری ٹھہرا دیا ہے۔ کہ فعل فاعل سے ہی اس کو بنایا جائے اور جو فعل مفعول پر واقع ہو اس سے نہیں۔

دوسرا گروہ اس بارہ میں نزاع رکھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فعل تعجب وتفضیل کی بنار جائز ہے کہ فعل فاعل سے ہو اور جائز ہے کہ واقع بر مفعول سے۔ عرب بولتے ہیں ما اشغلہ بالشئی دیکھو یہ شُغِلَ بہٖ سے بنایا گیا ہے۔ اور تعجب مشغول بالشئی پر ہے نہ شاغل پر۔ اسی طرح ما الامہ بکذا بولتے ہیں۔ یہ بھی مفعول پر مبنی ہے۔ عرب نے التزام کرلیا ہے۔ کہ اس فعل کی بنار مفعول پر ہو نہ فاعل پر۔ اسی طرح ما اعجب بکذا بولتے ہیں یہ اُعجِبَ بالشئی سے ہے۔ ما احبہ الیّ بولا کرتے ہیں۔ یہ فعل

مفعول سے تعجب ہے۔ علیٰ ہٰذا ما ابغضہم الی و امقتہ الی ؟

اس جگہ ایک مشہور مسئلہ قابل ذکر ہے جو سیبویہ نے بیان کیا ہے۔ یعنی ما ابغضنی لہٗ ما احبنی لہٗ۔ ما امقتنی لہٗ! تو اس وقت بولتے ہیں جب تم مبغض و محب و ماقت ہو۔ یعنے تعجب فعل فاعل سے ہے۔ اور ما بغضنی الیہ۔ ما احبنی الیہ۔ ما امقتنی الیہ تب بولتے ہیں جب تم مبغوض محبوب۔ ممقوت ہو۔ یہاں تعجب فعل واقع بر مفعول سے ہے۔ پس جو لام کے ساتھ استعمال ہو وہ فاعل کے لیے ہے اور جو الیٰ سے ہوا وہ مفعول کے لیے۔ علیٰ ہٰذا ما احبہ الی۔ ما ابغضہ الی بولا کرتے ہیں۔ جب وہ محبوب و مبغوض ہو۔ اکثر نحاۃ اس علت کو ملحوظ نہیں رکھتے۔

اسی کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ لام فی المعنی فاعل کے لیے ہے۔ جب پوچھو گے لمن ھٰذا الفعل تو جواب میں کہیں گے لزید دیکھو لام کے ساتھ جواب ملا۔ اور الیٰ فی المعنی مفعول کے لیے ہے۔ جب تم پوچھو گے الی من یصل ھٰذا تو جواب میں کہیں گے الیٰ زید نکتہ اس میں یہ ہے کہ لام دراصل ملک یا اختصاص یا استحقاق کے لیے ہے۔ اور ملک و استحقاق کا مستحق وہی فاعل ہوتا ہے جو مالک و مستحق ہے۔ اور الیٰ انتہائے غایت کے لیے ہے۔ (اور غایت اقتضائے فعل پر منتہی ہوا کرتی ہے) اس لیے الیٰ کا مفعول کے لیے ہونا زیادہ موزوں تھا۔ کیونکہ مفعول پر مقتضائے فعل تمام ہو جاتا ہے۔

فعل مفعول سے تعجب کی مثال کعب بن زہیر کا قول نعتِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں ہے۔ فلھو اخوف عندی اذ کلمہ اس جگہ اخوف خیف سے بنایا گیا ہے۔ نہ خاف سے۔ یہ نظیر احمدؐ کی ہے جو حُمِدَ بروزن شُغِلَ سے ہے نہ کہ حمد بروزن علم سے بولا کرتے ہیں۔ ما اجنہ من جن فھو مجنون ؎

بصریین کہتے ہیں کہ یہ سب شاذ ہیں جس پر قاعدہ کو معول نہیں کر سکتے۔

محققین کہتے ہیں کہ یہ تو کلام عرب میں بکثرت موجود ہے۔ اور اسے شذوذ میں سمجھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ شاذ کی تعریف یہ ہے کہ وہ استعمال اور مطرد کلام کے خلاف ہو۔ سو ایسی حالت نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ لزوم فعل اور اس کو بناء فعل مضموم کی طرف نقل کرتے ہیں جو تقدیر ظاہر کی گئی ہے۔ اس پر کوئی دلیل نہیں۔ اور ہمزہ کے ساتھ متعدی

بنانے کو جو تم نے اپنا تمسک بنایا ہے سو اس کی حالت بھی ایسی نہیں۔ ہمزہ یہاں متعدی بنانے کے لیے نہیں بلکہ معنی تعجب و تفضیل پر دلالت کرنے کے لیے ہے۔ جیسے فاعل کا الف اور مفعول کا میم و واؤ اور افتعال کی تا وغیرہ وغیرہ۔ تمام حروف جو فعل ثلاثی سے ملحق ہوتے ہیں تاکہ مجرد مدلول فعل کا متعدی بناتا۔ اور اس پہ دلیل یہ ہے کہ جو فعل ہمزہ سے متعدی کیا جاتا ہے اس کا متعدی کرنا حرف جر یا تضعیف سے بھی جائز ہے۔ کہا کرتے ہیں ۔اجلست زیدًا وجلسته وجلست به۔ واقمته وقومته وقمت به وامته ولومته وآلمته ا

وغیرہ وغیرہ بہت نظائر ہیں۔ لیکن جن نظائر میں ہمزہ کا استعمال ہوا ہے۔ وہاں اور کوئی اس کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ دعوے باطل ٹھہرا۔ کہ ہمزہ متعدی بنانے کے لیے ہے۔

۲۔ حرف تعدیہ اور ہمزہ دونوں ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ مثلاً! احسن به! اور ما اکرم به بولا کرتے ہیں۔ اور اس کے معنے ما اکرمه اور ما احسنه اور ہوتے ہیں۔ اور ظاہر ہے فعل میں تعدیہ کرنے والی دو چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

۳۔ عرب بولا کرتے ہیں ما اعطی زیدا للدراهم اور ما اکساه للثیاب یہ اعطی اور کسی صیغہ متعدی سے ہے اور یہ کہنا جائز نہیں، کہ اعطی اس جگہ عطو سے (جس کے معنی ہاتھ سے لینا ہیں) بنایا گیا ہے اور اس پر ہمزہ متعدی بنانے کے لیے داخل کر دی گئی ہے۔ گو بعض نے یہی تاویل کی ہے۔ مگر معنی میں اس سے جو فساد آتا ہے وہ اس کے غیر صحیح ہونے کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ تعجب تو اعطاء (دہش) پر ہے نہ عطو (گرفت عطیہ) پر اور ہمزہ اس میں تعجب و تفضیل کے لیے ہے اور جو ہمزہ فعل کی تھی وہ حذف کر دی گئی اس لیے اس ہمزہ کو تعدیہ کے لیے نہیں کہہ سکتے۔

رہا بصریین کا یہ قول کہ لام کے ساتھ اُسے متعدی بنایا گیا ہے جیسے ما اضربه لزید سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر فعل لازم نہ ہوتا تو لام کے ساتھ متعدی نہ بنایا جاتا۔ سو اس جگہ لزوم فعل کی بھی وہ حالت نہیں۔ بلکہ وہ تو اس جگہ تقویت فعل کے لیے ہے۔ کیونکہ جب وہ تصرف سے روک دیئے اور ایک ہی طریق کے لازم پکڑنے سے کمزور ہو گیا۔ اور سنن افعال سے نکل گیا اور اپنے مقتضی سے کمزور ہو گیا۔ تو لام کے ساتھ اس کو قوت دی گئی ہے۔ اور جس طرح یہاں لام سے تقویت دی گئی۔ اسی طرح جب معمول فعل اس پر مقدم ہو جاتا ہے

قرآن مجید میں ہے ان کنتم للرؤیا تعبرون ۔ علی ہذا اسم فاعل کی حالت میں بھی قوت دی جایا کرتی ہے۔ مثلاً انا محب لک ومکرم لزید بولا کرتے ہیں۔ اور یہی مذہب راجح ہے جیسا کہ تم خود دیکھ سکتے ہو۔

اب ہم مقصود کی جانب رجوع کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ اور احمدؐ ہے کیونکہ جس قدر غیر کی حمد کی گئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس سے کثیر تر اور افضل تر کے مستحق ہیں۔ پس یہ دونوں اسم مفعول پر واقع ہیں۔ یہی نحویین کا مذہب مختار ہے اور یہی مدح میں ابلغ اور معنے میں اتم ہے۔ اگر اس سے معنے فاعل کا ارادہ ہوتا تب حماد نام ہونا چاہیئے تھا۔ جس کے معنے کثیر الحمد ہیں۔ مگر نام مبارک تو محمدؐ ہے جس کے معنے محمود کثیر ہیں۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سب مخلوق سے بڑھکر پروردگار کی حمد کرنے والے تھے۔ مگر اس اعتبار سے اسم مبارک کا حماد ہونا ضروری تھا۔ لیکن یہ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کا نام ہے جیسے حمادون کہا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں اسماء کا اشتقاق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ وخصائل محمودہ سے کیا گیا ہے۔ اور ان اخلاق وشمائل۔ سجایا وخصائل کی وجہ سے ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مستحق ہیں کہ اسم مبارک محمدؐ واحمدؐ رکھا جائے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی وہ ہیں جن کی حمد اہل دنیا وآخرت اور اہل زمین وآسمان کرتے ہیں۔ اور جب اس قدر خصائل محمودہ حضور میں پائے گئے ہیں جن کے شمار سے محاسبین کے اعداد بھی عاجز ہیں تو ان دونوں اسماء کے ساتھ جو قدر وصفت تفضیل وزیادۃ کے مقتضی ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم موسوم کئے گئے۔

آنحضرت کا نام مبارک محمدؐ پہلے رکھا گیا یا احمدؐ

ایک گروہ کا قول ہے۔ انہی میں ابو القاسم سہیلی وغیرہ ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک احمدؐ پہلے رکھا گیا۔ اور محمدؐ بعد میں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی لیے بشارت میں احمدؐ فرمایا ہے۔ اور اسی لیے ایک لمبی حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ خداوندا میں اس شان کی ایک امت دیکھ رہا ہوں۔ تو اسے میری امت بنا دے۔ فرمایا اے موسےٰ یہ تو امت احمدؐ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے عرض کیا اللھم اجعلنی من امۃ احمد۔ الٰہی مجھے احمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی امت میں ہی بنا دے۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ اسم مبارک محمدؐ خاص قرآن مجید میں ہی (وآمنوا بما نزل علی محمدؐ اور محمد رسول اللہ والذین معہ)...... آیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ احمد تو تفضیل فعل فاعل سے جس کے معنے اپنے پروردگار کے حامدین میں سے احمدؐ ہیں۔ اور محمدؐ بمعنے محمود ہے یعنی جس کی حمد خلائق کرے۔ پس یہ بات وجود اور ظہور نبویؐ کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ اہل سماء و ارض کا حمد کرنا بھی وجود و ظہور ہی کے بعد ہے۔ اور اہل موقف کا قیامت کو حمد کرنا بھی ظہور اور خیرات ظہور پر مترتب ہے۔ غرض یہ وجہ ہے کہ اسم مبارک محمدؐ اسم مبارک احمدؐ سے متاخر کیا گیا۔ یہ وجہ ایسی ہے جس کا اقرار ہر ایک عالم اہل کتاب بھی جسے اللہ تعالےٰ نے ایمان ارزانی فرمایا ہے۔ کرے گا۔

اب ہم اس نص کا ذکر کرتے ہیں جو اہل کتاب کے نزدیک تورات میں ہے۔ اور اس کی تفسیر میں جو مناقشہ ہے وہ بچند وجوہ ہے۔

توراۃ میں اسم مبارک کا ہونا!

۱۔ جیسا کہ انجیل میں اسم مبارک احمدؐ ہے ایسا ہی انجیل سے پہلے اسم مبارک محمدؐ کا ہونا پایا جاتا ہے۔ توراۃ عربی میں حضرت اسمٰعیل کے ذکر میں ہے "اسمٰعیل کے بارہ میں میں نے تیری سنی۔ اور میں نے اس کو برکت دی میں بماد ماد سے دی۔ (یہ حضرت اسمٰعیل کے ذکر کے بعد ہے) اس کے بارہ سردار ہوں گے۔ عظیم وہ ہو گا جس کا نام ماد ماد ہے" علماء مومنین اہل کتاب کے نزدیک یہ صریح اسم مبارک محمدؐ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

توراۃ کی ایک شرح میں اس متن کے نیچے شارح کا لکھا ہوا میں نے دیکھا ہے کہ ان دونوں مقامات پر ہمارے سید مولےٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک محمدؐ درج ہے۔ کیونکہ جب تم ان دونوں کلمات پر غور کرو گے تو ان میں اسم محمدؐ کے حروف پالو گے محمدؐ کے دونوں میم اور دال تو (بماد ماد۔ ماد ماد) کے دونوں میم اور ایک دال کے مقابلہ میں ہیں۔ اسم محمدؐ سے ح رہ گئی۔ وہ ان دونوں اسموں کے بقیہ حروف میں پوری ہو جاتی ہے وہ بقیہ حروف ب اور دونوں الف اور دوسری دال ہیں۔ کیونکہ ح کے عدد آٹھ ہیں۔ اور

ب۔ آ۔ آ۔ د کے مجموعی اعداد بھی آٹھ ہیں۔ تو تورات کے دونوں اسماء میں اسم مبارک محمدؐ کا ¾ یعنی تین چوتھائی حصہ تو بعینہٖ موجود ہے۔ رہا ¼ یعنی ایک چوتھائی حصہ اس پر تورات کے کلمات کے بقیہ حروف صورت کتابت میں دلالت کر رہے ہیں۔

اگر کوئی پوچھے کہ اس تاویل میں تمہارا مستند کیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ علماء یہود کا تورات کے حروف مشکلہ کی تاویل میں جو مستند ہے وہی ہمارا بھی ہے۔ مثلاً تورات میں ہے۔ اے موسےٰ! بنی اسرائیل سے کہہ دے کہ ہر ایک شخص اپنے کپڑے کے گوشہ پر ایک نیلا ڈورا لگائے جس کے آٹھ سرے ہوں۔ اور ان میں پانچ گرہیں ہوں۔ اور اس کا نام صیصیت رکھا جائے۔ علماء یہود کہتے ہیں کہ اس کی تاویل و حکمت یہ ہے کہ اس کے دیکھنے اور نام لینے سے اللہ تعالےٰ کے فرائض یاد آجاویں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل پر ۶۱۳ احکام دیئے تھے سا ب دیکھو کہ صیصیت کے اعداد ۶۰۰ ہیں (ص ۹۰ ی ۱۰ ص ۹۰ ی ۱۰ ت ۴۰۰) اور نیلے ڈورہ کے ۸ سرے اور ۵ گرہیں ۱۳ ہوتے ہیں۔ گویا یہ کپڑا اپنی صورت اور نام سے بتلا رہا ہے کہ تو اللہ تعالےٰ کے فرائض کو یاد رکھ۔ یہی شارح کہتا ہے کہ بعض مفسرین نے جو کہا ہے کہ ان دو حرفوں سے مراد جداً جداً ہے۔ کیونکہ تورات میں لفظ مآد مفرد طور پر بھی بمعنی جدًا آیا ہے" یہ صحیح نہیں۔ جس کو بماد ماد کی باء متصلہ غلط بتا رہی ہے ا ا ا کرمك بجدًا میں حرف ب کلام مستقیم میں سے نہیں۔ مگر بماد ماد تو ایسا لفظ ہے۔ کہ جب الواح جواہر کی تورات ازلیہ کو جو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام پر اتری تھی خط یونانی میں نقل کیا گیا تو یہ لفظ حرف ب سے موصل تھا۔ جس سے ثابت ہوا کہ نہ تو یہ ماد ہے اور نہ اس کے معنے جداً ہیں۔ اس کی دلیل دوسری جگہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسمٰعیلؑ کی بابت اللہ تعالےٰ نے فرمایا اس سے بارہ سردار نکلیں گے۔ اور ان میں سے ایک کی اولاد میں سے بماد ماد ہوگا۔ یہاں سے معلوم ہو گیا کہ دونوں حرف ایک معین سردار کا اسم علم ہے۔ جو بنی اسماعیل ہوگا۔ اب جو شخص حرف ب کو بمعنی مصدر (تاکید کے لیے) کہتا ہے۔ اس کا قول باطل ہو گیا۔ کیونکہ اس میں اسم شخص ہونے کی تصریح اس شخص کے دعوےٰ کو توڑتی ہے۔ جو اسے کسی معنے کا نام بتلاتا ہے۔

اس شخص کے سوا اوروں نے کہا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے تورات میں ہونے کا ثبوت دینے کے لیے اس تعسف و تکلف کی ضرورت بھی

کیا ہے تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک تو اور بھی زیادہ صراحت سے ہے کیونکہ تورات زبان عبریہ میں ہے۔ جو لغت عربیہ سے قریب اور دیگر لغات کی نسبت عربیت سے قریب تر ہے۔ اور تم دیکھو گے کہ ان دونوں زبانوں میں اکثر اختلاف تو صرف ادائے حروف اور تکلم کا ہے۔ تفخیم یا ترقیق سے۔ ضم یا فتح سے۔ چنانچہ ہر دو لغات کے مفردات پر نظر غور ڈالنے سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔

عربی	عبری		عربی	عبری
لا	لُو	عبری میں لام پر ضمہ ہے اور آواز	عالم	عولام
قدس	قدسی	الف و واؤ کے درمیان درمیان	کبس	کیبس
انت	اتا		یاکل	یوکل
قدسك	قدسحا		تین	تبین
یاتی	یوتی	عبری میں یا اول پر ضمہ اور الف و	الٰہ	ادلوہ
منه	ممتو	واؤ کے درمیانی آواز۔	الہنا	ادلوھینو
یهوذا	میھوذا		ایانا	ابوتینا
سمعتك	شمعنا		یاسمیع اللہ	یاصبا والوا
مِن	می		ابن	ابنم
یمینهٗ	میمز		حلیب	حالوب
لهٗ	لو	واؤ و الف کی درمیانی آواز۔	لاتاکلوا	لوتوکلوا
امه	امو		کتب المثنی	کتب المثنی
ارض	ایرض		لاتاکل الجدی	لوتوکل للنا
واحد	ایحاد		فی حلیب امه	حالوب امو

تقارب ہر دو لغات کی بحث طویل ہے اور اسی کے اندر وہ راز بھی مخفی ہے۔ جو دونوں شریعتوں کے تقارب میں ہے اور جس وجہ سے قرآن مجید کے چند مقام میں قرآن اور تورات کا ایک ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

اولم یکفروا بما اوتی موسیٰ من قبل قالوا سحران تظاھرا وقالوا انا بکل کافرون۔ قل فاتوا بکتاب من عند اللہ ھو اھدی منھما اتبعہ ط

کیا اس سے پہلے جو کچھ موسیٰ کو دیا گیا تھا اس کا کفر نہیں کر چکے۔ کہا دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کی مدد پر کہا ہم دونوں کو نہیں مانتے۔ کہہ یہی کر کوئی کتاب الٰہی ایسی لے آؤ جو توراۃ و قرآن سے زیادہ ہدائیت نما ہو میں اس پر چلوں گا۔

اور سورۂ انعام میں وحی کے رد میں فرمایا۔

قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسیٰ نورا وھدی للناس ط

دریافت کرو جو کتاب موسےٰ لے کر آئے تھے جو لوگوں کے لیے نور و ہدائیت تھی وہ کس نے اتاری تھی۔

اس کے بعد ہی فرمایا۔

وھذا کتاب انزلناہ مبارک مصدق الذی بین یدیہ ط

یہ کتاب جسے ہم نے اتارا مبارک ہے اور اپنے سے پہلی کتابوں کو سچا ٹھہراتی ہے۔

اسی سورۃ کے آخر میں فرمایا۔

ثم اتینا موسیٰ الکتاب تماما علی الذی احسن وتفصیلا لکل شیء وھدی ورحمۃ لعلھم بلقاء ربھم یؤمنون وھذا کتاب انزلناہ مبارک فاتبعوہ واتقوا لعلکم ترحمون ط

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو خوبیوں میں کامل اور ہر ایک تفصیل پر شامل اور ہدائیت اور رحمت تھی تاکہ وہ لقاء ربانی پر ایمان لاویں۔ اور اس کتاب کو ہم نے اتارا ہے برکتوں والی ہے اس پر چلو اور تقوے رکھو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

آل عمران کے شروع میں ہے۔

نزل علیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ وانزل التوراۃ والانجیل من قبل ھدی للناس ط

آپ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری جو اپنے سے پہلی کی تصدیق کرتی ہے اور قبل ازیں لوگوں کی ہدائیت کے لیے توراۃ اور انجیل اتاری۔

پھر فرمایا ہے۔

ولقد اتینا موسیٰ وھارون الفرقان وضیاء وذکرا للمتقین الذین یخشون

پھر ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان اور ضیا اور متقین کے لیے ذکر دیا۔ جو اپنے رب سے

وبھم بالغیب وھم من الساعۃ — بن دیکھے ڈرتے اور قیامت سے خوف رکھتے
مشفقون وھذا ذکر مبارک انزلناہ — ہیں۔ یہ ذکر مبارک ہے جس کو ہم نے اتارا ہے
افانتم لہٗ منکرون ؁ — کیا تم اس کا انکار کرو گے۔

بیشک یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا اور اُسے بار بار دہرایا ہے اور اس پیرایہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی ہے۔ چنانچہ جب لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تکلیف و ایذا دی تو فرمایا۔

لقد اوذی موسی باکثر — تحقیق موسےٰؑ اس سے زیادہ ستائے گئے
من ھذا فصبر ؁ — اور انہوں نے صبر کیا۔

بیشک یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں وہی ہو گذرے گا جو کچھ بنی اسرائیل میں ہوا۔ حتیٰ کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا ہوا ہے جو علانیہ ماں پر چڑھ بیٹھا ہو۔ تو اس امت میں بھی ایسا شخص پایا جاوے گا۔ اب تم اس تناسب میں جو دونوں کتابوں اور دونوں شریعتوں (دونوں شریعتوں سے مراد وہ شریعت صحیحہ ہے جس میں تغیر و تبدل نہیں ہوا) اور دونوں امتوں اور دونوں زبانوں میں ہے تامل کرو۔ اور اس تامل کے ساتھ محمدؐ اور ماد ماد کے حروف پر نظر ڈالو۔ ماد ماد کو ماذ ماذ بھی لکھا گیا ہے۔ میم تو محمدؐ اور ماد ماد میں برابر ہیں۔ اور الف و ح کا مخرج ایک ہے۔ (محمد و ماد ماذ ایک ہو گئے) اگر ماذ ماذ بھی کہیں تب بھی دال کی جگہ ذال بہت سے مقامات میں بولی جاتی ہے۔ مثلاً ایحاذ واحد کو۔ اور قوذس۔ قدس کو۔ وجہ یہ ہے د ذ دونوں متقارب ہیں۔ اور دونوں زبانوں پر غور کرنے سے کچھ شک نہیں رہ جاتا کہ یہ دونوں اسم ایک ہی ہیں۔ ہمارے مدعا کے لیے اور بھی نظائر ہیں۔ مثلاً موسیٰ عبرانی میں موشی ہے اور مو و شی سے مرکب ہے۔ مو پانی اور شی درخت کو کہتے ہیں۔ چونکہ آنحضرت کو پانی اور درخت کے پاس سے نکالا گیا تھا۔ اس لیے یہ نام رکھا گیا۔ غرض محمدؐ اور ماذ ماذ میں وہی فرق ہے جو موسیٰ اور موشی میں ہے۔ علیٰ ہذا اسمٰعیل کو عبرانی میں یشماعیل اور عیص دو اور یعقوب علیہ السلام کو عیقب کہتے ہیں۔ غرض اعلام میں ایسی نظائر بہت ہیں۔ اور اشتقاقات میں بھی۔ چنانچہ سمعون کو یشماعون۔ اقیم کو آقیم۔ لہم کو لاہم۔ مکن تاریب کو کومی تاریب۔ انحو تہم کو آتیحم لیتے ہیں۔ اور یہ ایسے قواعد ہیں جن کا اعتراف علماء اہل کتاب میں سے ہر ایک مومن عالم کرے گا۔

اس تمام بحث سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک محمدؐ توراۃ میں بھی محمدؐ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں محمدؐ ہے (صلے اللہ علیہ وسلم) اب رہی یہ بات کہ مسیح علیہ السلام نے حضورؐ کا ذکر خیر اسم مبارک احمدؐ کے ساتھ کیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے۔ تو اس سے نتیجہ یہ نکلے گا کہ اسم مبارک احمدؐ اسم مبارک محمدؐ سے جو توراۃ میں ہے۔ بعد میں واقع ہوا ہے گو قرآن مجید میں اسم مبارک محمدؐ سے متقدم ہے اور دونوں (توراۃ و قرآن) کے درمیان محفوف ہے۔

توراۃ میں اسم محمدؐ کیوں ہے اور انجیل میں احمدؐ کیوں اور قرآن مجید میں دونوں کیوں جمع ہوئے

ان دونوں اسماء محمدؐ اور احمدؐ میں جو وصفیت ظاہر کرتے ہیں علیت کے لحاظ سے فی الحقیقت کچھ تنافی نہیں بلکہ دونوں کے معانی مقصود ہیں۔ رہی یہ بات کہ توراۃ میں محمدؐ کیوں ہے۔ اور مسیح علیہ السلام نے احمدؐ کیوں کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس امت کے نزدیک جو وصف زیادہ تر معروف تھا۔ اسی کے ساتھ آنحضرت کا ذکر خیر فرمایا گیا۔ اس کی شرح یہ ہے کہ محمدؐ حمد سے مفعل کے وزن پر ہے۔ اور یہ اس کثیر الاوصاف شخص کو کہتے ہیں۔ جس کے خصائل حمیدہ اور صفات ستودہ پر بیاپے اور مکرر حمد کے بعد حمد کی جائے اس اسم کے معنے کی معرفت تب ہو سکتی ہے۔ جب خصائل خیر اور انواع علوم و معارف اور اخلاق و اوصاف و افعال سے جن پر حمد کا تکرار ضروری ہے یہ معرفت حاصل ہو۔ اور اس میں شک نہیں کہ بنی اسرائیل علم اول کے صاحب تھے۔ اور اُن کو وہ کتاب ملی تھی جس کی صفت اللہ تعالےٰ نے یوں فرمائی ہے۔ وکتبنا لہ فی الالواح من کل شیٔ موعظۃ وتفصیلاً لکل شیٔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کی امت حضرت مسیح علیہ السلام کی امت سے علم و معرفت میں زیادہ تر وسیع تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کی شریعت توراۃ اور احکام کے بغیر کامل نہیں ہوتی۔ تم حضرت مسیح اور ان کی امت کو دیکھو کہ وہ احکام میں دارومدار توراۃ پر ہی رکھتے ہیں۔ اور انجیل توراۃ کے لیے بطور تکملہ اور اس کے محاسن کے متمم کے ہے۔ اور قرآن مجید دونوں کتابوں کے محاسن کی جامع ہے۔ غرضیکہ اس امت

(یہود) کو تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی شناخت اسم محمدؐ کے ساتھ کرائی گئی جو خصال خیر کا جامع ہے۔ جن کی وجہ سے آپ پیا پے حمد کے مستحق ہیں۔ اور امت مسیحؑ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شناخت اسم احمدؐ کے ساتھ کرائی گئی ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ تمام وہ محامد جن کا مستحق کوئی شخص ہو سکتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم افضل طور پر اس کے مستحق ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کی امت کو ریاضات و اخلاق و عبادات میں جو درجہ حاصل ہے وہ امت موسوی کو نہیں۔ ان کی کتاب کو دیکھو۔ اس کا بڑا حصہ مواعظ و زہد و اخلاق ہے۔ اور نکوئی حلم و عفو کی تعلیم۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ شریعتیں تین ہیں۔

۱۔ شریعت عدل۔ جو توراۃ ہے اس میں حکم اور قصاص ہے۔

۲۔ شریعت فضل۔ جو انجیل ہے۔ اس میں عفو اور مکارم اخلاق اور درگذر و احسان کی تعلیم ہے۔ مثلاً اس میں درج ہے کہ جو شخص تیری چادر چھینے تو اسے پیرہن بھی دے دے۔ جو تیرے دائیں رخسار پر طمانچہ لگائے اس کی جانب بایاں رخسار بھی کر دے۔ جو تجھے ایک میل بیگار لے چلے تو اس کے ساتھ دو میل چل وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ شریعت عدل و فضل کی جامع ہے جو قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کو دیکھو کہ وہ عدل کا بیان ہے اور اسے فرض قرار دیتا ہے۔ پھر فضل کا بیان کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی جانب بلاتا ہے فرمایا۔

وجزاؤ سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفی و اصلح	بدی کا بدلہ بد ہے اتنا ہی۔ پھر جو کوئی معاف کر
فاجرہ علی اللہ انہ لا یحب	دے اور صلح کر لے تو اس کو اللہ پاک سے اجر
الظالمین ۵	ملے گا۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت مسیحؑ کی شریعت شریعت فضل نیز شریعت موسوی کی مکمل ہے۔ اسی طرح اس امت کے سامنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ اسم مبارک لیا گیا جو افعل التفضیل ہے اور فضل و کمال پر دال۔

اب رہی وہ کتاب جو کتب سابقہ کے محاسن کی جامع ہے اس میں دونوں اسماء مبارک ہیں۔ اس فصل پر خوب تدبر کرو اور اسماء کے ساتھ معانی کو جو ارتباط و مناسبت ہے اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لو (و الحمد للہ)۔

دسواں قول ابو القاسم کا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک محمدؐ ظہور وجود کے بعد

بعد ہے کیونکہ خلائق کا حمد کے بعد حمد کرنا اسی وقت مترتب ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اسم مبارک احمدؐ میں بھی یہی صورت ہوسکتی ہے۔

رہا ان کا یہ قول کہ اسم مبارک احمدؐ اسم مبارک محمدؐ سے متقدم ہے بدیں دلیل کہ احمدؐ کے معنی ہیں پروردگار کے حمد کرنے والوں سے سب سے بڑھ کر حمد کرنے والا۔ اور یہ مقدم ہے۔ اس امر پر کہ خلائق اس شخص کی حمد کرے۔ سو واضح ہو کہ ہم اس قول کو اس بناء پر تو صحیح مان سکتے ہیں۔ جب کہ لفظ احمدؐ فعل فاعل سے تفضیل سمجھا جاوے۔ لیکن دوسرے قول صحیح کی صورت میں کہ فعل مفعول سے تفضیل سمجھا جائے۔ تب یہ قول ٹھیک نہیں جس کی مفصل تقریر پہلے لکھی جاچکی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالےٰ اعلم۔

چوتھی فصل

لفظ آل کے معنے اور اشتقاق واحکام کے بیان میں

آل کے معنی واضح ہو کہ لفظ آل کی تحقیق میں دو قول ہیں۔

قول اوّل۔ آل دراصل اہل ہے (ہ) ہمزہ سے بدل کر آل ہوگیا پھر اور الفاظ پر قیاس کر کے سہولت کے لیے آل بنا لیا۔ اور جب اس کی تصغیر بنانے لگے۔ تب اپنی اصلیت پر آگیا۔ کیونکہ آل کی تصغیر اُہَیل ہے۔

علماء کہتے ہیں چونکہ یہ ایک فرع کی فرع تھا۔ اس لیے جن اسماء کی طرف اس کی اضافت ہوسکتی ہے اُسے بھی مخصوص کر دیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ اسے اسماء زمان ومکان کی جانب مضاف نہیں کرتے اور نہ اعلام کے سوا اور کسی جانب۔ مثلاً آل رجل۔ اور آل امراۃ نہیں بولتے۔ بلکہ بجز عظیم القدر شخص کے اور کسی جانب اس کو مضاف نہیں کرتے۔

واضح ہو کہ یہ قول بچندہ وجوہ ضعیف ہے۔

۱۔ آل پر کوئی دلیل نہیں کہ آل دراصل اہل تھا۔

۲۔ اس سے بلا کسی سبب کے اور باوجود مخالفت اصل کے قلب شاذ کا جائز ہونا لازم آتا ہے۔

۳۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لفظ اہل عاقل وغیرہ کی طرف مضاف ہوتا ہے اور لفظ آل نہیں ہوتا۔

۴۔ لفظ اہل علم اور نکرہ دونوں کی طرف مضاف ہوتا ہے برخلاف آل کے۔ جو ایسے معظم شخص کی طرف ہی مضاف ہوتا ہے جس کی شان یہ ہو کہ اس کی جانب دوسرے کو رجوع کرنا پڑے۔

۵۔ اہل ظاہر و مضمر دونوں کی جانب مضاف ہوتا ہے۔ اور آل کو مضمر کی جانب مضاف کرنے میں علماء نحو کا اختلاف ہے۔ جو اسے جائز کہتے ہیں۔ وہ شاذ و قلیل ہیں۔

۶۔ جب کوئی شخص آل کی جانب مضاف ہوتا ہے تو وہ خود بھی اس میں داخل ہوتا ہے چنانچہ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب۔ اور الا آل لوط نجیناھم بسحر وغیرہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے اللھم صل علی آل ابی اوفی! قاعدہ مذکورہ تو اس صورت میں ہے جب صاحب اضافت کا جداگانہ ذکر نہ ہو۔ لیکن جب اس کا جدا ذکر ہو اور آل کا جدا تب بعض تو کہتے ہیں کہ اس کا ذکر گویا دو دفعہ ہو گیا ایک تو لفظ آل کے اندر اور دوسرے مفرد طور پر۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جب جداگانہ اس کا ذکر موجود ہے تو پھر اس کو بھی آل میں داخل کرنا کیا ضرور ہے۔ اب دیکھو اہل اس کے برخلاف ہے۔ کیونکہ جب تم کہو گے جاء اھل زید۔ تب خود زید اس کے اندر شامل نہ ہوگا۔

دوسرا قول۔ یہ ہے کہ آل کی اصل اول ہے۔ چنانچہ صاحب صحاح نے اس کا ذکر أول کے باب میں کیا ہے۔ اور آل الرجل کے معنی اس کے اہل و عیال و اتباع لکھے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ لفظ آل یول سے مشتق ہے۔ جس کے معنے رجوع ہیں۔ اور آل الرجل سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کی طرف رجوع رکھتے ہیں اور مضاف ہوتے ہیں۔ اور سیاست وغیرہ میں ان کا مآل کار وہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایالت کے معنے سیاست بھی اسی لیے آئے ہیں اور چونکہ انسان کے لیے خود اپنے نفس پر سیاست زیادہ ضروری ہے۔ اس لیے

لفظ آل میں وہ بھی داخل ہوتا ہے۔ گو وہ اس لفظ کے ساتھ مختص نہیں ہوتا۔ بلکہ کنبہ کے دیگر اشخاص کے ساتھ ہی داخل ہوتا ہے۔ غرض یہ مادہ اصل اور حقیقت شئی کے لیے موضوع ہے۔ اور اسی لیے حقیقت شئے کا نام تاویل ہے۔ کیونکہ حقیقت وہی ہے جس کی طرف رجوع کیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ نے ان معنی میں فرمایا ہے۔

هل ينظرون الا تاويله۔ يوم ياتى تاويله يقول الذين نسوه من قبل قدجاءت رسل ربنا بالحق ط

وہ حقیقت حال کے ہی منتظر ہیں۔ مگر جب حقیقت کھلے گی۔ تو جو اس سے پیشتر اسے بھولے رہے تھے۔ وہ کہیں گے کہ ہمارے رب کے رسول حق لائے تھے۔

دیکھو یہاں جو کچھ رسولوں نے بتایا تھا اس کی حقیقت کے کھلنے اور کھلم کھلا دیکھنے کا نام تاویل فرمایا۔ انہی معنے میں ہے تاویل رویا جس کے معنی وہ حقیقت خارجیہ ہیں جو عالم مثال میں خواب دیکھنے والے کے لیے بتلائی گئی ہے۔

ذالك خير و احسن تاويلا ط

یہی ہے بہتر اور اچھا انجام۔

میں لفظ تاویل بمعنی عاقبت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عواقب امور وہ حقائق ہیں جن کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ تاویل کے معنے تفسیر بھی اسی لیے ہیں کہ تفسیر کلام سے اس معنی حقیقت کا جو امراد قائل ہو بیان ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس معنے کے اعتبار سے لفظ اول بنا ہے۔ کیونکہ اعداد کی اصل اور بنیاد جس پر فرع نکلتی ہے۔ پہلا عدد ہوتا ہے۔ اور اسی معنی کے لحاظ سے آل کے معنے نفس شخص ہیں۔

اس قول کے قائل کہتے ہیں کہ اہل عرب لفظ آل کو اضافت کے ساتھ بالالتزام استعمال کرتے ہیں۔ بجز شاذ و نادر۔ اور یہ بھی التزام ہے کہ اسے ظاہر کی طرف مضاف کرتے ہیں اور مضمر کی طرف (بجز قلیل) نہیں۔ گو ابن مالک وغیرہ بعض نحویوں نے مضمر کی طرف اضافت کا ہونا جائز بتلایا ہے۔

بعض نحویوں کا یہ بھی خیال ہے۔ جیسا کہ اکثر اقوال سے واضح ہے۔ کہ یہ لفظ صرف ذوی العقول کی طرف ہی مضاف کیا جاتا ہے۔ مگر ایک شاعر کے کلام میں آل اعوجا بھی واقع ہوا ہے۔ اعوج گھوڑے کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس لفظ کے احکام میں سے یہ ہے کہ اس کی اضافت ہمیشہ جلیل القدر صاحب شان شخص کی جانب ہوتی ہے۔

یعنی[1] آل حائک، آل الحجام یا آل رجل کوئی نہیں بولتا۔

آل کے معنے

اب ہم اس کے معنے لکھتے ہیں۔ آل الرجل کے معنے ہیں خود اس کی ذات اور جو اس کا اتباع کرے۔ اور اس کے اہل واقارب ہوں۔ پہلے معنے کے اعتبار سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ابواوفی کے حق میں جب وہ صدقہ لے کر آئے تھے۔ اللہم صل علی آل ابی اوفی ! ہے۔ اور اللہ تعالے کا ارشاد سلام علی آل یاسین اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کما صلیت علی آل ابراھیم ہے۔ آل ابراہیم سے مراد خود حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر جو درود مطلوب ہے وہ حضرت ابراہیم کا سا ہے۔ رہی ان کی آل۔ وہ ان کی تبعیت میں ہے۔

ایک گروہ ان کے برخلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آل کے معنے صرف اتباع واقارب ہیں جو اور دلائل تم نے بیان کئے ہیں ان سے بھی اتباع واقارب ہی مراد ہیں۔ چنانچہ کما صلیت علیٰ آلِ ابراھیم سے مقصود یہ ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر اس قدر درود بھیجا جائے۔ جس قدر حضرت خلیل کے گھرانے کے کل انبیاء پر بھیجا جاتا ہے۔ نہ یہ کہ صرف حضرت ابراہیم اکیلوں کے برابر۔ چنانچہ اس کی تصریح کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم سے جو دوسری روایت میں ہے۔ بخوبی ہوتی ہے۔

الیاسین کی تحقیق

رہا اللہ تعالے کا ارشاد وسلام علی الیاسین اس میں دو قرأتیں ہیں۔ ایک الیاسین اسماعیل کے وزن پر۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ الیاس اور الیاسین دونوں نام ہیں۔ جیسے میکال۔ و میکائیل۔

۲۔ الیاسین جمع ہے الیاس کی۔ دراصل الیاسین عبرانی میں دو یا کے ساتھ تھا۔ تخفیف کرکے الیاسین بنایا گیا۔ اور اس سے مراد اتباع ہے۔ سیبویہ کا یہی قول ہے اور

---

[1] حائک جولاہہ۔

اس کی مثال اعجمون میں ہے۔ یا یوں کہو کہ الیاس کی جمع محذوف الیاء ہے۔

قرأت دوم۔ سلام علی آل یاسین ما ہے۔ اور اس کی چند وجوہ ہیں۔

۱۔ یاسین ان کے باپ کا نام ہے۔ اس کی طرف منسوب کئے گئے۔ جیسے آلِ ابراہیم۔

۲۔ آل یاسین سے مراد خود الیاس ؑ ہیں۔ لفظ آل یہاں یاسین کی طرف اس طرح مضاف ہے جس کی بابت اوپر اقوال درج ہو چکے ہیں۔

۳۔ یاءِ نسبت اس میں حذف ہے۔ اصل میں آل یاسینین تھا۔ آل سے مراد اتباع و دیندار ہیں۔

۴۔ یاسین قرآن ہے اور آل یاسین اہل قرآن ہیں۔

۵۔ یاسین نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور آپ کی آل واقارب و اتباع ہیں۔

یہ سب اقوال جیسا کہ آگے چل کر ذکر ہوگا ضعیف ہیں۔ وجہ یہ ہوئی کہ لوگوں کو لفظ آل کی اضافت میں مشکلات پڑیں۔ جو قرآن مجید میں فصل کے ساتھ لکھا ہوا تھا اور جسے بعض قاریوں نے آل یاسین پڑھا تھا۔ ان کا تو نام ہی الیاس اور الیاسین ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام یاسین الیاسین تھا۔ بعض کا قول ہے کہ یس غیر الیاس کا نام ہے۔ پھر یہ اختلاف ہے کہ وہ کون ہیں۔ کبھی تو کہتے ہیں یاسین نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ اور بعض نے کہا قرآن مجید ہے۔ مگر یہ سب پیچیدگیاں ہیں۔ جن کی کچھ ضرورت نہیں میرے نزدیک تو اصل میں آل الیاسین۔ آل ابراہیم کے قیاس پر تھا۔ آل کو اول سے اس لیے حذف کر دیا کہ امثال (یعنی الیاسین کے لفظ میں آل کا ہونا) موجود تھے۔ اور خود اسم موضع حذف پر دلالت کرتا تھا۔ اس کی نظائر کلام عرب میں بہت ملتی ہیں۔ مثلاً جب ایک جیسے ہی حروف اکٹھے ہو جاتے ہیں تو سب حروف کو نہیں بولا کرتے۔ غرض جس کے حذف میں کچھ ڈر نہیں سمجھتے اسے حذف کر دیا کرتے ہیں۔ گو ایسی لفظ میں ایسے مقام پر جہاں امثال جمع نہ ہوں حذف کو ترک بھی کر دیتے ہوں۔ مثلاً اِنّی اِنّنی کانّی کانّنی لکنّی کا نون حذف کر دیتے ہیں اور لیتنی کا نہیں۔ اور لعلّ میں چونکہ ل۔ ن کا مشابہ تھا۔ اس لیے اس کے ساتھ نؔ کو حذف کر دیا۔ عرب کی یہ عادت عجمی ناموں کے استعمال اور ان میں تغیر کرنے کے وقت تو خصوصاً پائی جاتی ہے۔ پس وہ کبھی تو الیاس۔ کبھی الیاسین اور کبھی یاسین کبھی یاس کہا کرتے ہیں۔

دونوں قرأتوں میں سے ایک قرأت میں تو سلام صرف ان پر واقع ہوگا اور دوسری قرأت میں ان پر اور ان کی آل پر۔

ہر دو اقوال کے قائلین ہیں یہی فیصلہ ہے کہ جب مفرد لفظ آل استعمال کیا جائے تو مضاف الیہ اسی میں داخل ہوتا ہے۔ اس کی نظائر ادخلوا آل فرعون اشد العذاب اور صل علی آل ابی اوفی اور کما صلیت علی آل ابراھیم کہ آل فرعون میں خود فرعون اور آل ابی اوفیٰ میں ابو اوفی رضی اللہ عنہ اور آل ابراہیم میں خود ابراہیم علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ اب لفظ کے مفرد و مقرون مستعمل ہونے کا فرق معلوم ہوگیا۔ اور ظاہر ہوگیا کہ ایک ہی لفظ کی دلالت مجرد اور مقرون استعمال سے مختلف ہو جاتی ہے۔ مثلاً فقیر و مسکین جب دونوں ایک جگہ ہوں۔ تب دو قسمیں سمجھی جاویں گی۔ اور جب جدا جدا ہوں۔ تب ایک یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ میں دونوں قسمیں مراد ہیں۔ اور کفارات میں ایک۔ ایمان و اسلام بر و تقویٰ۔ فحش و منکر۔ فسوق و عصیان وغیرہ وغیرہ بھی ایسے ہی الفاظ ہیں۔ اور ایسی نظائر خصوصاً قرآن مجید میں بہت ہیں۔

آلِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تحقیق

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے آل کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور اس میں چار اقوال ہیں۔

قول اول۔ آل محمدؐ وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ اس بارہ میں علماء کے تین اقوال ہیں۔

ا۔ یہ بنو ہاشم و بنو مطلب ہیں۔ یہ مذہب امام شافعی رح اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا ہے۔

ب۔ یہ خصوصاً بنی ہاشم ہیں۔ یہ مذہب امام ابو حنیفہ کا ہے۔ اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا۔ اور اسی کو ابن القاسم صاحب امام مالکؒ نے اختیار کیا ہے۔

ج۔ یہ بنی ہاشم ہیں۔ اور ان سے اوپر نسل والے غالب تک۔ پس اس میں بنو مطلب، بنی امیہ بنی نوفل وغیرہ غرض بنی غالب تک سب داخل ہیں۔ یہ مذہب اشہب صاحب امام مالک رح کا ہے۔ جیسا کہ صاحب جواہر نے بیان کیا ہے۔ اور لخمی نے تبصرہ میں اس کو اصبغ کا مذہب بیان کیا ہے۔ اشہب سے روایت نہیں کیا۔

رہے آل کے مذکورہ بالا معنے کہ یہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ یہ امام احمدؒ و امام شافعیؒ اور اکثر علماء سے منقول ہیں۔ اور جمہور اصحاب احمد و شافعی کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔

قول دوم۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی آل خصوصیت سے حضور کی ذریت و ازواج ہیں۔ اس کو ابن عبد البر رح نے تمہید میں بیان کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نعیم مجمر وغیرہ کی حدیث

میں تو اللھم صل علی محمد و علی آل محمد آیا ہے۔ اور ابوسعید ساعدی کی حدیث میں اللھم صل علی محمد و ازواجہ و ذریتہ وارد ہوا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث پہلی حدیث کی تفسیر کرتی ہے۔ اور بتلاتی ہے کہ آل محمدؐ سے مراد ازواج و ذریت ہیں۔ ان کا قول ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج و ذریت میں سے ہر ایک کو روبرو تو صلی اللہ علیک اور پس پشت ذکر آنے پر صلی اللہ علیک کہنا جائز ہے۔ لیکن ان کے سوا اور کو نہیں۔ ان کا قول ہے کہ آل واہل برابر ہیں۔ اور اس حدیث سے ان کا تعین ہو چکا۔ کہ ازواج و ذریت ہیں۔

قول سوم۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی آل آنحضرتؐ کے اتباع ہیں قیامت تک۔ اس قول کو ابن عبدالبرؒ نے بعض اہل علم سے بیان کیا ہے۔ اور جابر بن عبداللہؓ کا قول بتلایا ہے۔ بیہقی رہ نے بھی ان ہی سے روایت کیا ہے۔ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ نے بھی۔ اسی کو امام شافعی رہ کے بعض اصحاب نے اختیار اور طبری نے تعلیق میں بیان کیا۔ اور اسی کو امام نووی نے شرح مسلم میں ترجیح دی۔ اور ازہری نے اس کو پسند کیا ہے۔

قول چہارم۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی امت محمدیہ کے متقی لوگ ہیں۔ اس کو قاضی حسین اور راغب نیز ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

"اب ہم ان اقوال کے ترجیح کو دلائل بیان کرتے اور صحیح و ضعیف کھلاتے ہیں"

قول اول۔ کہ آل وہ ہے جن پر صدقہ حرام ہے (گو تعین اشخاص میں اختلاف ہے) اس کی حجت بچند وجوہ ہے۔

۱۔ حدیث ابوہریرہ جسے صحیح میں امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔ اس میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ کی کھجوروں کے آنے۔ حسنین کا ان کے ساتھ کھیلنے۔ امام حسین کا ایک کھجور منہ میں ڈال لینے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر ان پر جا پڑنے۔ اور منہ میں انگلی ڈال کر نکال دینے کا ذکر ہے۔ جس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اما علمت ان آل محمد لا یاکلون الصدقۃ — کیا تجھے خبر نہیں کہ آل محمدؐ صدقہ نہیں کھاتی۔

مسلم کی روایت میں ہے۔

انا لا تحل لنا الصدقۃ! — یعنے ہم کو صدقہ حلال نہیں۔

۲۔ صحیح مسلم میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

خطبہ کہنے کو خُم کے پانی پر جو مکہ و مدینہ کے درمیان ہے کھڑے ہوئے۔ حضورؐ نے اللہ کی حمد و ثناء کی۔ اور ذکر و وعظ فرمایا۔ اور پھر کہا۔ لوگو میں ایک بشر ہوں۔ قریب ہے کہ اللہ تعالےٰ کا قاصد (ملک الموت) میرے پاس آپہنچے۔ میں تمہارے درمیان دو بڑی چیزیں چھوڑتا ہوں۔ اول عزوجل کی کتاب ہے جس میں نور ہدایت ہے کتاب اللہ کو پکڑ لو اور اسی پر چنگل مارے رہو۔ (غرض قرآن مجید کی طرف خوب رغبت و آمادگی دلائی پھر فرمایا) اور میری اہل بیت۔ میں تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں اپنی اہل بیت کے بارہ میں۔ میں تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں اپنی اہل بیت کے بارہ میں۔ حصین بن سبرہ نے (راوی حدیث صحابی سے) پوچھا اے زید آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کون ہیں کیا ازواج مطہرات حضورؐ کے اہل بیت نہیں کہا ہاں۔ ازواج کیوں نہیں۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے پوچھا وہ کون ہیں۔ کہا وہ آل علیؓ و آل عقیلؓ و آل جعفرؓ و آل عباسؓ ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین پوچھا کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے۔ کہا ہاں۔

۳۔ صحیحین میں حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔ کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک آدمی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے فیٔ میں سے میراث لینے کے بیلے بھیجا۔ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لانورث ما ترکنا صدقۃ انما یاکل آل محمد من ھذا المال مال اللہ لیس لھم ان یزید وا علی الماکل ؛	ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ ہمارا سب ترکہ صدقہ ہے۔ آل محمدؐ اس مال یعنی اللہ کے دیئے ہوئے مال فیٔ میں سے کھاتے ہیں۔ ان کا خوراک سے زیادہ اس میں حق نہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ آل محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم کے چند خواص ہیں۔

۱۔ صدقہ سے محرومی۔ ۲۔ ورثہ نہ ملنا۔

۳۔ خمس الخمس کا استحقاق۔ ۴۔ درود میں اختصاص۔

اور یہ ظاہر ہے کہ خصوصیاتِ بالا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چند اقارب ہی میں پائی جاتی ہیں۔ پس درود پر آل کا بھی یہی حال ہوگا۔

۴۔ صحیح مسلم میں ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں عبد المطلب بن ربیعہ

اور فضل بن عباس کی درخواست عمل (تحصیلداری آمدنی زکوٰۃ) کے جواب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انما ھی اوساخ الناس وانھا لا تحل لمحمد ولا لآل محمد ط — کہ یہ صدقات تو لوگوں کی میل کچیل ہے اور یہ نہ محمدؐ پر حلال ہیں نہ آل محمدؐ پر (صلے اللہ علیہ وسلم)

۵۔ صحیح مسلم میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دنبہ کو ذبح کرتے وقت فرمایا۔

اللھم تقبل من محمد ومن آل محمد ومن امۃ محمد ط — یا اللہ اسے میری اور میری آل اور میری امت کی جانب سے قبول فرما۔

چونکہ عطف مغائرت کو ظاہر کرتا ہے۔ اور امت بہ نسبت آل کے عام تر ہے۔ اس لیے ہمارا مدعا نکل آیا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے آل کی جو تفسیر خود فرمادی ہے۔ وہ اولیٰ تر ہے۔

قول دوم۔ کہ آل محمد صلے اللہ علیہ وسلم خصوصیت سے حضور کی ذریت وازواج ہیں اس کی ایک دلیل تو وہی ہے جو ابن عبد البرؒ نے تحریر کی ہے کہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تو اللھم صل علی محمد وعلی ازواجہ و ذریتہ ہے۔ اور دیگر احادیث میں اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد ہے۔ گویا ایک کی تفسیر دوسرے میں ہے۔

۲۔ صحیحین کی یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے۔

اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا ط — الٰہی آل محمدؐ کو صرف بقدر خوراک روزی دے۔

ظاہر ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا مستجاب تمام بنی ہاشم اور بنی عبد مطلب پر صادق نہیں آسکتی۔ کیونکہ ان میں اس وقت بھی اغنیاء اور صاحب وسعت تھے۔ اور اب بھی ہیں۔ مگر ازواج و ذریت پر یہ دعا درست آسکتی ہے۔ کیونکہ عہد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں ان کا رزق بقدر قوت تھا۔ اور بعد وفات بھی ازواج کا یہ حال تھا کہ اگر مال آجاتا تو بقدر قوت رکھ کر صدقہ کر دیتیں۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس بہت سا مال آیا اور انہوں نے وہیں بیٹھے ہوئے تقسیم کر دیا۔ لونڈی بولی اگر آپ اس میں سے ایک درہم رکھ لیتیں تو ہم اس کا گوشت ہی خرید کر لیتے۔ فرمایا اگر تو یاد دلا دیتی تو میں رکھ لیتی۔

۳۔ صحیحین میں عائشہ صدیقہ رض کی حدیث ہے۔

ما شبع آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم من خبز بر ما دوم ثلثہ ایام حتی الحق باللہ عزوجل!

کبھی تین دن برابر آل محمد نے گندم کی روٹی سالن کے ساتھ سیر ہو کر نہیں کھائی۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خدا کو جا ملے۔

یہ لوگ کہتے ہیں ظاہر ہے کہ آل عباس وغیرہ تو مطلب عائشہ صدیقہ رض کے لفظ اور ارادہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔

۴۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ازواج عموماً آل میں داخل ہوتے ہیں۔ اور ازواج نبی صلے اللہ علیہ وسلم تو خصوصیت سے ضرور ہے۔ کیونکہ ان کو نسب میں بھی مشابہت ہے۔ یعنی جو اتصال ان کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہے وہ ٹوٹنے والا نہیں۔ بیشک وہ دنیا و آخرت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور حضور کی حیات و ممات میں سب پر حرام ہیں۔ غرض جو علاقہ ان کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے وہ نسب کا قائم مقام ہے۔ دیکھو ازواج پر درود کی نص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود فرما دی ہے اسی لیے صحیح قول (جیسا کہ امام احمد کا منصوص ہے) یہ ہے کہ صدقہ ان پر حرام ہے کیونکہ صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہے۔ اور اللہ تعالے نے اس درگاہ عالی جاہ کو نیز حضور کی آل کو سب میل کچیل سے پاک صاف رکھا ہے۔

جو شخص اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا میں ازواج کو داخل مانتا ہے۔ اور قربانی کی دعا عن محمد و آل محمد میں ان کو شامل سمجھتا ہے اور قول عائشہ رضی اللہ عنہا ما شبع آل محمد الخ کا مصداق بھی ازواج کو جانتا ہے۔ اور صل علی محمد و علی آل محمد میں بھی ان کو داخل سمجھتا ہے۔ اس پر نہایت ہی تعجب ہے کہ وہ لا تحل لمحمد ولا آل محمد میں ازواج کو شامل نہیں سمجھتا حالانکہ صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہے۔ اور ازواج کا اس سے مصئون و دور ہونا زیادہ ضروری ہے۔

اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر صدقہ ازواج پر حرام سمجھا جاوے۔ تب ان کی لونڈی غلام پر بھی حرام ہوگا۔ جیسا کہ بنی ہاشم پر حرام ہونے سے ان کی لونڈی غلام پر بھی حرام ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رض کی لونڈی بریرہ کو صدقہ کا گوشت ملا۔ اور اس نے کھا لیا۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے حرام نہیں بتلایا۔

جواب یہ ہے کہ یہ قصہ شبہ میں ڈالنے والا ہے اس شخص کے لیے جو ازواج مطہرات کے واسطے صدقہ حلال سمجھتا ہے۔ اور اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ازواج پر اصلیت کے لحاظ سے تو صدقہ حرام نہیں۔ بلکہ ان کے لیے اس کی حرمت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تبعیت میں ہے ورنہ ظاہر ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے متصل ہونے سے پیشتر ان پر حرام نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس تحریم میں ازواج مطہرات بمنزلہ فرع ہیں۔ اور لونڈی غلام کی تحریم بھی آقا کی تحریم کی فرع ہے۔ چونکہ بنی ہاشم پر دراصل صدقہ حرام تھا۔ اس لیے ان کے لونڈی غلام پر بھی حرام ہوا جو ان کی تبعیت میں تھے۔ لیکن ازواج۔ خود ان کی حرمت تبعیت میں تھی۔ اس لیے ان کے لونڈی غلاموں پر جو فرع کے آگے فرع تھے حرمت نہ ہوئی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ یا نساء النبی من یات منکن بفاحشۃ الی قولہ واطعن اللہ ورسولہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا واذکرن مایتلی فی بیوتکن من ایات اللہ والحکمۃ دیکھو اس تمام خطاب میں جو انہی کے ذکر میں ہے ان کو اہل البیت میں داخل کیا ہے۔ احکام اہل بیت میں سے کسی بات میں بھی ان کو خارج نہیں کر سکتے۔

قول سوم۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی آل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع وامت تا قیامت ہے۔ اس پر حجت یہ ہے کہ معظم۔ متبوع شخص کی آل وہ کہلاتی ہے۔ جو اس کے طریق و دین پر ہو۔ قریب ہو یا بعید۔ ان کا قول ہے کہ اس لفظ کا اشتقاق اس معنی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ یہ آل یؤل سے ہے۔ جس کے معنے رجوع ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اتباع کو اپنے متبوع کی جانب رجوع ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ امام وموئل ہے۔ چنانچہ الا ال لوط نجینٰھم بسحر میں یہی معنی مراد ہیں۔ اسی قول کی دلیل حدیث واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ ہے۔ جسے بیہقی نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حسنین رضی اللہ عنہما کو بلایا۔ اور اپنی رانوں پر بٹھا لیا۔ پھر سیدہ فاطمہ رضہ اور ان کے شوہر کو اپنی گود سے قریب کیا اور ان پر کپڑا ڈال کر فرمایا۔

اللھم ھؤلاء اھلی ! — الٰہی یہ میرے اہلبیت ہیں۔

واثلہ رضہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں بھی حضور کا اہلبیت ہوں۔ فرمایا۔

وانت من اھلی ! — ہاں تو بھی میری اہلبیت میں سے ہے۔

یہ کہتے ہیں۔ کہ واثلہ رضا نسب میں تو بنی لیث میں سے تھے۔ لیکن یہ ضرور ہے۔ کہ وہ اتباع نبوی میں سے تھے۔

قول چہارم۔ آل محمد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اتقیائے امت ہیں۔ اس کی حجت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آل محمد کون ہیں۔ فرمایا کُلُّ تقیٍّ یعنی ہر ایک متقی۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ اِنْ اولیاءہ الا المتقون طبرانی کہتے ہیں کہ یحییٰ سے صرف نوح روایت کرتا ہے اور اس سے روایت کرنے میں نعیم اکیلا ہے۔ بیہقی نے اس کو نافع ابوہرمز سے روایت کیا ہے۔ مگر اس نافع اور نوح سے کسی اہل علم نے حجت نہیں پکڑی بلکہ کذب سے منسوب کیا ہے۔

قول بالا کی دلیل میں انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح کو بھی پیش کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے شرک کی وجہ سے فرزند نوح علیہ السلام کو اہل نوح سے خارج کر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آل حضور کے اتباع و فرمانبردار ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کا جواب خوب دیا ہے کہ لیس من اھلک سے مراد یہ ہے کہ جس اہل کو کشتی میں سوار کرنے کا حکم اور نجات دینے کا وعدہ ہوا ہے۔ یہ اس میں سے نہیں۔ چنانچہ آیت بالا سے پہلے یوں ہے۔ احمل فیھا من کل زوجین اثنین و اھلک الا من سبق علیہ القول ! اس سے معلوم ہوا کہ جس کی نجات کا ذمہ کیا گیا تھا۔ یہ ان میں سے نہ تھا (نہ یہ کہ اہل میں سے ہی نہ تھا)۔

میں کہتا ہوں کہ امام شافعی رہ کے جواب کی صحت پر سیاقِ آیت بھی دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ من سبق علیہ القول کے ساتھ ہی و من آمن بھی ہے گویا مومنین اور حضرتِ نوح کی اہل کو جدا جدا کر دیا ہے مومنین اور اھل اور کل زوجین یہ سب حمل کے مفعول ہیں۔

قول چہارم کی حجت حدیث واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ واثلہ رضہ کی تخصیص ان کو تعمیم امت کی بہ نسبت قریب تر ثابت کر رہی ہے۔ اور ان کا اہل کے اندر ہونا بتلا رہا ہے کہ جو شخص اس اسم کا مستحق ہو سکتا ہے وہی اہل بیت بھی ہے۔

چاروں اقوال کے دلائل یہی ہیں۔ جو بیان ہو چکے۔

آن میں صحیح قول تو پہلا ہے۔ اور پھر اس کے قریب دوسرا۔ رہا تیسرا اور چوتھا قول وہ ضعیف ہیں۔ کیونکہ اس سے شبہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں کہ صدقہ محمدؐ اور آل محمدؐ پر حلال نہیں۔ اور آل محمدؐ مال فئی میں سے خوراک لیتے رہیں۔ اور اللہٰی آل محمدؐ کو رزق بقدر خوراک عطا فرما" سے اُٹھا دیا ہے۔ ان احادیث کے مضمون کو ملحوظ رکھ کر معلوم ہو جاوے گا کہ آل سے مراد عموم امت کو سمجھنا قطعًا جائز نہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ درود میں بھی آل سے مراد وہی ہوں جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دیگر ارشادات میں اس لفظ سے مراد ہیں۔ ان سے عدول کرنا جائز نہیں۔ رہا یہ امر کہ ازواج و ذریت کی تنصیص ہو چکی ہے۔ سو اس سے ازواج و ذریت کی خصوصیت آل ہونے کی ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ عدم تخصیص ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ ابو داؤد نے روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے۔ اللّٰھم صل علی محمد النبی و ازواجہ امہات المؤمنین و ذریتہ و اھل بیتہ کما صلیت علی ابراھیم۔ دیکھو اس روایت میں ازواج و ذریت اور اہل بیت ایک جگہ جمع کئے گئے ہیں۔ اور اس تعین سے تنصیص فرما دی ہے کہ یہ سب آل میں داخل ہونے کے حقدار ہیں۔ اس سے خارج نہیں۔ بلکہ اس لفظ کے اندر داخل ہونے والوں میں مستحق تر ہیں۔ اس حدیث میں گویا خاص کا عطف عام پر ہے۔ جیسا کہ خاص کا عام پر یا عام کا خاص پر عطف ہوا کرتا ہے۔ اور اس سے غرض شرف خاص کو جتلا دینا اور نوع کے اندر جو خصوصیت اُسے حاصل ہے اُسے ظاہر کر دینا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ افراد نوع ہی سے اس کا مستحق تر ہونا واضح ہو جائے۔

واضح ہو کہ خاص و عام کے لیے لوگوں کے دو طریق ہیں۔

۱۔ خاص کا ذکر عام سے پہلے یا پیچھے ہونا ایک قرینہ ہے جو دلالت کرتا ہے کہ عام سے مراد ماسوائے خاص ہیں۔

۲۔ خاص کا ذکر عام کے ساتھ ہونا بتلا رہا ہے کہ خاص کا ذکر دو دفعہ ہوا ہے۔ ایک دفعہ خصوصیت سے اس کا۔ اور دوسری دفعہ عام کی شمولیت میں تاکہ خاص کے مزید شرف پر آگاہی ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ و اذ اخذنا من النبیین میثاقھم و منک و من نوح و ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ ابن مریم ط اس میں فرما کر پھر اولی العزم رسول شمار کر دیئے۔ فرمایا من کان عدوًا للّٰہ و ملئکتہ و رسلہ و جبریل و میکال فان اللّٰہ عدوٌ للکفرین ط اس میں ملائکہ کہہ کر پھر جبریل و میکال کا نام لے دیا۔

واضح ہو کہ درود نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آل نبوی کا ایک حق ہے۔ جو امت میں سے اور کسی کا حق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا واجب ہے جیسا کہ امام شافعی رح وغیرہ کا مذہب ہے (گو آل کی تعیین میں اختلاف ہو) اور جس کے نزدیک واجب نہیں وہ مستحب کہتا ہے۔ بہرحال دیگر مومنین کے لیے درود کا پڑھنا یا تو یہ شخص مکروہ سمجھتا۔ یا مستحب نہ جانتا۔ یا جائز نہ سمجھتا ہوگا۔ لیکن جو شخص آل نبوی کو درود کے بارہ میں جمیع امت کی مثال سمجھتا ہے وہ نہایت ہی بعید فاصلہ پر ہٹا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیکھو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے تشہد (آخر) میں سلام اور صلوٰۃ مشروع کئے ہیں۔ سلام تو نماز پڑھنے والا پہلے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر۔ پھر اپنے نفس پر۔ پھر تمام صالح بندوں کو جو زمین و آسمان میں ہیں سلام کر چکے۔ رہا درود وہ مشروع ہے خاص نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آل کے لیے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ آل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل واقارب ہی ہیں۔

اب یہ خیال کرو۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ہم کو جو درود کا حکم دیا ہے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بہت سے حقوق اور خصوصیات کے ذکر کے بعد دیا ہے۔ مثلاً جو عورت اپنا نفس نبی صلعم کے لیے ہبہ کر دے اس کا حلال ہونا۔ ازواج مطہرات کا امت کے لیے حرام ہونا وغیرہ وغیرہ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حقوق وتعظیم اور توقیر وتبجیل کا بیان فرما کر اور ازواج النبی کے متعلق احکام دے کر پھر اس حق خاص کا بیان فرمایا ہے جو حقوق مصطفوی میں سب سے زیادہ مؤکد ومحکم ہے۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کا بھیجنا۔ پھر اس حق و ذکر کو شروع بھی کیا تو اس طرح پر کہ خود خداوند کریم اور فرشتگان نورانی درود خوانی کرتے ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب دریافت کیا کہ اس حق کو ہم کیونکر ادا کر سکتے ہیں۔ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّد وعلیٰ آل محمّد الخ پڑھنے سے اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آل پر صلوٰۃ کا بھیجنا صلوٰۃ کا کمال۔ نیز نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ کے توابع میں سے ہے۔ کیونکہ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی اور شرف وعلو مزید ہوتا ہے۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً۔

جو لوگ متقین امت کو آل محمد صلے اللہ علیہ وسلم تبلاتے ہیں۔ ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ متقی لوگ تو اولیاء اللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو متقی ہوگا۔ وہ اولیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہوگا۔ نہ کہ آل میں سے ہو سکتا ہے۔ کہ

۱۔ ایک شخص اولیاءِ نبویؐ میں سے بھی ہو۔ اور آل میں سے بھی۔ جیسے اہلبیت مصطفویؐ اور خاندانِ نبوت کے مومنین ہیں۔

۲۔ وہ نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آل میں سے ہو۔ نہ اولیاء میں سے۔

۳۔ آل میں سے نہ ہو اور اولیاء میں سے ہو۔ جیسا کہ علم نبوت کے وارث۔ سنت کی طرف بلانے والے۔ اسلام اور رسول پاک سے اعتراضات اُٹھا دینے والے۔ دین کی نصرت و تائید کرنے والے ہیں۔

چنانچہ صحیح میں ہے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان آل ابی فلان لیس لی باولیاء[1] ان اولیائی المتقون این کانوا ومن کانوا میرے دوست فلاں شخص کی آل نہیں میرے دوست تو متقی لوگ ہیں۔ خواہ وہ کہیں ہوں۔ اور کوئی ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ متقی لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اولیاء ہیں اولیاء حضور کو آل سے زیادہ محبوب ہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وان تظاھرا علیہ فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المؤمنین والملئکۃ بعد ذٰلک ظھیرط نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔ کہ

---

[1] واضح ہو کہ بعض راویوں نے اس حدیث میں غلطی کھائی ہے۔ اور آل ابی بیاض روایت کیا ہے۔ دھوکا یوں لگا۔ کہ صحیح میں اس طرح پر تھا۔ ان آل ابی لیسالی باولیاء یعنی درمیان میں سفید جگہ تھی۔ کسی کاتب نے یہ جتلانے کے لیے کہ اس جگہ سفیدی ہے۔ لفظ بیاض لکھ دیا۔ دوسرے صاحب خوش فہم سمجھے کہ بیاض یہاں مضاف الیہ ہے اس لیے اس کو بنی بیاض بنا لیا۔ حالانکہ عرب میں بنو بیاض کے نام سے کوئی قبیلہ معروف نہیں اور نہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے زبانِ مبارک سے یہ فرمایا بلکہ آنحضرتؐ نے تو اس مقام پر قبائل قریش کے بہت سے قبیلوں کے نام لیے تھے۔ ایسی کتاب کے پڑھنے والے کو لازم ہے کہ وہ بیاض پڑھے اور اس کے معنے ثم بیاض یا ھھنا بیاض سمجھے۔ اسی کی نظیر کتاب مسلم میں لمبی حدیث تجلی میں ہے۔ یہاں نحن والقیامۃ واقع ہوا ہے۔ اور مطلب یہ کہ ہم اپنے سروں پر ایسا ایسا کچھ دیکھتے تھے۔ غرض ان الفاظ کے کچھ معنی نہیں ہوتے۔ اور یہ صرف کاتبوں کی قلم رانی ہے چنانچہ یہی حدیث اسی سند اور سیاق کے ساتھ مسند امام احمدؒ میں ہے ونحن یوم القیامۃ علی کوم او تل فوق الناس۔ کاتب کو تل یا کوم پر آ کر شبہ ہو گیا۔ اور وہ مراد نہ سمجھا۔ حاشیہ میں انظر کا لفظ بڑھا دیا۔ پھر کسی اور نے ان لفظوں کو جمع کر کے متن میں داخل کر دیا۔ یہ بیان شیخ ابن تیمیہ کا ہے۔ مصنف رح ۱۲ منہ

لوگوں میں سے محبوب تر آپ کو کون ہے۔ فرمایا عائشہ رضؓ عرض کی گئی مردوں میں سے۔ فرمایا پدرِ عائشہ رضؓ (متفق علیہ) مطلب اس سے یہ ہے کہ متقین اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے۔ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین اٰمنوا وکانوا یتقون ط یہ ظاہر ہی ہے کہ سو اللہ تعالٰی کے اولیاء ہیں۔ وہی رسول کریم کے اولیاء ہیں۔

جس شخص کا یہ گمان ہے۔ کہ آل اتباع کو ہی کہتے ہیں۔ اس سے عرض کیا جائے گا کہ ہاں اتباع پر لفظ آل کا اطلاق بعض مواضع میں ہوا ہے مگر قرینہ کے ساتھ۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جہاں کہیں لفظ آل وارد ہوا ہے۔ اس سے مراد اتباع ہی ہیں۔ جیسا کہ نصوصِ بالا سے ثابت کیا گیا ہے۔

فصل پنجم

لفظ زوج کی تحقیق

ازواج زوج کی جمع ہے۔ جسے زوجہ بھی کہتے ہیں۔ مگر زوج فصیح ہے۔ اور اسی کا استعمال قرآن مجید میں ہوا ہے۔

اُسکن انت وزوجک الجنۃ ڈ	تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔

قصۂ زکریا میں ہے۔

واصلحنا لہ زوجہ ڈ	ہم نے اس کی بیوی کو اس کے لیے ٹھیک کر دیا۔

زوجہ کی مثال ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول بحق عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے۔ انھا زوجۃ نبیکم فی الدنیا والاخرۃ۔ زوجہ کی جمع زوجات اور زوج کی جمع ازواج آتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے ہم وازواجھم فی ظلال علی الارائک متکئون فرمایا انتم وازواجکم تحبرون۔

قرآن لفظ زوج کن معنی میں استعمال کرتا ہے

واضح ہو کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں اہل ایمان کا ذکر ہے مفرد یا جمع۔ وہاں تو لفظ زوج استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا۔ النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم فرمایا یاایھا النبی قل لازواجک اور جہاں اہل شرک کا ذکر کیا ہے وہاں لفظ امراۃ بولا گیا ہے۔ فرمایا وامراتہ حمالۃ الحطب فی جیدھا حبل فرمایا ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امراۃ نوح وامراۃ لوط چونکہ یہ دونوں مشرکہ تھیں اس لیے امراۃ کہا۔ فرمایا ضرب اللہ مثلا للذین امنوا امراۃ فرعون فرعون مشرک تھا۔ بیوی مومنہ اس لیے بیوی کو اس کا زوج قرار نہ دیا۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں فرمایا اسکن انت وزوجک نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا انا احللنا لک ازواجک مومنین کو فرمایا ولھم فیھا ازواج ایک گروہ کا قول ہے (سہیلی بھی انہی میں سے ہے) کہ حضرت نوح و حضرت لوط علیہما السلام اور فرعون کی بیویوں کو زوج اس لیے نہیں کہا کہ یہ آخرت میں اپنے شوہروں کے ساتھ رہنے والی نہ تھیں۔ نیز اس لیے کہ تزویج ایک زیور شرعیہ اور امر دین میں سے ہے۔ اس لیے کافرہ کو اس زیور سے برہنہ ہی رکھا۔ جیسا کہ زن لوط و نوح علیہما السلام کو۔ سہیلی نے اس قول پر خود ہی اعتراض کیا ہے کہ حضرت زکریا کے قول میں وکانت امراتی عاقرا اور قصہ ابراہیم علیہ السلام میں فاقبلت امراتہ فی صرۃ بھی تو فرمایا ہے۔ پھر یہ جواب دیا ہے کہ ان دونوں مقامات میں لفظ امراۃ لانا ہی زیادہ تر موزوں تھا۔ کیونکہ یہاں حمل اور ولادت کا ذکر ہے۔ اور لفظ امراۃ ہی صفت الوثت کے لیے جو حمل و ولادت کی مقتضی ہے بہ نسبت زوج کے اولیٰ ہے۔

زوجین کے معنے

میں کہتا ہوں کہ مومنین اور ان کی بیویوں کا ذکر لفظ ازواج کے ساتھ کرنے کا راز یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ یہ لفظ مشاکلت و مجانست اور اقتران کا مشعر ہے۔ اور زوجین وہ دو چیزیں ہیں جو متشابہ متشاکل اور متساوی ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے احشروا الذین ظلموا وازواجھم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور امام احمد رح کا قول ہے کہ ازواج سے مراد ان کی نظیر واشباہ ہیں۔ انہی معنی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واذا النفوس زوجت یعنے قسم قسم کو اکٹھا کر دیا جائے گا۔ اور نعیم و عذاب کی اقسام ہوں گی۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں

فرمایا ہے کہ صالح صالح کے ساتھ بہشت میں اور فاجر فاجر کے ساتھ آگ میں۔ حسن۔ قتادہ اور اکثر مفسرین نے بھی یہی کہا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ مومنین حورعین کے ساتھ اور کافر شیاطین کے ساتھ اکٹھے کئے جاویں گے۔ یہ معنی بھی قول اول کی طرف راجع ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ثانیۃ ازواج فرمایا اور پھر اس کی تفصیل من الضأن اثنین ومن المعز اثنین فرمائی ہے۔ غرض یہ کہ زوجین کو نوع واحد کے دو فرد قرار دیا ہے۔ اور انہی معنی میں زوجا خف اور زوجا حمام دجوڑہ جراب۔ اور کبوتر کا جوڑا) ہے۔ ہاں شک نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے کفار اور مومنین کے درمیان مشابہت اور مشاکلت کو قطع فرمایا ہے۔ اور لایستوی اصحٰب النار و اصحٰب الجنۃ ارشاد کیا ہے۔ پھر دوسری جگہ اہل کتاب میں سے جو مومن ہوئے ان کو کفار سے جدا کر دیا ہے اور لیسوا سواء من اھل الکتاب فرما کر احکام دنیا میں بھی مقارنت کو قطع کر دیا۔ اور باہمی وراثت ونکاح اور ولایت کو اٹھا دیا ہے۔ حتیٰ کہ زن وشوہر کی زوجیت کو۔ تاکہ جس طرح فی المعنی مواصلت منقطع ہو چکی ہے۔ اسی طرح اسمی طور پر بھی قطع ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بیوی کے مومن نہ ہونے کی صورت میں اس کو لفظ امرأۃ سے جو انوثیت پر دلالت کرتا ہے شوہر کی طرف مضاف کیا گیا۔ نہ لفظ زوج سے جو مشاکلت اور مشابہت کا اظہار کرتا ہے۔ تم اس معنے میں تامل کرو۔ اس سے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ قرآن مجید کے الفاظ ومعانی سے اسے کس قدر زیادہ مشابہت ہے یہی وجہ ہے۔ کہ کافر کی مسلمان عورت کو امرأۃ الکافر اور مومن کی کافرہ عورت کو امرأۃ المؤمن کہا ہے۔ یعنی لفظ امرأۃ نہ کہ لفظ زوجہ۔

یہ توجیہہ اس قول سے بہتر ہے جو بیان کیا جاتا ہے کہ ابولہب کی عورت کو زوجہ اس لیے نہیں کہا گیا۔ کہ کفار کی شادیاں صحیح نہیں۔ جیسے مومن کے نکاح صحیح ہوتے ہیں کیونکہ جب امرأۃ نوح۔ اور امرأۃ لوط بھی آیا ہے۔ اور اس نکاح کی صحت میں کچھ شک وشبہ نہیں ہو سکتا تو ظاہر ہے کہ یہ توجیہہ بالکل ہی باطل ہے۔

تم ہمارے بیان کردہ معنی کو آیت مواریث میں دیکھو۔ کہ وہاں بھی وراثت کو لفظ زوجہ کے ساتھ متعلق فرمایا ہے نہ کہ لفظ امرأۃ کے ساتھ فرمایا ولکم نصف ما ترک ازواجکم تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ توارث جو زوجہ کے ساتھ ہے وہ باہمی تشاکل وتناسب کی وجہ سے ہے اور چونکہ مومن وکافر میں تناسب وتشاکل نہیں ہوتا۔ اس لیے ان میں توارث بھی نہیں۔

اللہ اکبر قرآن مجید کے الفاظ مفردہ ومرکبہ کے اسرار کتنے ہیں۔ کہ اہل دنیا کی عقول کو

وہاں تک رسائی نہیں ۔

فصل ششم

ازواج مطہرات رسولِ پاک کا ذکر

جہاں تک ہم آئے ہیں یہ ایسا موقع ہے جہاں ازواج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا زیادہ موزوں و مناسب ہے ۔

ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضہ

پہلی بیوی خدیجہ رضہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب ہیں ۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا پچیس سال کی عمر میں ان کے ساتھ نکاح ہوا ۔ یہ زندہ ہی تھیں کہ رب کریم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو رسالت سے مکرم فرمایا ۔ یہ ایمان لے آئیں ۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نصرت و تائید میں سچی اور پوری وزیر بنی رہیں ہجرت سے تین سال پہلے انتقال کیا بعض نے چار بعض نے پانچ سال بھی لکھے ہیں ۔ مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے ۔

سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضہ کی چند خصوصیات ہیں ۔

۱ ۔ ان کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور شادی نہیں کی ۔

۲ ۔ اولاد نبویؐ انہی کے بطن پاک سے ہے ۔ بجز ابراہیم سلام اللہ علیہ کے جو ماریہ رضی اللہ عنہا سے تھے ۔

۳ ۔ یہ بہترین زنانِ امت ہیں ۔

مسئلہ فضیلت خدیجہ رضہ و عائشہ رضہ

واضح ہو کہ ان کو حضرت عائشہ رضہ پر فضیلت دینے میں اختلاف ہے ۔ اور تین اقوال ہیں جن میں سے تیسرا وقفہ ہے ۔ ابن تیمیہ رحہ کہتے ہیں کہ دونوں میں جدا گانہ خصوصیات ہیں ۔

حضرت خدیجہ رضہ کا اثر تو اول اسلام میں تھا۔ اور یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے باعث تسلی و تسکین و ثبات تھیں۔ انہوں نے اپنا مال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نثار کیا۔ ان کو آغازِ اسلام کا زمانہ ملا۔ اور اللہ پاک اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے انہوں نے رنج و تکلیف برداشت کی۔ جو نصرت انہوں نے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی کی۔ وہ بڑے ہو کھم وقت کی تھی۔ اس لیے نصرت و تائید اور صرف زر و مال میں جو درجہ ان کا ہے وہ دوسری کا نہیں۔ عائشہ صدیقہ رضہ کا اثر آخر اسلام میں تھا۔ اس لیے جو تفقہ ان کو دین میں ہے اور جو تبلیغ انہوں نے امت کو فرمائی ہے اور علم نبوت کو شائع کر کے جو فائدہ انہوں نے پہنچایا ہے وہ ایسا درجہ ہے جو دوسری کو حاصل نہیں۔

۴۔ اللہ تعالے نے اور جبریل علیہ السلام نے ان کو سلام کہا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ جبریلؑ آئے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہ خدیجہ رضہ ہیں۔ ان کے پاس ایک برتن سالن یا طعام یا پانی کا آیا تو آپ کے سامنے لے کر حاضر ہو گئیں۔ آپ ان کو پروردگار کی جانب سے نیز میری طرف سے سلام پہنچا دیجئے کہ بہشت میں ان کے لیے قصب[1] کا محل ہے۔ جس میں صخب[2] و نصب[3] نہیں۔ بر رب کریم یہ ایسا خاصہ ہے جو ان کے سوا دوسری کو حاصل نہیں۔ حضرت عائشہ رضہ پر صرف جبریل علیہ السلام کا سلام کرنا ثابت ہے۔ امام بخاریؒ نے ابوسلمہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہ رضہ یہ جبریلؑ ہیں تم کو سلام کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا علیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حضور دیکھتے ہیں جو میں نہیں دیکھتی۔

۵۔ سیدہ خدیجہؓ کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے نہ کبھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سوء مزاجی کی۔ نہ کبھی آنحضرتؐ کو خفا ہونے دیا۔ اور نہ کبھی آنحضرتؐ نے ہی ان سے ایلا کیا۔ نہ ان پر عتاب فرمایا۔ اور نہ کبھی اُن سے جدائی اختیار کی۔

---

[1] قصب زبرجد آبدار مرصع بہ یاقوت ۔ ۱۲ منہ

[2] صخب شور و غوغا ۔ ۱۲ منہ

[3] نصب رنج و بیماری ۱۲ منہ

اور یہ سب اوصاف ان کی منقبت وفضیلت کے لیے کافی ہیں۔
۶۔ امت محمدیہ میں سیدہ خدیجہ رضؓ پہلی عورت ہیں جو اللہ اور رسولؐ پر ایمان لائیں۔

دوسری بیوی

سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حنبل بن عامر بن لوئی ہیں۔ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بڑی عمر پائی۔ اور اپنا یوم نوبت عائشہ رضؓ صدیقہ رضؓ کو دے دیا تھا۔ یہ امر ان کی خصوصیات میں سے ہے۔ کہ اپنے نفس پر محبوبۂ رسولؐ کو محبت اور تقرب رسولؐ میں ترجیح دی۔ اور ان کی بود وباش کو حضور کے ساتھ اپنے سے مقدم کیا۔

تیسری بیوی

صدیقہ بنت صدیق یعنی عائشہ بنت ابوبکر (رضی اللہ عنہما) ہیں۔ ان کا نکاح چھ سال کی عمر میں اور مواصلت ۹ سال کی عمر میں ہوئی۔ انتقال نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ ۵۸ھ ہجری کو مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ حسب وصیت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ان کی خصوصیات یہ ہیں۔

۱۔ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سب ازواج سے زیادہ پیاری تھیں۔ صحیح بخاری میں ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ پیارا آپ کو کون ہے۔ فرمایا عائشہ رضؓ۔ عرض کیا گیا کہ مردوں میں سے؟ فرمایا پدر عائشہ رضؓ۔
۲۔ ان کے سوا اور کسی کنواری عورت سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح نہیں کیا۔
۳۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم حضرت صدیقہ رضؓ کے لحاف میں ہوتے اور وحی ربانی کا نزول ہو جاتا۔ یہ بات کسی اور بیوی کو حاصل نہ تھی۔
۴۔ جب اللہ تعالیٰ نے آیت تخییر نازل فرمائی۔ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت کرنے میں ابتداء ان سے ہی فرمائی۔ ان کو اختیار دے کر فرمایا کہ اس کا جواب جلد دینا ضروری نہیں ہے۔ جب تک تم اپنے ماں باپ سے مشورہ نہ کر لے۔ صدیقہ رضؓ نے کہا کیا میں

اس بارہ میں بھی والدین سے مشورہ کروں گی۔

"نہیں میں تو اللہ اور رسولؐ اور آخرت کو پسند کرتی ہوں"۔

حضرت صدیقہ رضؓ نے یہ جواب دے کر باقی تمام ازواج کے لیے سنت قائم کر دی اور انہوں نے بھی وہی کہا جو صدیقہ رضؓ نے کہا تھا۔

۵۔ بڑی خصوصیت ان کی یہ ہے کہ جب اہل افک نے ان کو تہمت لگائی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بے قصوری ظاہر کی۔ اور ان کی بے گناہی اور نصرت میں وحی نازل کی۔ جو قیامت تک نمازوں میں اور محرابوں میں پڑھی جاوے گی۔ اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ وہ طیبات میں سے ہیں۔ پھر ان کے ساتھ مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا پھر یہ بھی بتلایا کہ اہل افک کے تہمت لگانے سے نہ ان کا کچھ بگڑا۔ نہ ان کی شان میں فرق آیا۔ بلکہ ان کے لیے بہتر ہو گیا کیونکہ اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت دی۔ اور عالی مرتبہ و عظیم الشان بنایا۔ اور تمام زمین و آسمان کے اندر ان کی بے قصوری و پاکدامنی ظاہر فرما دی۔ اللہ اکبر یہ کیسی منقبت جلیل ہے۔

اب تم یہ بھی سمجھ لو کہ یہ تشریف و اکرام نتیجہ تھا ان کی حد درجہ کی تواضع کا۔ نیز اس امر کا کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ناچیز سمجھتی رہیں۔ چنانچہ خود صدیقہ رضؓ کا قول ہے کہ میرے نزدیک میرا یہ درجہ نہ تھا کہ میرے لیے وحی متلو نازل ہوتی۔ ہاں مجھے صرف یہ امید تھی کہ اللہ تعالیٰ خواب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر میری برأت ظاہر فرما دے گا۔ اللہ اکبر یہ حال تھا امت کی صدیقہ ام المومنین اور محبوبہ رسول رب العالمین کا! کہ اپنے آپ کو بے قصور اور مظلوم بھی جانتی ہیں۔ اور ظالم افترا پردازوں کو جھوٹا بھی سمجھ رہی ہیں اور یہ بھی جانتی ہیں کہ ظالموں کی ایذا دہی کا اثر نہ صرف انہیں تک بلکہ ان کے والدین اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچا ہے۔ تاہم وہ اپنے نفس کو حقیر سمجھتی اور اپنا درجہ چھوٹا بتاتی رہیں۔ اس کے مقابلہ میں خیال کرو تم ان لوگوں کا جنہوں نے ایک دو دن۔ یا ایک دو مہینے روزہ رکھ لیے اور دو رات دو رات عبادت کر لی۔ اور پھر ان پر کوئی حالت ظاہر ہو گئی۔ تو وہ اپنے آپ کو کرامات و مکاشفات و مخاطبات و منازلات و اجابت دعوات کا پورا پورا مستحق سمجھنے لگتے ہیں۔ اور جان لیتے ہیں کہ ہم وہ ہیں جن کے دیدار سے برکت ملتی اور جن کی دعا بسا غنیمت سمجھی جاتی ہے۔ ہمارا احترام و تعظیم اور قدر و توقیر لوگوں پر واجب ہے۔ ضروری ہے کہ ہمارے کپڑوں کو حصول برکت

کے لیے چھوا۔ اور ہماری خاکِ در کو چوما جائے۔ گویا خداوند کریم کے ہاں ان کا درجہ ایسا ہے۔ کہ اگر کوئی ان کے درجہ میں منقبصت کرے تو فی الحال اس کا انتقام بھی لیا جائے گا۔ اور وہ شخص بلا درنگ اس بے ادبی کا مزہ چکھے گا۔ گویا ان کی گستاخی کا کفارہ ان کی رضامندی کے سوا اور کچھ نہیں۔ لیکن یہ سب حماقت اور رعونت کی باتیں جہل صمیم اور عقل غیر مستقیم کا نتیجہ ہیں۔ اور جو جاہل اپنے نفس پر غرور کھانے والا ہے اسی سے صادر ہو سکتی ہیں۔ جو اپنے جرم و گناہ سے غافل ہو۔ اور اللہ پاک کی گرفت سے اس کی مہلت پر بھولا ہوا ہو۔ اور اپنے غرور و تکبر کو فراموش کر بیٹھا ہو۔ اور خود ہی خیال کر لیا ہو کہ اللہ پاک کے ہاں بھی میں اچھا ہوں۔

نسأل العافیة فی الدنیا والاٰخرة۔ بندہ کو سزاوار ہے۔ کہ وہ اللہ تعالےٰ سے پناہ مانگے۔ اس امر سے کہ وہ اپنے دل میں تو بڑا بنا ہوا ہو اور اللہ تعالےٰ کے ہاں حقیر ہو۔

۶۔ ایک خصوصیت صدیقہ رضؓ یہ ہے کہ اکابر صحابہ کو جب کوئی مشکل مسئلہ دینی پیش آجاتا۔ تو ان سے دریافت کیا کرتے تھے۔ اور اس کا علم ان کے پاس ضرور ہوتا۔

۷۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ان کے گھر میں ان کے یوم نوبت میں ان کی گود میں ہوا۔ اور ان کے گھر میں ہی حضورؐ مدفون ہوئے۔

۸۔ شادی نکاح سے پہلے فرشتہ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کی تصویر پارۂ حریر پر ملاحظہ کرائی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ تو معاملہ یوں ہی رہے گا۔

۹۔ لوگوں کا یہ قاعدہ تھا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل کرنے کے لیے آنحضرتؐ کو ہدیہ و تحائف صدیقہ رضؓ کے یوم نوبت میں دیا کرتے تھے۔ تاکہ پسندیدہ تحفہ حضورؐ کو محبوب ترین ازواج کے گھر میں ملے۔

ان کی کنیت اُمّ عبداللہ ہے اور کہتے ہیں کہ ان کو حمل ہو کر اسقاط ہو گیا تھا۔ مگر یہ ثابت نہیں ہوا۔

چوتھی بیوی!

حفصہ رض بنت عمر فاروق رض ہیں۔ ان کا پہلا نکاح خنیس بن حذافہ سے جو اہل بدر میں سے ہیں ہوا تھا۔ ان کا انتقال ۲۷ھ یا ۲۸ھ کو ہوا۔

ان کی خصوصیات سے یہ ہے جسے حافظ ابو محمد مقدسی نے اپنی مختصر سیرت میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دے دیا تھا۔ جبریل علیہ السلام آئے اور کہا اللہ تعالےٰ حکم دیتا ہے کہ آپ رجوع کرلیں۔ کیونکہ حفصہ رض بہت روزہ رکھنے والی اور بہت نوافل پڑھنے والی ہے۔ نیز وہ جنت میں آپ کی زوجہ ہیں۔

طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رض کو طلاق دے دیا۔ حضرت عمر رض نے سنا۔ تو سر پر خاک ڈالنے لگے۔ کہا اب اللہ کو بھی ابن خطاب کی کچھ پرواہ نہیں رہی۔ جبریل ع اترے اور کہا اللہ تعالےٰ حکم دیتا ہے کہ آپ حفصہ رض سے رجوع کرلیں۔ یہ حکم عمر رض پر رحمت فرمانے کی وجہ سے ہے۔

پانچویں بیوی

ام حبیبہ رض بنت ابوسفیان رض ہیں۔ ان کا نام رملہ بنت صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد المناف ہے۔ انہوں نے اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ حبش کو ہجرت کی تھی۔ وہاں جاکر عبداللہ نصرانی ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اسلام کامل رکھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ جب کہ یہ حبش میں ہی تھیں نکاح کر لیا۔ متولی نکاح حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ یا بقول بعض خالد بن سعید بن عاص تھے۔ نجاشی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار سو اشرفی مہر ادا کیا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے لانے کو عمرو بن امیۃ الضمری کو روانہ کیا۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ مسلمان نہ ابوسفیان رض کی جانب دیکھا کرتے اور نہ اُسے پاس بٹھلایا کرتے تھے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تین باتیں ہیں وہ مجھے عطا فرمایئے۔ فرمایا اچھا۔ کہا میرے پاس عرب بھر میں سب سے زیادہ حسین وجمیل لڑکی ام حبیبہ رض ہے۔ میں اس کو حضور کے

نکاح میں دینا چاہتا ہوں۔ فرمایا اچھا[1]۔ کہا معاویہ کو اپنا کاتب بنا لیجئے۔ فرمایا اچھا۔ کہا مجھے اجازت ہو کہ میں کفار سے جہاد کیا کروں جیسا کہ مسلمانوں کے ساتھ میں نے جنگ کئے ہیں فرمایا

---

[1] واضح ہو کہ اس حدیث کے معنے میں لوگوں کو بہت ہی مشکل پڑی ہے۔ کیونکہ ام المومنین ام حبیبہ رضؓ کا نکاح (ابوسفیان نے اسلام لانے سے پیشتر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو چکا تھا۔ اور نجاشی نے پڑھ دیا تھا۔ اور اپنے باپ کے اسلام سے پیشتر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ پہنچ گئی تھیں۔ پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد ابوسفیان کہے کہ میں ام حبیبہؓ کا نکاح حضورؐ سے کرتا ہوں"
ایک گروہ علماء کا قول ہے کہ یہ حدیث کذب ہے اس کی کچھ اصل نہیں۔ ابن حزم کا قول ہے عکرمہ بن عمار نے ہی یہ جھوٹ بنایا ہے۔ دوسرا گروہ اس بات کو بہت ناگوار سمجھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں موضوع حدیث کیونکر ہو سکتی ہے۔ معنی حدیث یہ ہیں کہ ابوسفیان کی درخواست یہ تھی کہ اس کی لڑکی کے نکاح کی تجدید کی جاوے تاکہ مسلمانوں میں اس کی آبرو بنی رہے۔ مگر یہ توجیہہ ضعیف ہے۔ کیونکہ حدیث سے پایا جاتا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے وعدہ فرما لیا۔ اور یہ کسی روایت میں کسی نے روایت نہیں کی۔ کہ صادق الوعد نبیؐ نے ام حبیبہ رضؓ کے نکاح کی تجدید کی ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو ضرور نقل کیا جاتا۔ جب کسی نے بھی نقل نہیں کیا۔ تو معلوم ہوا کہ ایسا ہوا ہی نہیں۔ قاضی عیاض رہ نے اس کے اشکال پر کچھ لمبی گفتگو کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ایسا ہونا اہل خبر کے نزدیک بہت ہی غریب ہے۔ حالانکہ وہ حدیث جس میں ابوسفیان کا تجدید صلح کے لیے مدینہ میں آنا۔ اور ام المومنین ام حبیبہ رضؓ کے پاس جانا ذکر ہوا ہے بہت مشہور ہے"
ایک گروہ کا قول ہے کہ حدیث باطل نہیں۔ ابوسفیان کا سوال یہ تھا کہ اپنی دوسری بیٹی عزہ کا نکاح جو ام حبیبہ رضؓ کی بہن تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دے۔ دو بہنوں کے نکاح میں جمع نہ ہو سکنے کا مسئلہ اگر ابوسفیان رضؓ کو نو مسلم ہونے کی وجہ سے معلوم نہ ہوا ہو تو کچھ بعید نہیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہی مسئلہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بھی معلوم نہ تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے درخواست بھی کی کہ میری بہن سے نکاح کر لیجئے۔ فرمایا نہیں وہ میرے لیے حلال نہیں۔ غرض یہ کہ ابوسفیان رضؓ کا ارادہ تو دوسری دختر کے ازدواج سے تھا۔ راوی کو اشتباہ ہو گیا اور اس نے ام حبیبہؓ کا نام وہم سے رکھ لیا۔ پس یہاں نام رکھنے میں کسی نہ کسی راوی کی غلطی ہے نہ ابوسفیان کی درخواست کی مگر اس توجیہہ پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہاں فرمانا وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر ابوسفیان کا یہی ارادہ تھا کہ

اچھا۔ ابوزمیل کا قول ہے کہ اگر وہ ان باتوں کا سوال نہ کرتا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسے کبھی

(بقیہ حاشیہ صد ۱۳۸) دوسری بیٹی کا نکاح کر دے تو ضرور تھا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ وہ میرے لیے حلال نہیں جیسا کہ حضور نے ام حبیبہ رضہ کو جواب دیا تھا۔ اگر اس توجیہہ پر یہ اعتراض نہ ہوتا تو کچھ شک نہیں کہ اس حدیث میں یہ تاویل بہترین تاویلات سے تھی۔

۱۔ اس قول کی صداقت میں کوئی اثر صحیح یا حسن معروف نہیں۔ اور نہ اسے کسی ایسے شخص نے نقل کیا ہے جس کی نقل پر اعتماد کیا جا سکتا ہو۔

۲۔ ام حبیبہ رضہ کے نکاح کا قصہ کہ وہ حبش میں تھیں اور نکاح ہو گیا تواتر کے برابر پہنچا ہے جیسے اور ازواج مطہرات کے نکاح کے دیگر واقعات مثلاً یہ کہ خدیجۃ الکبریٰ رضہ سے نکاح مکہ میں ہوا۔ اور عائشہ صدیقہ رضہ کا نکاح مکہ میں اور مواصلت مدینہ منورہ میں ہوئی۔ اور حفصہ رضہ کا نکاح مدینہ میں ہوا۔ اور صفیہ کا عام خیبر کو۔ اور میمونہ رضی اللہ عنہا کا عمرۃ القضیہ میں۔ ایسے واقعات کا شہرت کے ساتھ اہل علم میں ہونا قطعی طور پر اس کے صحیح سمجھے جانے کا سبب ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی سند ایسی ملے جو بظاہر صحیح ہو۔ مگر شہرت کے خلاف ہو تو اسے غلط ہی سمجھتے ہیں۔ اور ادھر التفات نہیں کیا کرتے۔ اور ان کو اس پر اطمینان ہوا کرتا ہے۔

۳۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت و احوال و وقائع کے جاننے والوں کو بخوبی معلوم ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح فتح مکہ تک تاخیر میں نہیں رہا۔ اس لیے اس میں کسی کا وہم نہیں چل سکتا۔

۴۔ ابن اسحاق وغیرہ نے ابوسفیان رضہ کے مدینہ میں تجدید صلح کے لیے آنے کے قصہ میں بیان کیا ہے کہ جب ابوسفیان رضہ مدینہ میں آیا تو اپنی بیٹی ام حبیبہ رضہ کے پاس گیا۔ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے لگے تو انہوں نے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان رضہ نے کہا بیٹی! میں نہیں سمجھا کہ تو بستر کو مجھ سے دور رکھنا چاہتی ہے۔ یا مجھے بستر سے ہٹانا۔ فرمایا یہ بستر اللہ کے رسول کا ہے۔ اور تو مشرک اس پر نہیں بیٹھ سکتا۔ ابوسفیان رضہ نے کہا بخدا بیٹی تو ہم سے جدا ہو کر بگڑ گئی"۔ یہ قصہ اہل مغازی و سیر کے نزدیک مشہور ہے۔

۵۔ ام حبیبہ رضہ مہاجرات حبش میں سے ہیں جو اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ گئی تھیں۔ وہ نصرانی ہو کر حبش میں مر گیا۔ ام حبیبہ رضہ حبش سے چلی آئیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس رہیں" مندرجہ بالا بیان پر کسی اہل نقل کو شک نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ ابوسفیان عام فتح کو ہی ایمان لایا تھا۔ تو

یہ شرف عطا نہ فرماتے۔ مگر عادت شریف یہ تھی کہ جب کوئی سوال کرتا تو حضور ہمیشہ ہاں فرما دیتے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۹) اس وقت وہ کیونکر کہہ سکتا تھا۔ کہ میرے پاس عرب کی حسین ترین لڑکی ہے۔ کیا حضرت ام حبیبہ رضہ ہجرت اور اسلام کے بعد کبھی بھی اپنے باپ کے پاس تھی؟ اگر کوئی کہے کہ قول ابوسفیان اس کے اسلام سے پہلے کا ہے تو یہ بھی محال ہے کیونکہ ام حبیبہ رض اُن کے پاس نہ تھی۔ اور نہ ابوسفیان کو زمانہ کفر میں مسلمان لڑکی کی ولایت حاصل تھی۔ اور اگر کوئی کہے کہ یہ قول اس کے اسلام سے بعد کا ہے۔ تب بھی محال ہے۔ کیونکہ ان کا نکاح فتح مکہ سے کہیں پہلے کا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ام حبیبہ رض کا نکاح بعد فتح ہی متعین کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مسلم کی حدیث صحیح ہے اور اسناد میں ثقہ اور حفاظ ہیں۔ اور حبش میں نکاح ہونے کی حدیث محمد بن اسحاق کی روایت سے بطور ارسال ہے۔ لوگوں کو تو محمد بن اسحاق کی مسانید میں بھی اختلاف ہے مراسیل کا تو ذکر کیا۔ خصوصاً جب کہ وہ مسانید صحیحہ کے بھی مخالف ہو۔

یہ طریق وہ ہے جو بعض متاخرین نے اس حدیث کی تصحیح میں اختیار کیا ہے۔ اس کا جواب بہ چند وجوہ ہے۔

۱۔ مذکورہ بالا اصول تو جب جاری ہوتا ہے کہ دونوں نقلیں مساوی ہوں اور ان میں سے ایک کو ترجیح دی جاوے۔ لیکن جب ایک نقل کا بطلان یقینی اور تحقیقی ہو تب اس پر التفات نہ کیا جائے گا دیکھو سیر و مغازی اور احوال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے علماء میں کچھ اختلاف نہیں ہے کہ ام حبیبہ رض کا نکاح فتح مکہ تک تاخیر میں نہیں رہا۔ اور کسی نے بھی اس کو روایت نہیں کیا۔ لیکن اگر کوئی کہتا بھی تو سب لوگ اس کے قول کو باطل جانتے اور بطلان میں کچھ شک نہ سمجھتے۔

۲۔ اس بات کا جواب کہ ابن اسحاق کی مراسیل صحیح مسند کا معارضہ نہیں کر سکتیں اور برابر نہیں ہو سکتیں یہ ہے کہ اس بارہ میں تنہا ابن اسحاق کی روائیت ہی پر (خواہ وہ متصلہ ہے یا مرسلہ) بھروسہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ اعتماد تو اہل سیر و مغازی کے نقل پر کیا گیا ہے۔ جنہوں نے لکھا ہے کہ

"ام حبیبہ رض نے پہلے شوہر کے ساتھ ہجرت حبش کی۔ شوہر نصرانی ہو کر وہیں مر گیا۔ نجاشی رح نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی تزویج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کی اور اپنے پاس سے مہر ادا کیا۔"

غرض یہ قصہ کتب مغازی و سیر میں مرقوم ہے اور ائمہ علم کے پاس اس کا ذکر موجود۔ چنانچہ اسی قصہ

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا وہ ہیں۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کا اکرام کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۰) میں وکالت نکاح کے جواز پر حجت پکڑی گئی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عقبہ بن عامر رضہ کی حدیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا انکح الولیان فالاول احق کی شرح میں کہا ہے کہ اس حدیث سے نکاح میں وکالت کا جائز ہونا نکلتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیۃ الضمری کو اپنا وکیل بنایا تھا۔ جس نے ام حبیبہ رضہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تزویج کی کتاب کبیر میں امام شافعی رہ نے کہا ہے کہ کافر مسلمان عورت کا ولی نہیں ہوتا گو اسکا باپ ہو اسی لیے ابن سعید عاص رضہ نے ام حبیبہ رضہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دیا تھا۔ گو ابوسفیان زندہ تھا۔ وجہ یہ کہ ام حبیبہ رضہ مسلمان تھی۔ اور ابن سعید رضہ بھی مسلمان تھے۔ اور ان سے زیادہ قرابت میں نزدیک تر میرے علم میں اور کوئی نہ تھا۔ غرض ابوسفیان رضہ کو حق ولایت حاصل نہ تھا۔ کیونکہ اللہ تعالے نے مسلمین و مشرکین میں موارثت و عقد کو قطع فرمادیا ہے۔ مگر عروہ و زہری رہ نے ذکر کیا ہے۔ کہ متولی نکاح سیدنا عثمان بن عفان رضہ ہوئے تھے یہ دونوں ابوسفیان رضہ کے چچیرے بھائی ہیں۔ کیونکہ عثمان رضہ اور ابن سعید رضہ دونوں عاص کے پوتے ہیں۔ عاص امیہ کا بیٹا ہے اور ابوسفیان امیہ کا پوتا۔ مقصود اس بیان سے یہ ہے کہ ائمہ فقہ و سیر نے یہ ذکر کیا ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حبش میں ہوا تھا۔ اور یہ بیان اس شخص کے وہم کو جو عکرمہ بن عمار کی روایت سے دھوکہ کھا کر سمجھ بیٹھا تھا کہ ان کا نکاح فتح مکہ کے بعد ہوا ہے۔ بخوبی زائل کرتا ہے عکرمہ بن عمار جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا راوی ہے اسے اکثر ائمہ حدیث نے (جن میں یحیٰے بن سعید انصاری بھی ہیں) ضعیف قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابن عمار کی حدیثیں صحیح نہیں ہوتیں امام احمد کا قول ہے کہ اس کی احادیث ضعیف ہیں۔ ابوحاتم رہ کا قول ہے کہ ابن عمار یوں تو صدوق ہے مگر کبھی اسے وہم ہو جاتا ہے اور کبھی تدلیس کرتا ہے اور جب اس کا یہ حال ہے تو ممکن ہے کہ اس حدیث کو غیر حافظ یا غیر ثقہ سے کر دلس کرتا ہو۔ کیونکہ امام مسلم نے اس حدیث کو سب راویوں سے معنعن روایت کیا ہے۔ اور طبرانی نے معجم میں ان ہی راویوں سے تحدیثاً۔ ابوالفرج بن جوزی نے اس حدیث میں کہا ہے کہ یہ بعض راویوں کی طرف سے وہم ہے۔ کیونکہ اہل تاریخ کا اس پر اجماع ہے کہ ام حبیبہ رضہ عبداللہ بن جحش کے گھر تھی اس سے اولاد بھی پیدا ہوئی اور ہجرت حبش کے وقت یہ دونوں مسلمان تھے۔ عبداللہ وہاں جاکر نصرانی ہوگیا۔ ام حبیبہ رضہ دین حق پر قائم رہی۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے پاس آدمی بھیجا کہ اسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے طلب کرے۔ نجاشی نے

اور باپ کو اس پر بیٹھنے سے یہ کہہ کر روک دیا کہ تو مشرک ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۱) نکاح پڑھوایا اور مہر بھی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے چار ہزار درہم ادا کر دیئے یہ ۶ہجری کا واقعہ ہے۔ ابوسفیانؓ مصالحت کے زمانہ میں مدینہ آیا۔ اور ام حبیبہؓ کو ملنے گیا تو انہوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بستر کو لپیٹ دیا تاکہ اس پر ابوسفیان بیٹھ نہ جاوے اور اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ ابوسفیان اور معاویہ ۸ہجری میں فتح مکہ پر اسلام لائے تھے۔ اور یہ معروف نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو کبھی امیر جہاد بنایا ہو۔

ابو محمد بن حزم کا قول ہے کہ:

"یہ حدیث موضوع ہے اس کے وضع میں کچھ شک نہیں اور آفت اس میں عکرمہ بن عمار کی جانب سے ہے۔ بیشک اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ ام حبیبہ رضؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک میں فتح مکہ سے کہیں پہلے آچکی تھیں جب ان کا باپ کافر تھا۔

اگر کوئی کہے کہ عکرمہ اس روایت میں منفرد نہیں اس میں بھی تبعیت کی گئی ہے چنانچہ طبرانی نے جس سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے اس میں ابوزمیل سے اسمٰعیل بن مرسال روایت کرتا ہے جیسا کہ عکرمہ نے ابوزمیل سے روایت کی ہے۔ اس سے عکرمہ ذمہ داری تفرد سے بری ہو گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ متابعت عکرمہ کو کچھ فائدہ و قوت نہیں دے سکتے۔ کیونکہ ابوزمیل سے نیچے جتنے راوی طبرانی کے ہیں۔ سب کے سب مجہول ہیں۔ جن کی روایات معروف نہیں۔ اور جن سے حجت بھی نہیں لی جاتی۔ پھر ان کی روایت کو مستفیض نقل پر جو خاص و عام اہل نقل و علم میں معروف ہو تقدم کیونکر ہو سکتا تھا۔ پس یہ متابعت نہ اس کے لیے ضعف زیادہ کر سکتی ہے اور نہ قوۃ۔

ایک گروہ کا جس میں سے بیہقی و منذری رحمہما اللہ بھی ہیں قول ہے۔

"یہ ہو سکتا ہے کہ ابوسفیان کی یہ درخواست کہ ام حبیبہ رضؓ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجہ بنائے اس وقت کی ہو جب اس نے ام حبیبہ رضؓ کے شوہر کا گذر جانا سنا تھا۔ اور وہ کسی کام کو کفر کی حالت میں ہی مدینہ آیا تھا۔ رہی دوسری اور تیسری درخواست یہ اسلام لانے کے بعد کی ہوں اور راوی نے ان کو جمع کر دیا ہو"

لیکن یہ بھی بہت ضعیف ہے کیونکہ جب ابوسفیانؓ زمانہ مصالحت میں (ہجرت کے بعد اور فتح مکہ سے پیشتر) مدینہ گیا ہے۔ اس وقت ام حبیبہ رضؓ ازواج مطہراۃ میں داخل تھیں۔ اس سے پہلے ابوسفیانؓ

چھٹی بیوی

ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کا نام ہند بنت ابو امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲) کبھی مدینہ میں نہیں پہنچا۔ غزوہ خندق پر گیا تھا تو لشکر کشی کی صورت میں تھا۔ اس ایک دفعہ بھی اگر صلح و معاہدہ کا وقت نہ ہوتا تو وہ مدینہ میں نہ آسکتا تھا۔ پھر کب وہ مدینہ گیا۔ اور کب ام حبیبہ رضی کے لیے اس نے درخواست تزویج کی۔ یہ تو صریح غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ کفر کی حالت میں اس کی جانب سے تزویج صحیح کیونکر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس وقت اس کو حضرت ام حبیبہ رضی پر ولایت نہیں حاصل تھی۔ اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ نکاح ام حبیبہ رضی اسلام ابو سفیان تک اٹکا نہیں رہا۔ غرض دونوں پہلو سے یہ کہنا کہ ام حبیبہ رضی کا نکاح حضور سے کر دوں۔ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اب رہا مختلف اوقات میں ان درخواستوں کے پیش ہونے کا وہم۔ سو حدیث کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ تینوں درخواستیں ایک ہی وقت کی ہیں۔ کیونکہ امر جہاد اور منصب کتابت معاویہ اسلام کے بعد ہی ہو سکتے ہیں۔ تو پھر یہ کہنا کیونکر آسان ہے۔ کہ ایک درخواست حالت کفر کی ہے اور باقی اسلام کی۔ سیاق کلام تو اسے رد کرتا ہے۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ حدیث کے معنے محمل صحیح پر اور ہو سکتے ہیں۔ جس سے حدیث کو موضوع کہنے سے بچ سکتے ہیں۔ درآنحالیکہ یہ کہنا آسان نہیں ہے کہ صحیح مسلم میں کوئی موضوع حدیث ہے۔ یعنی نکاح کر دیتا ہوں کی توجیہہ یہ کی جاوے کہ اس کے نکاح پر میں راضی ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جو نکاح ہو چکا ہے گو وہ صحیح ہے لیکن اس وقت میرے منشاء کے خلاف اور اختیار کے بغیر تھا۔ اب اظہار رضامندی نکاح کو تالیف قلوب کی غرض سے اور زیادہ عمدہ و پسندیدہ بنا دے گی۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ہاں فرما دینا بھی اسے مانوس کرنے کی غرض سے ہے۔ اس کے بعد صحت عقد کی اطلاع دے دی گئی ہو گی۔ کہ اس میں تیری رضامندی شرط نہ تھی اور انعقاد عقد کے وقت زوجین کے دین سے تیرے اختلاف نے تجھ کو حق ولائیت سے محروم کر دیا تھا؛

لیکن یہ جواب بھی شک نہیں مٹا سکتا اور نہ جواب کچھ قوی معلوم ہوتا ہے۔ یہ تاویل جس قدر الفاظ سے بعید ہے وہ بھی مخفی نہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ الفاظ سے بھی یہ تاویل سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ لفظ تو یہ ہیں کہ میرے پاس تمام عرب میں حسین و جمیل لڑکی ہے جس کا آپ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ تو اس کے یہ معنے کیونکر ہوئے کہ جو لڑکی حضور کے نکاح میں ہے میں اس کے نکاح میں رضامند ہوں۔ پھر یہ معنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ہاں سے ذرا چسپاں نہیں۔ کیونکہ ابو سفیان نے تو ایسی بات کا سوال کیا تھا جس کی منظوری

مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں

(بقیہ حاشیہ ص۱۴۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے منظوری ملتی تو ایسی حالت میں ام حبیبہ رضؓ کے نکاح پر رضامندی کیونکر ہو سکتی ہے کیونکہ یہ تو ایک حاصل شدہ امر تھا۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں قائم تھا پھر اس کے طلب کے بھی کیا معنی۔ ہاں اگر کوئی یوں کہہ دے کہ درخواستِ ابوسفیان کا مضمون یہ تھا کہ ام حبیبہ رضؓ کو اپنے نکاح میں رہنے دیں۔ اور اسی کا نام اس نے نکاح رکھا تھا۔ تو گو یہ بھی فاسد ہے۔ مگر توجیہہ بالا کی نسبت الفاظ سے تو قریب تر ہے۔ الغرض یہ سب تاویلات بعیدہ ہیں۔ جن میں باعتبارِ لفظ اور کیا باعتبارِ مقصودِ کلام بہت ہی منافرت پائی جاتی ہے۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ ابوسفیان رضؓ مدینہ کی جانب اکثر جایا کرتا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ مدینہ میں بحالت کفر آیا ہو یا اسلام کے بعد جب آنحضرتؐ نے ازواج سے ایلا کیا تھا اس وقت ابوسفیانؓ ایلاء کو طلاق سمجھ گیا ہو (جیساکہ عمر فاروق رضؓ نے سمجھا تھا) اور سمجھ گیا ہو کہ اب جدائی ہو جاوے گی۔ اس لیے اس نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ازراہِ پیش بندی و شفقتِ پدری یہ عرض کر دیا ہو۔ تاکہ حضورؐ اس کی بیٹی سے رجوع فرمالیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہاں فرمانا وہ ان معنے میں ہے کہ اگر ایلاء لمبا ہو جاتا تو طلاق واقع ہو جاتی لیکن نہیں ہونے پایا۔"

یہ جواب بھی ویسا ہی ضعیف ہے کیونکہ الفاظ

"میرے پاس تمام عرب سے حسین تر و جمیل تر لڑکی ہے میں اس کا نکاح آنحضرتؐ سے کرنا چاہتا ہوں"

سے ایلاء یا وقوعِ فرقت سمجھ میں نہیں آسکتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نعم فرمانا بھی ٹھیک چسپاں نہیں ہو سکتا۔

دوم یہ کہ ابوسفیانؓ ایلاء کے وقت بالکل حاضر نہ تھا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بالاخانہ میں قیام فرما کر قسم کھائی کہ ازواج کے پاس ایک مہینہ نہ جائیں گے۔ عمر رضؓ بن خطاب آئے اور اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ تیسری دفعہ کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی۔ حضرت عمر رضؓ نے پوچھا کہ کیا حضورؐ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے فرمایا نہیں۔ حضرت عمر رضؓ نے اللہ اکبر کہا اور لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ آنحضرت صلعم نے طلاق نہیں دی۔ اب بتلاؤ کہ ابوسفیان یہاں کہاں تھا؟ میں نے شیخ محب الدین طبری کی اس حدیث پر بحث دیکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ احتمال ہے کہ ابوسفیان کی یہ سب درخواستیں تاریخ نکاح سے ایک مدت پہلے کی ہوں۔ گویا ان درخواستوں کو اپنے اسلام کے لیے اشتراط بنایا ہو اور معنی یہ ہوں کہ اگر میں اسلام لے آؤں۔ تب یہ تین اعزاز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مجھ کو عطا کریں۔"

آپ نے۔ سے پیشتر ابو سلمہ کے نکاح میں تھیں ان کا انتقال ۶۲ھ ہجری میں ہوا۔ اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔ ازواج مطہرات میں سب سے پیچھے ان کا انتقال ہوا۔ بعض میمونہ رضی اللہ عنہا کا کہتے ہیں۔ ان کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صورت دِحیہ کلبی میں آئے اور ام سلمہ رض نے ان کو دیکھا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جبریل ع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ کے پاس ام سلمہ رض تھی۔ جبریل ع نے باتیں کیں۔ اور چلے گئے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا یہ کون تھے۔ ام سلمہ رض کہتی ہیں میں نے کہا دِحیہ کلبی کیونکہ میں بخدا ان کو دِحیہ ہی سمجھتی تھی۔ حتی کہ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنا۔ کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے یوں خبر دی۔

ابو عثمان راوی سے سلیمان تیمی نے پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث کس سے سنی ہے کہا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۴) مگر یہ توجیہہ بھی بچند وجوہ غلط ہے۔ کیونکہ شروع حدیث میں یوں ہے کہ مسلمان ابو سفیان کی طرف نہ دیکھا کرتے تھے۔ اور نہ اُسے پاس بٹھلایا کرتے اس نے عرض کیا یا نبی اللہ مجھے تین باتیں عطا فرمایئے۔ سبحان اللہ ابو سفیان کی طرف سے یہ درخواست ہو سکتی ہے؟

۱۔ جب کہ ہجرت سے پہلے یا بعد وہ مکہ میں تھا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لیے فوجیں تیار کر رہا تھا۔

۲۔ یا جب وہ مدینہ میں آیا اور ام حبیبہ رض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عقد میں تھی۔ نہ باپ کے پاس۔ دیکھو تو سہی یہ کس قدر تکلف ہے۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ حالت کفر میں وہ یوں کہے کہ میں مشرکین کو قتل کردوں۔ جیسا مسلمانوں کو قتل کرتا رہا ہوں حالانکہ مسلمانوں پر جو جور و ستم اس نے کئے اور مسلمانوں کے حرب و قتال نیز نور الٰہی کے بجھا دینے میں جس قدر یہ ساعی تھا اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

رہا ابو سفیان رض کے اسلام کا قصہ یہ معروف ہے اس میں کچھ اشتراط نہیں اور کوئی پیش بندی نہیں۔ غرض یہ وجوہ و امثال وہ ہیں جن کا بطلان و استکراہ و فساد معلوم ہے۔ اور طالب علم کو ان سے کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ اس کو فیہ نظر رکھنا اور ابطال سے تعرض کرنا عین علم کی علامات میں سے ہے۔ ٹھیک تو یہی ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور اس میں کچھ خلط ملط ضرور ہوا ہے۔ ۱۲ مصنّف۔

لہ ام سلمہ رض آنحضرت ص کے پھوپھی زاد بھائی کی بیوی تھیں اسلام کے لیے پہلے معہ شوہر ہجرت حبش کی۔ پھر ہجرت مدینہ، جنگ اُحد کے زخموں سے تما و ندار نے انتقال کیا۔ چار بچے یتیم رہ گئے۔ ابو بکر صدیق رض اور عمر فاروق رض نے

ساتویں بیوی

زینب رضؓ بنت جحش بن مدرکہ بن الیاس بن مضر (بنی خزیمہ میں سے) ہے۔ ان کی والدہ امیمۃ بنت عبدالمطلب ہیں۔ یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عمہ زادی ہیں۔ ان کا پہلا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے ہوا۔ انہوں نے طلاق دے دی۔ اللہ تعالے نے ان کا نکاح سبع سموات کے اوپر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔ چنانچہ قرآن مجید ہے۔

فلما قضی زید منھا وطرا زوجنٰکھا ط — جب زید اپنی حاجت اس سے پوری کر چکا تو ہم نے اس کو تیری زوجہ بنا دیا۔

یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور اجازت لیے بغیر زینب رضی اللہ عنہا کے گھر چلے گئے۔ چنانچہ حضرت زینب رضؓ تمام ازواج پر ہمیشہ فخر کیا کرتی تھیں۔ کہ تم کو تمہارے متولیوں نے بیاہ دیا ہے۔ اور مجھے اللہ پاک نے فوق سبع سموات سے زوجہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بنایا ہے۔ غرض یہ امر ان کی خصوصیت میں سے تھا۔ ان کا انتقال ۲۰ھ ہجری میں ہوا۔ اور بقیع میں دفن ہوئیں۔[1]

آٹھویں بیوی

زینب رضؓ بنت خزیمہ ہلالیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ ان کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۵) چاہا کہ اس سے نکاح کر لیں اور یتیم بچوں کی پرورش کرتی رہیں۔ لیکن ام سلمہ رضؓ کی اللہ سے یہ دعا تھی کہ اگر پہلے شوہر سے درجہ میں بہت بڑھ کر خاوند ملے گا تب شادی کروں گی۔ اس کی حالت پر رحم کھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح کر لیا۔ از مہر نبوۃ مصنفہ قاضی محمد سلیمان۔

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا پہلا نکاح اصرار کے ساتھ زید رضی اللہ عنہ سے کروایا تھا۔ لیکن زینبؓ کی شوہر کے ساتھ نہ بنی اور زیدؓ نے تنگ آکر ان کو چھوڑ دیا۔ گو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ کو بھی بہت سمجھایا کہ بیوی کو نہ چھوڑے لیکن اس نے ظاہر کر دیا کہ بیوی کی بدسلوکی ناقابل برداشت درجہ کو پہنچ گئی ہے رب العالمین نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو زینب کے ساتھ نکاح کا حکم دیا۔ ان کے پہلے نکاح کو دیکھو کہ زینبؓ زیدؓ کے ساتھ شادی کرنے میں رضامند نہیں۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم اُسے منوانا ہے

نکاح ۳ھ ہجری کو ہوا۔ اور صرف دو ماہ یا تین ماہ کے بعد انتقال ہو گیا۔ ان کو ام المساکین کہا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ مساکین کو بہ کثرت کھانا کھلایا کرتی تھی [۱]

نویں بیوی

جویریہ رضؓ بنت حارث ہیں۔ قبیلہ بنی مصطلق سے۔ یہ غزوہ بنی مصطلق میں اسیر ہو کر آئیں۔ اور ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے ان کو مکاتب کر دیا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے وہ روپیہ ادا کر دیا اور پھر ان سے نکاح کر لیا۔ یہ ۵ھ ہجری کو ہوا۔ ان کی وجہ سے مسلمانوں نے ان کے کنبہ کے سو غلاموں کو آزاد کر دیا۔ کہا یہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سسرال ہیں۔ بیشک یہ بہت بڑی برکت اس بی بی کی اپنی قوم پر ہوئی۔ ان کا انتقال ۵۶ھ ہجری کو ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۶) دوسرے نکاح میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس عقد سے ناخوش ہیں۔ مگر پروردگار کا حکم حضور کو مجبور کرتا ہے۔ پادری لوگوں کی جو یہ بکواس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینبؓ کے حسن و جمال کی خبر پا کر اُسے یکایک دیکھ کر عزم نکاح کیا تھا۔ وہ یہ دونوں باتیں بھول جاتے ہیں۔

۱۔ زینب آنحضرتؐ کی سگی پھوپھی کی بیٹی تھی۔ آنکھوں کے سامنے پلی اور بڑی ہوئی اس کی شکل و صورت کے متعلق کوئی بات ابتدا ہی سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر پوشیدہ نہ تھی۔

۲۔ زید کے ساتھ ان کا پہلا نکاح خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بڑے اصرار سے کیا تھا۔ از مہر نبوۃ۔

[۱] ان کا پہلا نکاح طفیل بن حارث سے دوسرا عبیدہ بن حارث سے ہوا۔ یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا کے بیٹے ہیں۔ تیسرا نکاح عبداللہ بن جحش سے ہوا وہ شہید ہو گئے۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ از مہر نبوۃ مولفہ قاضی محمد سلیمان۔

[۲] جویریہؓ کیسی تھی یہ اسی سے ثابت ہے کہ بست سالہ جوان جس کے حصہ میں وہ آئی زر جرمانہ لے کر اسے چھوڑنا پسند کرتا ہے۔ آنحضرتؐ نے اس سے نکاح کر لیا۔ اور اس مختصر تدبیر سے ایک سو سے زیادہ بنی آدم کو ہمیشہ کے لیے لونڈی غلام ہونے سے بچا دیا۔ عائشہ صدیقہ رضؓ (باوجود سوت ہونے کے) کہتی ہیں۔ کہ جویریہؓ جیسا بابرکت نکاح کم دیکھنے میں آیا ہے جس کی طفیل اسقدر فرزندانِ آدم کو آزادی نصیب ہوئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک نکاح میں ایسے ہی اسرار و رموز ہیں۔ از مہر نبوۃ مؤلفہ قاضی محمد سلیمان۔

دسویں بیوی

صفیہ رضؓ بنت حی ہیں۔ حضرت ہارون نبی برادر موسےٰ کلیم اللہؑ کی اولاد سے ہیں۔ یہ اسیرانِ خیبر میں سے ہیں۔ پہلے شوہر کا نام کنانہ بن ابوالحقیق ہے جو قتل ہوا۔ ان کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۷ھ ہجری کو ہوا۔ اور انتقال ۳۶ھ یا بقول بعض ۵۰ھ ہجری کو۔

ان کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کیا اور آزادی کو ہی مہر قرار دیا حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ان کی ذات کو ہی ان کا مہر بنا دیا۔ اور قیامت تک امّت کے لیے یہ سنّت ہو گئی۔ یعنی جائز ہے کہ لونڈی کی آزادی کو اس کا مہر بنایا جائے اور زوجہ بنا لیا جائے۔ جیسا کہ امام احمد رح نے نص کر دیا ہے۔ ترمذی نے حضرت انس رضؓ سے روایت کی ہے کہ صفیہؓ کو خبر ملی کہ حفصہ رضؓ ان کو یہودی کی بیٹی کہتی ہے۔ فرمایا تو نبی (ہارون علیہ السلام) کی بیٹی ہے۔ اور تیرے چچا (موسیٰ علیہ السلام) بھی نبی تھے۔ اور اب نبی (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر میں ہے۔ پھر وہ کس بات میں تجھ پر فخر کرتی ہے۔ پھر فرمایا اے حفصہ رضؓ اللہ سے ڈر۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح غریب کہا ہے۔ غرض امر مذکورہ بالا ان کی خصوصیات میں سے ہے[۱]۔

گیارہویں بیوی

میمونہ رضؓ بنت حارث ہلالیہ ہیں۔ ان سے نکاح بھی سرف میں ہوا۔ اور ہم بستری بھی سرف میں

---

[۱] اسیرانِ خیبر میں سے ہے دحیہ صحابی کے حصّہ میں آئی۔ چونکہ یہ بی بی حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل اور یہود کے شاہی خاندان سے تھی۔ اس لیے تمام لشکر نے کہا کہ ایسی عورت دحیہ کو مل جانے کی کوئی وجہ نہیں قریب تھا کہ یہ اختلاف باہمی آزردگی کا باعث ہو جاتا اور دلوں میں پھوٹ کا بیج بویا جاتا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کو بلا کر فرمادیا۔ کہ اگر تو واپس جانا چاہتی ہے تو تجھے تیرے خاندان میں واپس کر دیا جائے۔ اس نے کہا کہ میں دل سے پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی۔ اب اظہارِ اسلام کرتی ہوں۔ اور واپس جانا نہیں چاہتی۔ آنحضرتؐ صلے اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا اختلاف اور صفیہ کی صداقت دیکھ کر خود اس سے نکاح کر لینے کا فیصلہ فرمایا لونڈی نہیں بلکہ بیوی بنا لیا۔ صفیہ کا پدر و برادر و شوہر اہلِ اسلام کے ہاتھوں سے قتل ہو چکے تھے باوجود اس کے صفیہ کا اسلام لانا اور خاندان میں واپس جانے سے انکار کرنا اسلام کی صداقت کے لیے اعلےٰ دلیل ہے۔ از مہر نبوۃ مؤلفہ محمد سلیمان ۱۲۔

اور ان کا انتقال بھی سَرِف میں ہوا۔ یہ مقام مکہ معظمہ سے سات میل ہے۔ امہات المؤمنین میں یہ بلحاظ تزویج سب سے آخری بیوی ہیں ان کا انتقال ۶۳ھ ہجری میں ہوا۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس (مفسر قرآن) کی خالہ ہیں۔ کیونکہ حضرت عبداللہ کی ماں ام الفضل بھی حارث کی بیٹی ہے۔ نیز یہ خالد بن ولید (مشہور اسلامی جنرل) کی بھی خالہ ہیں۔ ان کے نکاح میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ حالتِ احرام میں تھا۔ یا احرام سے باہر۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام میں نہ تھے چنانچہ ابو رافع سفیرِ نکاح کا یہی قول ہے۔ جس نے حالتِ احرام میں نکاح کا ہونا بیان کیا ہے اس کا غلط ہونا ظاہر ہے۔ اسی قول کو گیارہ وجوہ سے دوسرے پر تقدیم دی گئی ہے۔ جس کی بحث دوسری جگہ ہے۔

الغرض یہ گیارہ ازواج مطہرات ہیں۔ جن کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہم بستر ہوئے جیسا کہ حافظ ابو محمد مقدسی وغیرہ نے کہا ہے۔ اور سات ایسی ہیں۔ جن سے نکاح ہوا۔ اور ہم بستری نہیں ہوئی۔

مقصود کلام یہ ہے کہ ازواج مطہرات پر درود وتابع ہے ان کے احترام کا اور ان کی تحریم بر اُمت کا۔ اور یہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویاں دنیا و آخرت میں ہیں۔ جس عورت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم بستری نہیں کی۔ اور زندگی میں ہی وہ آنحضرتؐ سے جدا ہو گئی۔ اسے ازواج مطہرات کے احکام و درجہ جن کے سر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا حاصل نہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ ازواجہ وذریتہ وسلم تسلیماً ۵

فصل ہفتم

ذریت کے بیان میں

ذریت کی تحقیق لفظی!

اس بحث میں دو مسئلے ہیں اور پہلے مسئلہ میں لفظ کی بحث ہے اس میں تین اقوال ہیں۔

۱۔ یہ ذرا اللہ الخلق سے ہے جس کے معنے ہیں اللہ نے خلقت کو پھیلایا اور ظاہر کیا۔ ہمزہ کو ثقیل سمجھ کر گرا دیا پس اس کی اصل ذرءۃ فعلہ کے وزن پر ہے۔ ذرء سے۔ یہ تو صاحب صحاح وغیرہ کا مختار ہے۔

۲۔ اس کی اصل ذر ہے۔ جو چھوٹی چھوٹی چیونٹی کو کہتے ہیں۔ پس یہ ذُرِّیۃ تھا۔ تغیر نسب کے طور پر ضمہ پہلے کر دیا۔ اور ہمزہ پیچھے۔ مگر یہ قول بچند وجہ ضعیف ہے۔

ا۔ باب نسب کی مخالفت ہے۔

ب۔ حرف (کا) سے بدل خلاف قیاس ہے۔

ج۔ ذریت اور ذرّ میں گو ذ اور ر مشترک ہیں۔ مگر معنی کے اعتبار سے ایک کا مفہوم دوسرے سے جدا ہے۔

س۔ ذر تو مضاعف سے ہے اور ذریۃ معتل مہموز۔ اس لیے یہ اور ہے وہ اور۔

۳۔ ذریت ذرا یعنی ماد سے ہے۔ اللہ تعالے فرماتا ہے فتذروہ الریاح گویا دراصل یہ ذرو سے ذریوۃ فعلیہ کے وزن پر تھا حرف و کو ی سے بدل دیا۔ کیونکہ یاء ماقبل ساکن موجود تھی۔

میرے نزدیک پہلا قول صحیح ہے۔ کیونکہ اشتقاق اور معنی اسی کی شہادت دیتے ہیں۔ بیشک اس کا مادہ ذرء ہے۔ اللہ تعالے فرماتا ہے جعل لکم من انفسکم ازواجا ومن الانعام ازواجا یذرؤکم فیہ فرمایا ولقد ذرأنا لجہنم کثیرا من الجن والانس فرمایا وما ذرألکم فی الارض مختلفا الوانہ حدیث شریف میں ہے اعوذ بکلمات اللہ التامات التی لا یجاوزھن بر ولا فاجر من شر ما خلق وذرأ وبرأ ! ذریت بمعنی مفعول یعنی مذرو ہے۔ ہمزہ کے بدل جانے سے ذریت بن گیا ہے۔

معنی ذریت کی تحقیق

دوسرا مسئلہ اس لفظ کے معنی کا ہے۔ اہل لغت کے نزدیک اس مسئلہ میں کچھ اختلاف نہیں کہ ذریۃ اولاد صغار وکبار کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔ انی جاعلک للناس اماما۔ قال ومن ذریتی۔ ان اللہ اصطفی آدم ونوحا وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین ذریۃ بعضھا من بعض ومن آبائہم وذریاتہم ذخائر رہا یہ کہ ذریت آباء کو بھی کہا جا سکتا ہے یا نہیں اس میں

دو قول ہیں۔

۱۔ کہا جا سکتا ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے وحملنا ذریتهم فی الفلك المشحون ط

۲۔ اہل لغت کی ایک جماعت نے اس سے انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لغت میں یہ معنی جائز نہیں۔ کیونکہ ذریت تو الفاظ نسل و عقب کی مثل ہے۔ اس لیے یہ عمود اسفل کے لیے ہی ہو سکتا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ومن آبائهم وذریاتهم واخوانهم فرمایا ہے اور نسب کی تین جہات اوپر۔ نیچے اطراف بیان کر دی ہیں۔

جس آیت سے قول اول میں دلیل پکڑی گئی ہے وہ مدعا پر ٹھیک نہیں کیونکہ اس میں کسی طرح بھی ذریت کو اولاد کی جانب مضاف نہیں کیا گیا۔ اور اضافت کا یہ حال ہے۔ کہ ادنیٰ ملابست اور اختصاص سے بھی کی جاتی ہے۔

اضافت اور اسم

اور اسم کا یہ حال ہے کہ مختلف وجوہ سے دو جداگانہ اشیاء کی طرف مضاف ہوتا ہے ایک کی جانب اور جہت اضافت ہوتی ہے اور دوسرے کی جانب جہت اضافت اور جناب ابو طالب عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شعر ہے۔

لقد علموا ان ابننا لا مکذب ؛ لدینا ولا یعنی بقول الاباطل

اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا فرزند کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرزند ابو طالب ہونا اور جہت سے ہے۔ اور ابن عبداللہ ہونا اور جہت سے۔ علیٰ ہذا الفظ رسول کو دیکھو اسے کبھی تو اللہ تعالےٰ نے اپنی جانب مضاف کیا ہے۔

لقد جاءکم رسولنا ! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا۔

اور کبھی امت کی طرف۔

ام لم یعرفوا رسولهم ! یا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا۔

پہلی آیت میں مرسل کی طرف اضافت ہے اور دوسری میں مرسل الیہم کی جانب۔ علیٰ ہذا لفظ کتاب کبھی اسے کتاب اللہ کہا جاتا ہے اور کبھی بندے یوں کہتے ہیں کہ ہماری کتاب قرآن ہے۔ ہماری کتاب سب کتابوں سے بہتر ہے۔ ایسی ہی اور بہت نظائر ہیں۔

انا حملنا ذریتهم کے معنی

پس انا حملنا ذریتهم میں لفظ ذریت اور جہت سے ان کی طرف مضاف کیا گیا اور آباء کی جانب اور جہت سے ہوتا ہے۔ ایک گروہ اس آیت کے یہ معنی کرتا ہے کہ یہاں جنس بنی آدم مراد ہے۔ اشخاص موجودۂ زمانِ نبوی مراد نہیں۔ پس ذریت سے مراد جنس انسانی ہوئی۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ ذریت سے مراد خود شخص مخاطب ہے۔ اور اظہار قدرت وشمار نعمت کے لیے یہ طریق زیادہ بلیغ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذریت جو صلب آباء میں تھی۔ آباء کو کشتی میں بچا لینے سے محفوظ رکھی گئی۔ اس پر کامل بحث ہم نے کتاب الروح والنفس میں کی ہے۔

غرض ذریت اولاد اور اولاد کی اولاد کو کہتے ہیں۔

ذریت میں اولادِ دختر بھی داخل ہے یا نہیں؟

ذریت میں دختر کی اولاد بھی داخل ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ اور امام احمدؒ سے دونوں روایتیں منقول ہیں۔ امام شافعی رح کہتے ہیں داخل ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں۔ "نہیں" جو ذریت میں اولادِ دختر کو داخل سمجھتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ فاطمہ زہرا رضؓ کی اولاد کا ذریتِ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہونا سب مسلمانوں کے نزدیک باجماع صحیح ہے۔ واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بناتِ طیبات میں سے صرف سیدۃ النساء فاطمہ زہرا رضؓ کی ہی اولاد دنیا میں باقی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضؓ اپنے نواسہ کو فرمایا تھا۔

ان ابنی هذا سید ! میرا یہ بیٹا (سید) سردارِ جنت ہے۔

دیکھو یہاں میرا بیٹا فرمایا۔ آیت مباہلہ میں حبیب اللہ تعالے نے ابنا ءنا وابناءکم نازل کیا تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضؓ و حسنین رضؓ کو ہی طلب فرمایا تھا۔ اللہ تعالے نے حضرت ابراہیمؑ کے حق میں فرمایا ہے۔ ومن ذریته داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وهارون وکذالک نجزی المحسنین وذکریا ویحیی وعیسیٰ والیاس۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا نسب حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ماں کی جہت سے ہے۔

جو کہتے ہیں کہ ذریت میں اولادِ دختر داخل نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اولاد درحقیقت اپنے آباء سے منشعب ہوتی ہے۔ دیکھو اگر ماں ہاشمیہ ہو۔ اور باپ تیمی یا عدوی یا نہرلی۔ تو کوئی شخص

اولاد کو ہاشمی نہ کہے گا۔ کیونکہ اولاد نسب میں اپنے باپ کے تابع ہوتی ہے۔ اور آزادی و غلامی میں ماں کی۔ اور دین میں جو دونوں میں سے زیادہ نیک ہو۔ ایک شاعر کا قول ہے۔

بنونا بنو ابنائنا و بناتنا ⁂ بنوهن ابناء الرجال الاباعد

اولاد ہماری تو ہیں پوتے ہی ہمارے ⁂ دختر کی تو اولاد ہے اغیار کی اولاد

چنانچہ اگر کسی قبیلہ کے متعلق کوئی وصیت یا وقف ہو تو اس میں اولادِ دختر داخل نہیں ہوتی۔ رہا یہ امر کہ فاطمہ زہرا رضؓ کی اولاد نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں داخل ہے سو اس کی وجہ سیدہ زہرا رضؓ کے والد کریم و اصل عظیم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا شرف و جاہ ہے۔ جس کو اہلِ دو عالم میں سے کوئی نہیں پا سکتا۔ یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت و جلالت اور قدر و عظمت کا باعث ہے کہ نواسوں کو بھی اولاد کا درجہ مل گیا۔ چنانچہ ہم امراء و ملوک میں جب نگاہ کرتے ہیں جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جنابِ رفیع اور بارگاہِ عالی سے کچھ بھی نسبت نہیں تو دیکھا جاتا ہے کہ بے اولادی کی حالت میں وہ اولادِ دختر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور ان کو نسبتِ فرزندی کے ساتھ چشمِ رغبت سے دیکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے باپ کا ذکر بھی درمیان سے اٹھا دینا چاہتے ہیں۔ ایسی حالت میں تم اس دودمانِ عالی اور اولادِ عظیم الشان کے لیے کیا خیال کر سکتے ہو۔ جن کی عظمت و جلالت روشن ہے۔

نسب باپ کی طرف سے ہے

رہا مسیح علیہ السلام کا ذریتِ ابراہیم علیہ السلام میں ہونا یہ کچھ حجت نہیں۔ کیونکہ مسیح علیہ السلام کا باپ تھا ہی نہیں۔ چونکہ باپ کی طرف سے نسب کا قائم ہونا محال تھا۔ اس لیے ماں ہی باپ کی جگہ سمجھی گئی۔ یہی حال ہے اس شخص کا جس کا نسب باپ کی طرف سے لعان وغیرہ کی وجہ سے منقطع ہو گیا ہو۔ کہ ماں نسب میں والدین کی جگہ سمجھی جاتی ہے۔ اور اس وقت وہ عصبہ بھی ہوگی۔ صحیح قول یہی ہے اور امام احمد رح سے بھی ایک روایت یہی اور مقتضائے نصوص بھی یہی۔ اور ابن مسعود رضؓ کا قول بھی یہی۔ اور قیاس بھی اسی کی صحت پر شاہد ہے۔ کیونکہ نسب در اصل باپ کی طرف سے ہے جب ادھر سے منقطع ہو گیا تو ماں کی طرف راجع ہوگا۔ اور اگر کبھی باپ کی طرف نسبت کا صحیح ہونا ممکن ہو جائے۔ تب ماں کی جانب سے لوٹ کر پھر اسی کی طرف راجع ہوگا۔ اور جیسا کہ سب کا اتفاق ہے۔

یہی حال ولاء میں ہے کہ وہ موالی پدر کے لیے ہے۔ لیکن اگر ادھر رجوع متعذر ہو تو موالی مادر کے لیے ہوگی۔ اور اگر پھر ان کا عود اپنے معدن وقرار کی جانب ممکن ہو۔ تو ادھر ہی رجوع کر جائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ ولاء نسب کی فرع اور اسی کے دوش بدوش ہے۔ پس جب کہ ماں کے عصبات اس مولی کے لیے (جس کی تعصیب باپ کی جہت سے منقطع ہوگئی ہے) عصبات بن گئے ہیں تو اگر نسب میں ماں کے عصبات کا اس شخص کے لیے جس کی تعصیب باپ کی جہت سے منقطع ہوگئی ہے قائم کی جائے تو اولیٰ طریق ہوگا۔ ورنہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہ حکم ولاء میں تو ثابت ہو اور نسب میں ثابت نہ ہو۔ جس کی غایت یہ ہے کہ اسی کا شعبہ اور اسی کی شاخ ہے۔

قیاسِ صحیح خلافِ نص نہیں ہوتا

بیشک ایسے مسائل سے ہی پتہ لگتا ہے کہ قیاسِ صحیح کبھی نص کے خلاف نہیں ہوتا۔ اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا علم کیسا عمیق تھا۔ اور وہ علم کی کس غایت کو پہنچے ہوئے تھے، جہاں تک پہنچنا اور لوگوں کے لیے میسر نہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

پانچویں فصل

ابراہیم خلیل الرحمن صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں

یہ اسم نسلاً متقدم میں سے ہے۔ ابراہیم کے معنے زبان سریانی میں پدر مہربان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل ؑ کو اہل عالم کے لیے تیسرا پدر بنایا ہے۔ یعنی پدر اول تو آدم علیہ السلام ہیں۔ اور پدر ثانی نوح علیہ السلام۔ کیونکہ کل دنیا کے باشندے انہی کی اولاد ہیں قرآن مجید میں ہے۔ وجعلنا ذریتہ ھم الباقین ط اسی آیت سے مؤرخین عجم کا کذب معلوم ہوتا ہے۔ جن کا زعم یہ ہے۔

مؤرخین عجم کی غلطی

کہ ہم نوح اور فرزندان نوح ؑ کو نہیں جانتے۔ چنانچہ یہ اپنے نسب کو ان سے منسوب نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے بادشاہوں کو آدم علیہ السلام سے جا ملاتے ہیں۔

اور پدر سوم جو اب الآباء اور عمود عالم اور امام الحنفاء ہیں جن کو اللہ پاک نے خلیل بنایا اور نبوت وکتاب کو ان کی ذریت میں خاص کر دیا وہ خلیل الرحمٰن۔ نیز شیخ الانبیاء حضرت ابراہیم ؑ ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام شیخ الانبیاء نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت لیا تھا جب حضور کعبہ میں داخل ہوئے۔ اور دیکھا کہ مشرکین نے حضرت خلیل ؑ و جناب اسمٰعیل علیہما السلام کی تصاویر بنا رکھی ہیں۔ گویا دو تیر پانسے پھینک رہے ہیں۔ فرمایا مشرکین پر اللہ کی لعنت ہو۔ یہ جانتے ہیں کہ ہمارے شیخ (حضرت ابراہیم ؑ نے) کبھی پانسے نہیں پھینکے تھے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا اور کسی نبی کے اتباع کے لیے نہیں فرمایا۔ قرآن مجید میں ہے۔ ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین ط امت محمدیہ کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے فرمایا وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم۔ واضح ہو کہ لفظ ملت منصوب ہے۔ اضمار فعل پر۔ اور معنی

اس کے یہ ہیں کہ ملتِ ابراہیم ؑ کا اتباع ولازم کرو۔ محذوف پر آیت متقدم دلالت کرتی ہے جس میں یہ ہے کہ جاھدوا فی اللہ حق جھادہٖ اسی کو اغرا کہتے ہیں۔ اور اسی کو منصوب انتصاب مصدر یہ۔ اور عامل اس میں مضمون ماقبل ہوتا ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو وصیت فرمایا کرتے تھے کہ صبح وشام یوں پڑھا کریں۔ اصبحنا علی فطرۃ الاسلام وکلمۃ الاخلاص ودین نبینا محمد وملۃ ابینا ابراھیم حنیفا مسلما وما کان من المشرکین ان الفاظ میں غور کرو کہ کیونکر اسلام کو فطرت فرمایا ہے جس کے لیے فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا آ چکا ہے۔ اور شہادت لآ الٰہ الا اللہ کو کلمۂ اخلاص۔ ملت کو حضرت ابراہیم ؑ کا بتلایا۔ کیونکہ صاحبِ ملت وہی ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی توحید اسی کی عبادت کرنا اور اسی کی محبت ساری محبتوں سے بڑھکر رکھنا اس ملت کے اجزاء ہیں۔ دین کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا بتلایا۔ جو دین کامل اور شریعت تام و جامع ہے۔

اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم ؑ کو امام۔ امّت۔ قانت۔ حنیف فرمایا ہے۔ انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عھدی الظلمین اس آیت میں حضرت خلیل علیہ السلام کو امام بھی بتلایا اور یہ بھی ظاہر کیا کہ آپ کی ذریت میں سے جو ظالم ہو گا اسے رتبۂ امامت نہ ملے گا ظالم اس جگہ بمعنے مشرک ہے فرمایا ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ حنیفا ولم یک من المشرکین شاکرا لانعمہ اجتباہ وھداہ الی صراط مستقیم امت کے معنے پیشوا۔ اور خیر کی تعلیم دہندہ ہیں قانت کے معنے مطیع رب۔ اور اسی کی عبادت پر لزوم کرنے والا ہیں۔ حنیف کے معنی اللہ کی جانب رجوع کرنے والا اور غیر سے پیٹھ پھیر لینے والا ہیں۔ جس شخص نے حنیف کے معنے مائل لکھے ہیں اس نے ٹھیک موضوع لفظ کے موافق ترجمہ نہیں کیا۔ بلکہ لازم معنے کے ساتھ تفسیر کی ہے کیونکہ حنیف کے معنے منہ کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ جو کوئی ایک طرف منہ کرے گا وہ دوسرے سے منہ پھیر لے گا۔

فاقم وجھک للدین حنیفا کی تفسیر

چنانچہ قرآن مجید میں ہے فاقم وجھک للدین اس میں حنیف مضمون فاقم کے لیے حال مفردہ ہے۔ اسی لیے اس جگہ اس کی تفسیر مخلصا کی گئی ہے۔ اور آیت صدق واخلاص پر متضمن ہے۔ کیونکہ دین کے لیے اقامتِ وجہ کے معنی اپنی طلب وخواہش کو مفرد کر لینے کے ہیں۔ اس طرح پر کہ دل میں غیر کا ارادہ نہ کرتا ہو۔ صدق کے معنے یہ ہیں۔ کہ طلب منقسم نہ ہو اور اخلاص کے

معنے یہ ہیں کہ مطلوب منقسم نہ ہو یعنی صدق تو توحید طلب کا نام ہے۔ اور اخلاص توحید مطلوب کا۔

المختصر حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے پدر سوم اور امام الحنفاء ہیں اور اہل کتاب نے آپ کا نام عمود عالم رکھا ہے۔ آپ کی تعظیم و تولیت و محبت پر جمیع اہل عالم متفق ہیں۔ حضرت خلیل ؑ کی اولاد میں سے بہترین نام بردار اور آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت خلیل ؑ کی نہایت تعظیم و اجلال تبجیل و احترام کیا کرتے تھے۔ صحیحین میں انس بن مالک رضؓ سے ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خیر البریہ آکر کہا۔ فرمایا یہ تو ابراہیم ؑ ہیں۔ ایک جگہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا شیخ فرمایا ہے۔ اور صحیح بخاری کی حدیث عن ابن عباس رضؓ کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ سر و پا برہنہ نامختون قبروں سے اٹھیں گے اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم ؑ کو لباس پہنایا جاوے گا۔

واضح ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم خلقت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مشابہ تر تھے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ میں نے ابراہیم ؑ کو دیکھا وہ خلقت (جسمانی بناوٹ) میں تمہارے صاحب (رسول مقبول) سے بہت مشابہ ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابراہیم ؑ کو دیکھنے کے لیے مجھے دیکھ لو۔ اور عادت مبارکہ یہ تھی۔ کہ جو تعویذ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسمٰعیل و اسحاق علیہما السلام کو دیا کرتے تھے۔ وہی تعویذ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حسنین رضی اللہ عنہما کو دیا کرتے تھے۔ بخاری میں سعید بن جبیر رح ابن عباس رضؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حسنین رضؓ کو تعویذ دیا کرتے اور فرماتے کہ تمہارے والد بھی اسمٰعیل ؑ و اسحاق ؑ کو ان ہی الفاظ سے تعویذ دیا کرتے تھے۔ (وہ لفظ یہ ہیں) اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان وھامۃ ومن کل عین لامۃ۔

اوّلیاتِ خلیل ؑ

حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے بزرگوار ہیں۔ جنہوں نے مہمان نوازی شروع کی۔ اور وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے ختنہ کیا۔ اور وہ پہلے بزرگ ہیں۔ جنہوں نے سفید بال پائے۔ چنانچہ دیکھ کر عرض کیا۔ الٰہی یہ کیا ہے فرمایا وقار۔ عرض کیا الٰہی میرے وقار کو زیادہ کر تم قرآن مجید کو دیکھو۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ان کی مہمان نوازی ملائکہ کے بارہ میں کیسی ثناء فرمائی ہے۔

مہمان نوازی خلیلؑ

فرمایا ھل اتٰک حدیث ضیف ابراھیم المکرمین۔ اذ دخلوا علیہ فقالوا سلاماً قال سلامٌ قومٌ منکرون فراغ الی اھلہ فجاء بعجل سمین ؕ اس کلام میں وجوہ متعددہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ثناء مقصود ہے۔

۱۔ مہمان کی صفت مکرمین فرمائی۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ ان کا اکرام حضرت ابراہیم صلعم نے کیا تھا۔

۲۔ وہ مہمان اللہ تعالیٰ کے ہاں صاحب اکرام تھے۔ اور یہ صفت باعث تعریف یوں ہے کہ حضرت خلیلؑ ایسے مکرم مہمانوں کے میزبان بنتے تھے۔ واضح رہے کہ ہر دو اقوال میں کچھ تنافی نہیں۔ اور آیت میں ہر دو معانی پر دلالت ہے۔

۳۔ اذ دخلوا علیہ اس میں یہ ذکر نہیں کہ انہوں نے اندر آنے کی اجازت بھی تو لی تھی۔ اس سے یہ نکلتا ہے کہ حضرت کی مہمان نوازی اور ضیف پروری کے تذکرے نہایت شہرت گرفتہ تھے۔ اور آپ کا گھر آزاد مہمان سرائے بنا ہوا تھا۔ جس میں داخل ہونے کے لیے اجازت نیرہ کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ اندر چلے آنا ہی اجازت میں داخل تھا۔ اس سے حضرت خلیل صلعم کا نہایت دریا دل نکلتا ہے۔

۴۔ فرشتوں نے سلام بالنصب کیا اور حضرت نے جواب بالرفع دیا۔ وہ جملہ فعلیہ پر دلالت کرتا ہے۔ جو حدوث و تجدد کا اظہار کرتا ہے۔ اور یہ جملہ اسمیہ پر دلالت کنندہ ہے۔ جو ثبوت و تجدد پر دال ہے۔ گویا انہوں نے سلمنا سلاماً کہا اور حضرت نے سلامٌ علیکم فرمایا۔ مطلب یہ ہوا۔ کہ فرشتوں کی تحیت کا جواب ان سے بہتر و برتر طریق پر دیا۔

۵۔ قوم منکرون سے پہلے مبتداء کو محذوف کر دیا۔ یعنی گو حضرت خلیلؑ نے ان کو شناخت نہ کیا تھا۔ تاہم ایسے الفاظ کے استعمال سے جس سے مہمان کو نفرت و وحشت پیدا ہو آپ نے اعراض کیا اور کلام کو لطیف بنانے کی غرض سے مبتدا حذف کر دیا۔

۶۔ بناء فعل مفعول پر رکھی اور فاعل کو حذف کر کے منکرون فرمایا اور انی انکرکم نہیں فرمایا۔ کیونکہ اس جگہ یہی مناسب تر تھا۔ اور نفرت یا خشونت کے بچاؤ کا یہی طریق ہے۔

۷۔ فراغ الی اھلہ فرمایا۔ لغت میں روغان ایسے دبک کر جانے کو کہتے ہیں جس کی خبر دوسرے

کو نہ ہو۔ یہ بھی گھر والے کی طرف سے مہمان کے لیے اکرام ہی ہے کہ اطلاع کے بغیر چپکے سے چلا جائے اور خبر جب ہی ہو کہ کھانا سامنے آجائے تاکہ مہمانوں کو ندامت اٹھانا نہ پڑے۔ برخلاف اس کے جو مہمان کو سنایا کرے کہ میں تمہارے لیے روٹی پانی کا فکر کرتا ہوں۔ آپ یہاں ٹھہریں وغیرہ وغیرہ۔ جس سے مہمان کو خفیف ہونا پڑتا ہے۔

۸۔ فجاء بعجل فرمایا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مہمانوں کے لیے کھانا گھر میں ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اور یہ ضرورت نہ تھی کہ مہمان آئے بیٹھے ہیں تو آپ ہمسایہ وغیرہ سے قرض و دوام یا خرید کا انتظام کر رہے ہیں۔ فجاء بعجل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مہمان کی خدمت آنحضرت بذاتِ خود کیا کرتے تھے اور مہمان کی خدمت گذاری خدام کے متعلق نہ رکھتے تھے یہ مطلب فذھب اور فجاء سے نکلتا ہے۔

۹۔ بعجل سمین سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے تمام گوشت کو لے آئے تھے اس میں سے کچھ حصہ کو نہیں۔ اس سے بھی حضرت کے کرم و جود کی کثرت و نہایت معلوم ہوتی ہے۔

۱۰۔ بعجل سمین مطلب یہ کہ وہ دبلا۔ بیمار وغیرہ بھی نہ تھا۔ بلکہ چاق و چوبند تھا۔ جیسے عام لوگ خوب نگہداشت سے رکھتے اور تربیت کیا کرتے ہیں۔ مگر حضرت خلیلؑ ایسے مال کو مہمانوں پر صرف کر دیا کرتے تھے۔

۱۱۔ فقربہ الیہم۔ یعنی کھانا خود ہی آگے لا کر رکھا۔ خادم وغیرہ کو نہیں فرمایا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ کھانا ان کے سامنے لایا گیا۔ اور ان کو طعام کے پاس جانا نہیں پڑا۔ یہ صورت بھی اکرام مہمان کی ہے کہ کھانا اس کے پاس لایا جائے نہ یہ کہ کھانا دوسری جگہ رکھ کر کہا جائے کہ چلو اٹھ کر کھانا وہاں کھا لو۔

۱۲۔ الا تاکلون جس کا ترجمہ یہ سمجھو کہ کیا آپ تناول نہیں فرمائیں گے۔ کیا شوق نہ کیجیے گا۔ یہ پیرایہ اس سے بہتر ہے کہ کھاؤ ہاتھ بڑھاؤ۔ کہا جائے۔ اس فقرہ کی لطافت خاص خاص لوگ خوب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایسے موقعہ پر یوں بھی کہا کرتے ہیں۔ آ بیٹھے بسم اللہ۔ ذرا مہربانی فرمائیے۔ نہیں تکلف کیوں کرتے ہو شوق کیجیے وغیرہ۔

۱۳۔ حضرت خلیلؑ نے کھانا آگے لا رکھا۔ اس لیے کہ آپ کے مہمان زیادہ اذن کے محتاج نہ ہوتے تھے۔ مگر جب انہوں نے نہ کھایا تب ان کو الا تاکلون فرمایا۔ مطلب یہ کہ کھاتے کیوں نہیں۔ اسی سے آپ کو خوف بھی ہوا۔ مگر اسے مخفی رکھا۔

۱۴۔ ان کے کھانا نہ کھانے سے جو خوف ہوا تھا اُسے خود ظاہر نہیں ہونے دیا۔ بلکہ فرشتوں نے خود ہی ان کی حالت کو سمجھ کر لا تخف کہا اور فرزند کی بشارت دی۔

غرض مذکورہ بالا آیات میں ضیافت کے تمام آداب جو بہترین آداب ہیں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اور ان کے ماسوا جو کچھ ہے وہ محض تکلف و تکلیف اور تخلف کا سامان ہے جو لوگوں نے بنایا ہے اور شرف و فخر کے لیے تو یہی آداب کافی ہیں۔ اللہ تعالے ہمارے نبی ؐ پر اور سیدنا ابراہیم ؑ پر اور دونوں کی آل پر اور سب انبیاء پر درود نازل فرمائے۔

اللہ تعالے نے خبر دی ہے کہ جو حکم ان کو ملا تھا وہ انہوں نے پورا کیا۔ چنانچہ فرمایا ہے

ام لم ینبا بما فی صحف موسی وابراھیم الذی وفیٰ ؕ

«کیا خبر نہیں ملی جو کچھ موسیٰ ؑ کے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم ؑ کے صحیفوں میں۔ جس نے پورا کر دیا»

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ جملہ شرائع اسلام کو پورا کیا اور تبلیغ رسالت کے بارہ میں جو حکم ہوتا رہا اسے پورا نبھایا۔ دوسرے مقام پر قرآن مجید میں ہے۔

واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما ط

یعنی اللہ تعالے نے حضرت خلیل ؑ کو آزمائش میں ڈالا اور انہوں نے ان کلمات کو پورا کر دیا۔ اور اللہ پاک نے ان کو خلائق کا امام مقرر فرمایا جن کی اقتدا کی جاتی ہے۔

....

کسی نے ان کی شان میں کیا خوب کہا ہے۔

جسم تھا نیران کا اور مال تھا ضیفان کا قلب رحمان کے لیے فرزند قربان کیلئے

خُلّت اور قربانیٔ فرزند

پھر اللہ تعالے نے ان کو خلیل بنایا۔ خُلّت کمالِ محبت کا نام ہے اور اس رتبہ میں دوسرے کی مشارکت و مزاحمت نہیں رہتی۔ حضرت ابراہیم ؑ نے فرزند صالح کی دعا بھی کر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام ان کو دیئے۔ بیٹے نے دلی توجہ کا تھوڑا سا حصّہ اپنی طرف کر لیا۔ اس لیے خلیل (اللہ تعالےٰ) کو خلیل (ابراہیم علیہ السلام) کے دل پر غیرت آئی کہ اس میں دوسرے کے لیے کیوں جگہ ہو۔ پس حکمِ ذبح دے کر ان کا امتحان لیا گیا۔ تاکہ سب لوگوں پر خُلّت کا راز محبتِ خلیل

کو محبت فرزند سے مقدم کر دینے سے کھل جائے۔ چنانچہ جب انہوں نے حکم خداوندی کے لیے گردن جھکا دی اور اپنے فعل کا عزم کر لیا۔ اور خلت کے جذبہ و جوش نے ظاہر ہو کر محبت خلیل پر فرزند قربان کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ تب اللہ تعالےٰ نے اس حالت کو کھول دیا۔ اور ایک قربانی کو ان کا فدیہ بنا دیا۔ کیونکہ حکم ذبح میں صرف یہی مصلحت تھی۔ کہ عزم پختہ ہو جائے۔ اور حکم پر نفس قائم ہو جائے۔ جب یہ مصلحت حاصل ہو گئی تو ذبح کی ضرورت نہ رہی۔ البتہ ہدایا و ضحایا کا قیامت تک کئے جانا ان کی اتباع میں سنت ہو گیا۔

مناظرہ

حضرت ابراہیم علیہ و علی نبینا الصلوٰۃ والسلام ہی وہ بزرگوار ہیں جنہوں نے مشرکین و اہل باطل کے ساتھ دروازہ مناظرہ کو کھولا۔ اور ان کے دلائل کو توڑا۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت کے اس مناظرہ کا بھی ذکر کیا ہے جو سرگروہ معطلین کے ساتھ آپ کا ہوا۔ اور اس مناظرہ کا بھی جو مشرکین کے ساتھ ہوا۔ دونوں گروہ کے دلائل کو جس طرح شکست دی ہے۔ وہ طریق نہایت عمدہ ہے جس سے فہم بڑھتا اور علم حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

وتلک حجتنا اتینٰھا ابراھیم علیٰ قومہ۔ نرفع درجٰت من نشاء۔ یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابلہ میں دی۔ ہم جس کا چاہتے ہیں درجہ بلند کرتے ہیں۔

زید بن اسلم وغیرہ کہتے ہیں کہ اس جگہ درجات کا بلند ہونا حجت اور علم کے ساتھ مراد ہے۔

اعدا کی مخالفت

واضح ہو کہ جب اعدائے دین دلیل میں ان سے ہار گئے۔ اور حضرت خلیلؑ نے دلیل میں ان کو ذلیل کر دیا۔ نیز ان کے بتوں کو بھی توڑ دیا۔ تو سب نے آنحضرتؑ کی ایذا دہی اور آگ میں گرانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ بیشک باطل پرستوں کا یہی وتیرہ رہا ہے۔ کہ جب دلیل کے سامنے ذلیل ہو جاتے ہیں تو ایذا رسانی کی فکر میں لگ جایا کرتے ہیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دلائل سے خجل ہو کر کہا تھا کہ اگر تو میرے سوا کسی دوسرے کو معبود سمجھے گا۔ تو میں تجھے قید کر دوں گا۔

الغرض آگ بھڑکائی گئی۔ اور منجنیق میں رکھ کر آنحضرت کو آگ میں ڈالا گیا۔ سبحان اللہ یہ سفر بھی کیسا عظیم تھا۔ جس کو ایسی استقامت وثبات کے ساتھ سیدنا خلیل ؑ نے کیا تھا۔ جو حضرت کی عظمت اور رفعت شان کے ظاہر ہونے کا موجب اور آنکھوں کے لیے ٹھنڈک کا سبب تھا۔ اس مسافرت میں جبرئیل ؑ امین آسمان وزمین کے اندر ظاہر ہوئے۔ اور کہا اے ابراہیم ؑ آپ کو کچھ حاجت ہے تو فرمائیے۔ فرمایا تجھ سے تو کوئی حاجت نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے

قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل ط

لوگ تمہارے خلاف جمع ہیں تم کو ڈرنا چاہیئے اس سے ان کا ایمان بڑھ گیا اور انہوں نے کہا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے۔ اور وہ بہترین کارساز ہے۔

کی تفسیر میں کہا ہے کہ تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی یہی پڑھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی۔ جب ان کو آگ میں ڈالا گیا یہی پڑھا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے آگ کو حضرت پر ٹھنڈک اور سلامتی بنا دیا۔ صحیح بخاری میں ام شریک کی روایت سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ گرگٹ کو مار ڈالنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ حضرت ابراہیم ؑ کے لیے آگ میں پھونک مار کر اسے بھڑکاتا تھا۔

بناء بیت اللہ

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہی وہ بزرگوار ہیں۔ جنہوں نے بیت اللہ بنایا اور لوگوں کو حج کے لیے پکارا۔ اب جتنے حج یا عمرہ کرنے والے ہیں۔ اتنا ہی حضرت ابراہیم ؑ کو اللہ تعالےٰ کی جانب سے ثواب واکرام مزید ملتا رہے گا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے واتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ ! اس میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور امت محمدیہ کو حکم دیا گیا ہے کہ مقام ابراہیم ؑ کو مصلےٰ قرار دیا جائے۔ تاکہ حضرت خلیل ؑ کی اقتدا متحقق ہو جائے۔ اور آثار تر وتازہ رہیں۔ اللہ اکبر اس امام اعظم اور نبی اکرم کے مناقب اس قدر ہیں کہ اس کتاب میں نہیں آسکتے۔ انشاء اللہ تعالےٰ اگر عمر نے یاری دی تو میں اس مضمون پر ایک جداگانہ کتاب لکھوں گا۔ جو ان کے بحر فضائل میں سے ایک قطرہ یا اس سے بھی کم کی نسبت رکھتی ہوگی۔ اللہ تعالےٰ اپنے منّ وکرم سے ہم کو اس مقدس بزرگوار کی ملت پر چلنے والوں میں سے بنائے اور ان لوگوں میں سے نہ بنائے جنہوں نے اس ملت بیضاء کو چھوڑ دیا ہے۔

واضح ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت خلیل علیہ السلام سے ایک حدیث روائیت کی ہے۔ جو متصل روائیت کے ساتھ ہمارے تک پہنچی ہے۔ ترمذی میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے۔ کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں شب معراج کو حضرت ابراہیمؑ سے ملا۔ انہوں نے کہا اے محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ اپنی امت کو میرا سلام کہہ دیجئے۔ اور ان کو بتلا دیجئے کہ جنت پاک زمین شیریں پانی والی ہے۔ وہ صاف زمین ہے۔ اور اس کے پودے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں۔ ترمذی رح نے اس روائیت کو حسن کہا ہے۔

چھٹی فصل

ایک مشہور مسئلہ کے بیان میں!

صلوٰۃ نبویؐ کو حضرت ابراہیمؑ کی صلوٰۃ سے وجہ تشبیہہ

وہ مسئلہ یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم تو حضرت ابراہیمؑ سے افضل ہیں۔ پھر آنحضرتؐ کے لیے جو صلوٰۃ طلب کی جاتی ہے وہ حضرت ابراہیمؑ جیسی کیونکر ہے۔ حالانکہ مشبہ بہ کی اصلیت یہ ہے کہ وہ مشبہ سے برتر ہوتا ہے۔

"گویا دو متضاد امر ہو گئے۔ ان میں جمع کیونکر ہو سکتی ہے"

ہم اس بارہ میں لوگوں کے اقوال بھی لکھیں گے اور ان کا صحیح و فاسد ہونا بھی ظاہر کر دیں گے۔

۱۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ یہ درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس وقت سکھلایا تھا کہ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتلایا نہیں گیا تھا۔ کہ

"آپ فرزندانِ آدم کے سردار ہیں"

اس قول کا قائل اگر خاموش ہی رہتا تو اس کے لیے بہتر و اولیٰ تھا۔ کیونکہ یہ درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آنحضرت ؐ سے ان اللہ وملئکتہ یصلون ط الآیۃ کی تفسیر دریافت کی گئی۔ تب سکھلایا ہے۔ اور تا قیامت اپنی امت کی نمازوں کے واسطے مشروع فرمایا ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم تو ہمیشہ سے فرزندانِ آدم ؑ سے افضل تھے۔ تبلائیے جانے سے پہلے بھی اور بعد بھی۔ پھر یہ کہ افضلیّت معلوم ہو جانے کے بعد بھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں تغیر و تبدل نہیں فرمایا۔ اور کسی نے موجودہ الفاظِ درود کے خلاف روائیت نہیں کی۔ بوجوہ بالا معلوم ہوا۔ کہ یہ تو بہت ہی غلط جواب ہے۔

۲۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ سوال وطلب اس لیے مشروع ہوا کہ اللہ تعالےٰ آنحضرت ؐ کو بھی خلیل بنالے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم ؑ کو خلیل بنایا تھا۔

اس کا جواب حدیث صحیح سے دیا گیا ہے۔ جس میں وان صاحبکم خلیل الرحمٰن ہے۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خلیل الرحمٰن ہیں۔ مطلب یہ کہ اس حصول منصب کے بعد الفاظ کو پلٹ دینا چاہیئے تھا۔ اس لیے پہلے جواب کی طرح یہ بھی غلط ہے

۳۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ تشبیہہ درود پڑھنے والے کی طرف راجع ہوتی ہے جو کچھ درود پڑھنے سے اُسے ثواب حاصل ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ خداوند کریم سے یہ التجا کرتا ہے کہ اس کے ثواب میں اللہ تعالےٰ مجھ پر ایسی رحمتیں نازل کرے۔ جیسی آلِ ابراہیم ؑ پر کی تھیں۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے جو صلوٰۃ مطلوب ہے۔ وہ ایسی اجل واعظم ہے جو اہل عالم میں سے کسی کو حاصل نہیں۔

یہ جواب بھی پہلے جوابوں کا سا ہے۔ بلکہ غلطی میں ان سے بڑھا ہوا۔ کیونکہ تشبیہہ مصلی (درود خواں) کے لیے نہیں بلکہ مُصلّیٰ علیہ (نبی صلے اللہ علیہ وسلم) کے لیے ہے۔ اب جو شخص اس کے یہ معنی سمجھتا ہے کہ الٰہی میری درود خوانی کا ثواب مجھے وہ دے۔ جو آلِ ابراہیم ؑ کو دیا ہے۔ بیشک وہ تحریف کرتا ہے اور کلام کو باطل بناتا ہے۔

ہر سہ مندرجہ بالا جواب تو ایسے ہیں۔ کہ اگر ان کا ذکر بعض شُرّاح نے نہ کیا ہوتا اور نقلِ اقوالِ بالا میں ورق سیاہ نہ کئے ہوتے۔ اور اس کا نام تحقیق رکھ کر لوگوں کو وہم میں نہ ڈالا ہوتا۔ تب ان کا ذکر نہ کرنا ہی اولےٰ تھا۔ کیونکہ ذی علم کو ایسا لکھنے اور رد کرنے میں بھی حیا آتی ہے۔

۴۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ تشبیہ فقط آل پر عائد ہے۔ ان کے نزدیک اللھم صل علی محمد تو ایک جداگانہ فقرہ ہے اور وعلی آل محمد کما صلیت علی آل ابراھیم جدا فقرہ اس کو عمرانی نے شافعی رح سے روایت کیا ہے مگر یہ قول ان سے غلط روایت کی گئی ہے امام شافعی رح کی شان اس سے ارفع و اعلےٰ ہے کہ ایسا قول کہیں۔ ان کی فصاحت و بلاغت اور ان کا علم ہی کہے دیتا ہے کہ یہ قول ان کا نہیں۔ یہ تو بہت ہی رکیک وضعیف ہے۔ کیونکہ اول تو بہت حدیثوں میں یہ الفاظ ہیں اللھم صل علی محمد کما صلیت علی آل ابراھیم تو پھر توجیہ بالا کے کیا معنی ہوں گے۔ (دیکھو باب اول) دوم عربیت کے لحاظ سے بھی یہ صحیح نہیں کیونکہ جب عامل کا معمول ذکر کر دیا جائے اور دوسرے کو اس کا معطوف بنایا جائے اور ظرف یا جار مجرور یا مصدر یا صفت مصدر کی قید بھی ہو تو اس جگہ عامل معمول اور معطوف دونوں پر راجع ہوگا۔ یہ ایسا قاعدہ ہے کہ عربیت اس کے خلاف دوسری بات کو مان نہیں سکتی۔ جب تم یہ کہو گے جاءنی زید و عمرو یوم الجمعۃ تو جمعہ کا دن دونوں کے آنے کا ظرف ہوگا۔ تنہا عمرو کا نہیں۔ یا جب تم کہو گے ضربت زیدا و عمرا ضربا تو ضرب کا اثر دونوں پر سمجھا جاوے گا۔ یا کہو ضربت زیدا و عمرا امام الامیر تو امیر کے سامنے دونوں کا پٹنا نکلے گا۔ علی ہذا اور بہت مثالیں ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ قاعدہ تو جب ہے کہ عامل کا اعادہ نہ ہو۔ لیکن جب عامل کا اعادہ ہو۔ تب ایسا کرنا بہتر ہوگا۔ مثلاً کوئی کہے سلم علی زید وعلی عمرو اذا لقیتہ تو یہاں کوئی امتناع نہیں ہے۔ اگر اذا لقیتہ کو عمرو کے ساتھ مختص کیا جاوے۔ چونکہ یہ بھی وعلی آل محمد کہہ کر عامل کو مکرر لایا گیا ہے اس لیے معنے بالا درست ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ مثال بالا تو مسئلہ صلوۃ کے مطابق نہیں۔ یہ مطابقت تو اس وقت ہوتی جب تم سلام علی زید و علی عمرو کما تسلم علی المؤمنین کہو۔ اور پھر یہ دعویٰ کرو۔ کہ تشبیہ صرف عمرو پر سلام کرنے میں ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ایسا ادعا محض باطل ہے۔

۵۔ ایک گروہ کہتا ہے یہ ضروری نہیں کہ مشبہ بہ مشبہ سے اعلیٰ ہی ہو۔ بلکہ جائز ہے کہ دونوں متماثل ہوں یا مشبہ ہی مشبہ بہ سے اعلیٰ ہو۔ ان کا یہ بھی قول ہے کہ گو نبی صلے اللہ علیہ وسلم درود میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متماثل (یکساں و برابر) ہیں۔ مگر آنحضرت کا

کی افضلیت دیگر وجوہ سے ثابت ہے۔

مشبہ بہ سے مشبہ کے افضل ہونے کی دلیل یہ شعر ہے۔

بنونا بنو ابنائنا وبناتنا ٭ بنوھن ابناء الرجال الاباعد

واضح ہو کہ یہ قول بھی بچند وجوہ ضعیف ہے:۔

ا۔ مشبہ بہ سے مشبہ کا افضل ہونا خلافِ معلوم اور قاعدۂ تشبیہ کے مخالف ہے۔ کیونکہ عرب کسی شئے کو دوسری سے تشبیہ تب ہی دیتے ہیں جب وہ اس سے برتر ہو۔ شعر بالا جس سے اس دعوے پر دلیل پکڑی گئی ہے۔ اس پر کچھ دلالت نہیں کرتا۔ اس کی نسبت اہل معانی کے ایک گروہ کا قول ہے کہ یا تو اس شعر میں مبتدا مؤخر اور خبر مقدم اور بنی ابناء کو ابناء سے تشبیہ دی ہے۔ اور خبر کو اس لیے مقدم کیا کہ معنی ظاہر ہوتے رہیں اور التباس واقع نہ ہو۔ سو اس صورت میں تو تشبیہ اپنی اصلیت پر ہے۔ اور یا اس جگہ عکس تشبیہ کا قاعدہ جاری کیا ہے جیسا کہ قمر کو حسن میں روئے روشن کے ساتھ۔

عکس تشبیہ کا قاعدہ

یا شیر کو مردِ دلیر کے ساتھ یا دریا کو کامل سخی کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ اس تشبیہ میں حسین و دلیر و سخی کو مشبہ بہ کا درجہ دیا گیا ہے اور عکس تشبیہ میں ایسا جائز ہوتا ہے۔ پس اس شعر میں شاعر نے بنی ابناء کو ابناء کا (جو بہر حال بنی ابناء سے برتر ہوتے ہیں) درجہ دیا ہے اور پھر ابناء کو ان سے تشبیہ دی ہے۔ یہ قول تو اہل معانی میں سے ایک گروہ کا ہے۔ مگر میرے نزدیک تو شاعر کا یہ ارادہ ہی پایا نہیں جاتا۔ اس نے تو پوتا اور نواسہ میں تفریق دکھلانے کا ارادہ کیا ہے اور جتلایا ہے کہ نواسے ہمارے بیٹے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ اپنے آباء کے تحت میں ہوتے ہیں ہاں پوتے ضرور ہمارے بیٹے ہیں کیونکہ ہمارے بیٹوں کے تحت میں ہیں۔ پس شعر بالا میں نہ بنی ابناء کو ابناء سے تشبیہ دی گئی نہ بالعکس۔

ب۔ صلوٰۃ میں دوسرے شخص کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے متساوی ہونا یوں درست نہیں کہ اللہ تعالےٰ کی صلوٰۃ نام ہے اجل واعلےٰ مراتب کا۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق ہیں۔ اس لیے ضرور ہے کہ جو صلوٰۃ آنحضرت صلعم کو حاصل ہو۔ وہ دیگر مخلوق سے افضل و برتر ہو۔ پس کوئی شخص اس بارہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید

کو دیکھو کہ اللہ تعالے نے یہ خبر دینے کے بعد کہ اللہ تعالے اور اس کے فرشتے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ بھیجتے ہیں۔ پھر صلوۃ وسلام بھیجنے کا حکم دیا ہے اور تسلیم کے ساتھ اس کو مؤکد فرمایا۔ یہ خبر اور یہ امر کسی مخلوق کے لیے قرآن مجید میں سوا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ثابت نہیں۔ پھر خیال کرو۔ کہ اللہ تعالے نے یوں فرمایا ہے کہ خدا اور اس کے فرشتے خلقت کو نیکی کی تعلیم دینے والے (نبی کا ترجمہ معلم خیر کیا ہے) پر صلوۃ بھیجتے ہیں۔ کیونکہ نبیؐ کی تعلیم سے لوگ دنیا و آخرت کی برائی سے بچ کر فلاح وسعادت دارین کو پہنچ گئے۔ اور ان مومنین کے زمرہ میں جن پر خدا اور فرشتوں کی رحمتیں اترتی ہیں داخل ہو گئے۔ پس جب نبیؐ سے تعلیم یافتہ اس درجہ کے ہیں کہ خدا اور فرشتوں کی رحمت ان پر ہو تو ان کے معلم خیر یعنی خود نبیؐ پر خدا کی اور فرشتوں کی صلوۃ کا ہونا کس قدر ضروری ٹھہرا۔

اب تم خیال کرو کہ جتنے معلم خیر (انبیاء) گزرے ہیں ان میں سے کوئی بھی تعلیم کی فضیلت اور کثرت میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نہیں۔ نہ امت کو عمدہ نصیحت کرنے میں اور نہ تعلیم دینے کے مصائب پر زیادہ صبر کرنے میں۔ اسی لیے امت محمدیہؐ تعلیم کے اس درجہ تک پہنچ گئی جہاں تک اور امتیں نہیں پہنچیں اور اس امت کو وہ وہ علوم نافعہ واعمال صالحہ ملے ہیں جن کی وجہ سے یہ خیر امت کہلائی۔ اور لوگوں کی ہدائیت فرمائی کی ذمہ دار ٹھہری۔

اندریں صورت تم خود ہی خیال کرو۔ کہ اس معلم خیر (رسولؐ) کی صلوۃ کیونکر اس بزرگوار کی صلوۃ کے برابر ہو سکتی ہے جو تعلیم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مماثل نہیں۔

۶۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ یوں تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو صلوۃ خاصہ میں سے ایک ایسا حصہ حاصل ہے کہ کوئی اس حصہ میں حضورؐ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس جگہ جس صلوۃ کا سوال ہے یہ اس صلوۃ خاصہ سے زاید ہے جو پہلے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا شدہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ تشبیہ بھی اسی حصہ زاید میں ہے۔ اور اس میں کوئی انکار کی بات نہیں ہے کہ فاضل کے لیے بھی مفضول کی ایک فضیلت کا سوال کیا جائے۔ جس سے فاضل کی خصوصیات فضل پر اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے۔ کہ بادشاہ ایک شخص کو بہت سا روپیہ دے اور دوسرے کو اس سے کم۔ جسے بہت روپیہ دیا۔ گیا وہ پہلے سے غریب تھا اور دوسرا امیر۔ اس پر یہ درخواست کی جائے۔ کہ دونوں کو برابر کا عطیہ عطا ہو تو دیکھو کہ جو پہلے سے امیر تھا وہ بہرحال دوسرے سے (باوجود اس

عطیہ میں برابر ہونے کے بھی) بڑھ کر رہے گا۔"

لیکن یہ جواب بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے پہلے تو خبر دی ہے کہ اللہ تعالےٰ اور فرشتے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ پھر ہم کو صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا۔ تو کچھ شک نہیں کہ صلوٰۃ وہی طلب کی گئی ہے۔ جس کی خبر دی گئی ہے۔ نہ اس سے کم درجہ کی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ پاک اور ملائکہ نورانی کی صلوٰۃ اکمل وارجح ہے مرجوح و مفضول نہیں لیکن بقول اس گروہ کے صلوٰۃ مرجوح طلب کی جاتی ہے نہ راجح۔ اور وہ راجح تب بنتی ہے جب صلوٰۃِ نعامتہ سے (جو ہم سے طلب نہیں کی گئی) جا کر ملتی ہے۔ بدیں صورت اس قول کے غلط ہونے میں کچھ شبہ نہیں رہا۔ کیونکہ پروردگار سے امت کا سوال ہمیشہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے افضل و اکمل صلوٰۃ کا ہوتا ہے۔

۷۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ تشبیہ صرف اصل صلوٰۃ میں ہے نہ اس کی مقدار و کیفیت میں۔ اور سوال کا مدعا ماہیت کی جانب راجع ہے۔ نہ مقدارِ موہوب کی طرف۔ اس کی مثال یہ ہو۔ کہ تم کسی کو یہ کہو کہ اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرو۔ جیسا فلاں شخص کے ساتھ کیا ہے تو اس سے مقدارِ احسان مراد نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف احسان کرنا مراد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

احسن کما احسن اللہ الیک ط — نیکی کر جیسے اللہ نے تجھ سے نیکی کی ہے۔

دیکھو یہ کس کی طاقت ہے کہ اللہ کے احسانات کے برابر خود احسان کر سکے۔ تو معلوم ہوا کہ مقدار مراد نہیں اصل احسان مراد ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبین من بعدہ ط — ہم نے تیرے پاس وحی بھیجی۔ جیسے نوحؑ کے پاس اور ان کے مابعد نبیوں کے پاس بھیجی تھی۔

یہاں بھی اصل وحی میں تشبیہ ہے نہ مقدارِ وحی میں۔ اور نہ جن پر وحی اتری ان کی فضیلت میں۔

قرآن مجید میں ہے۔

فلیاتنا باٰیۃ کما ارسل الاولون ط — لائے ہمارے پاس نشانی جیسے پہلوں کو نشانی دے کر بھیجا گیا تھا۔

اس میں بھی جنسِ معجزہ مراد ہے۔ نہ نظیرِ معجزہ۔ فرمایا۔

لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف — اللہ ان کو خلیفہ بنائے گا ملکوں میں جیسا خلیفہ بنایا
الذین من قبلھم ط — ان سے پہلوں کو۔

سب جانتے ہیں کہ دونوں میں کیفیتِ استخلاف مختلف تھی۔ اور اس امت کے لیے اور ان کی نسبت زیادہ تکمیل کے ساتھ تھی فرمایا۔

کتب علیکم الصیام کما کتب علی — فرض کئے گئے تم پر روزے جیسے تم سے پہلوں
الذین من قبلکم ط — پر فرض تھے۔

یہاں بھی تشبیہ اصل صوم میں ہے۔ نہ عین و قدر و کیفیت میں۔ فرمایا۔

کما بدأکم تعودون ط — جس طرح تم کو پیدا کیا اسی طرح لوٹا دے گا۔

حالانکہ نشأۃ اولیٰ میں جو مبدا ہے اور نشأۃ ثانیہ میں جو معاد ہے جس قدر تفاوت ہے وہ ظاہر ہے۔ فرمایا۔

انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا — ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا۔ جو تم پر گواہ ہے
علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا ط — جیسا کہ فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔

ظاہر ہے کہ تشبیہ صرف ارسال میں ہے نہ کہ ہر دو رسول کی مماثلت میں۔ حدیث شریف میں ہے۔

لو انکم تتوکلون علی اللہ حق — اگر تم خدا پر توکل کرو جو توکل کا حق ہے تو تم کو رزق
توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدوا — دے جیسا کہ پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ صبح کو بھوکے
خماصا وتروح بطانا ط — اٹھتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو جاتے ہیں۔

یہاں بھی تشبیہ صرف اصل رزق میں ہے نہ کہ مقدار و کیفیت میں۔ غرض اور بھی اس کی نظائر بہت ہیں۔

واضح ہو کہ یہ جواب بھی ضعیف ہے۔ بچند وجوہ۔

ا۔ جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا استعمال اعلیٰ اور ادنیٰ مساوی میں جائز ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ کنبہ والوں سے بھی تم ایسا ہی سلوک کرو۔ جیسا اپنے گھوڑے سے یا غلام سے کیا کرتے ہو تو یہ جائز ہے۔ پس یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر تشبیہ صرف اصل صلوٰۃ میں ہے تو یہ کہنا بھی جائز ہوگا۔ کہ صل علی محمد کما صلیت علی آل ابی اوفیٰ یا کما صلیت علی احاد المؤمنین اور کما صلیت علی آدم و نوح وغیرھم کیونکہ تشبیہ اصل صلوٰۃ میں تھی۔ اور مقدار و صفت میں بالکل

نہ تھی۔ اس لیے ایسا شخص جس پر اللہ تعالےٰ کی صلوٰۃ ہوئی ہو۔ خواہ وہ کوئی ہواسی کا نام ہو سکتا ہے۔ لہٰذا حضرت ابراہیمؑ یا آل ابراہیمؑ کے ذکر کی کوئی مزیت یا فوقیت نہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اس ذکر سے بھی کچھ فائدہ نہیں۔ اگر فقط اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کہہ دیا جاتا تب بھی کافی تھا۔

ب۔ جو نظائر بیان کی ہیں۔ وہ صلوٰۃ برنبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے صحیح نظیر نہیں۔ کیونکہ یہ سب نظائر دو قسم پر ہیں۔ خبر و طلب۔ جو ان میں سے بطور خبر ہے اس کی تشبیہہ سے مقصود استدلال اور سمجھانے کی سہولت اور خبر کا بیان کر دینا ہے۔ جس سے کوئی عاقل انکار نہ کر سکے۔ جیسا کہ مشبہ بہ کا انکار نہیں کر سکتا۔ دیکھو جب اعتراف بداۃ (بار اول پیدائش کا اقرار) موجود ہے تو کہا گیا کہ اعادہ کا انکار کیونکر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ یہ اس کی نظیر ہے۔ اور نظیر کا حکم نظیر کے موافق ہے۔

انا ارسلنا الیکم رسولًا الآیۃ کے معنے یہ ہیں کہ انکار رسالت کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ پہلے بھی اللہ کے رسولؐ بشارت دہندہ و انذار کنندہ آچکے ہیں۔ اور پھر جنہوں نے انکار کیا ان کی بدترین حالت اتنذوہ عذاب کو بھی تم جان چکے ہو۔ انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین الآیۃ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی دنیا کے لیے پہلے رسول نہیں۔ بلکہ صاحبان وحی پہلے بھی گذر چکے ہیں۔ قل ما کنت بدعا من الرسل بھی منکر رسالت محمدیہ کے رد میں ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی ویسے ہی آیات و معجزات بلکہ ان سے اعظم در تر لے کر آئے ہیں جو پہلے رسولوں کے پاس تھے۔ اور رسول کا آنا تمہارے نزدیک بھی کوئی انوکھی بات نہیں۔ تب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی دیگر انبیاء کی طرح رسول ہیں۔ لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف میں بھی اللہ تعالےٰ نے اپنی عادت سے جو مخلوق کے بارہ میں ہے اور حکمت سے جس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ خبر دی ہے کہ جو ایمان لایا اور عمل صالح کئے اُسے زمین میں تمکنت دی جاتی اور اس کے لیے خلف چھوڑا جاتا ہے۔ اُسے ہلاک نہیں کیا جاتا۔ اور اس کے سلسلہ کو قطع نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ مکذبین رسول ہلاک اور ان کے سلسلہ قطع کر دیئے جاتے ہیں۔ غرض اس میں اللہ تعالےٰ نے اپنی حکمت کی خبر دی ہے اور مومنین و مصدقین کے ساتھ جو معاملہ ہوتا رہا ہے وہ بتلایا ہے کہ متبعین محمدی کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جاوے گا۔ وانکم تتلون علی اللہ الخ کے معنی بھی یہی ہیں۔

کہ اللہ تعالےٰ متوکلین کو رزق دیتا ہے جہاں سے وہ نہیں جانتے۔ اور وہ رزق سے کبھی خالی نہیں رہتے۔ جیسا کہ تم طیور کو دیکھتے ہو۔ کہ صبح گھونسلہ سے بھوکے نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو رزق دیتا ہے اور وہ شام کو سیر ہو کر آشیانہ کو آتے ہیں۔ چونکہ تم (انسان) جملہ حیوانات سے اللہ تعالےٰ کے ہاں باکرام ہو۔ پس اگر تم بھی توکل کرنے لگو۔ تو ضرور ایسی جگہ سے رزق دیئے جاؤ گے جہاں سے تم نہیں جانتے۔ اور کوئی شخص تمہارے رزق کو روک نہ سکے یہ سب نظائر تو اخبار یہ کے قبیل سے ہیں۔ رہی قسم طلب و امر۔ اس سے مقصود علت پر آگاہ کر دینا اور جزا کا جنس عمل سے ہونا بتلا دینا ہوتا ہے۔ مثلاً جب یہ کہیں گے علم کما علمک اللہ۔ یا احسن کما احسن اللہ الیک ؛ تو اس میں مامور کو اس نعمت کے شکریہ پر جو خدا نے اسے ارزانی فرمائی آگاہ کر دینا ہوتا ہے۔ اور یہ تبلا دینا کہ اس نعمت کی جزا اسی کی جنس سے ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ وجوہ بالا میں سے کسی وجہ سے بھی اللہ تعالےٰ کی طرف خطاب نہیں ہو سکتا۔ اور اس ذات پاک پر کوئی وجہ بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ چونکہ صل علی محمد کما صلیت واقع ہوا ہے۔ اس لیے ذکر تشبیہ لغو ہوا جاتا ہے۔ جس کا کچھ فائدہ نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ الفاظِ درود کو ایسا سمجھنا جائز ہے۔

ج۔ کما صلیت علی ال ابراھیم مصدر محذوف کی صفت ہے۔ تقدیرِ عبادت یوں ہے۔ صلواۃ مثل صلوتک علی آل ابراھیم ط اور اس کلام کی حقیقت یہ ہے کہ مشبہ کی صلوۃ مشبہ بہ کی صلوۃ سے مماثل ہو۔ اس لیے حقیقتِ کلام سے عدول کرنا مناسب نہیں۔

۸۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ یہ تشبیہ درود خوانوں کی ایک ایک صلوٰۃ کے ساتھ حاصل ہے۔ گویا ہر ایک درود خواں جس نے ان الفاظ کے ساتھ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا۔ اس نے اللہ تعالےٰ سے یہ چاہا ہے کہ اپنے رسولؐ پر اس قدر صلوۃ بھیجے۔ جس قدر آلِ ابراہیمؑ کو حاصل ہے۔ جب ہر ایک درود خواں آلِ ابراہیمؑ کی صلوۃ کے برابر کا سوال کر چکا۔ تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چندر در چند لاتعد و لاتحصی درود حاصل ہو جائیں گے۔ جن کے برابر کسی کو نصیب نہیں۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ بادشاہ نے ایک کو ہزار روپیہ دیا۔ پھر رعیت کے تمام اشخاص نے مل کر ایک دوسرے شخص کو ہزار روپیہ دیئے جانے کی جداگانہ درخواستیں کیں جب ہر ایک کی درخواست پر ہزار ہزار روپیہ اس دوسرے کو ملنے لگا۔ تو ظاہر ہے کہ اس کے

پاس اتنے ہزار روپیہ ہی ہو جاویں گے۔ جس قدر سائلوں کی تعداد ہے۔

اس تقریر کے بعد انہوں نے خود یہ اعتراض وارد کیا کہ یہ تشبیہ تو صلوٰۃ مطلوبہ کی اصل اور افراد میں سے ہر فرد پر واقع ہوتی ہے۔ اس لیے اشکال ویسا ہی رہا۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ جو عطیہ فاضل کو ملے وہ مفضول کے عطیہ سے افضل ہونا چاہیئے۔ اور جب اس کے استحقاق سے کم ہے۔ تو اس کے منصب کے لائق نہیں۔ پھر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اشکال تب وارد ہوتا ہے جب حکم تکرار نہ ہو۔ مطلوب امت تو یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ سے صلوٰۃ کے بعد صلوٰۃ کا سوال کیا جائے۔ جس میں سے ہر ایک صلوٰۃ اس صلوٰۃ کے برابر ہو۔ جو حضرت ابراہیمؑ کو حاصل ہے۔ اس صورت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ حضرت ابراہیمؑ کی صلوٰۃ کے مقابلہ میں بے شمار رہیں گی۔"

لیکن یہ قول بھی ضعیف ہے کیونکہ یہاں تشبیہ اس درود میں ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ہے نہ اس درود میں جو درود خواں پڑھتا ہے۔ الفاظ درود کے معنے تو یہ ہیں۔ کہ الہٰی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وہی کچھ عطا فرما جو تو نے ابراہیمؑ کو عطا کیا ہے۔ گویا صلوٰۃ ابراہیمؑ کے مساوی صلوٰۃ کا سوال ہے۔ اب یہ سوال جس قدر مکرر ہوتا جائے گا۔ اسی قدر اس کے معنے یہ ہوں گے کہ اس نے اللہ تعالےٰ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسی صلوٰۃ کا سوال کیا۔ جو حضورؐ کے استحقاق سے کم ہے۔ اندریں صورت یہ سوال اور اس کا تکرار تو جانب اشکال کو ہی قوی کرتے ہیں۔ پھر یہ کہ تشبیہ اصل صلوٰۃ اور اس کے ہر فرد میں واقع ہے اور یہاں تکرار سے اس کا کوئی جواب قائل نہیں دے سکا۔ کیونکہ محض تکرار مشبہ بہ کو مشبہ سے قوی نہیں بنا سکتا۔ اور مقتضائے تشبیہ کو نہیں پلٹ سکتا۔ ہاں اگر تکرار ایسا کر سکے، تب یہ جواب نافع ہو سکتا ہے۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ تکرار سے مشبہ کے قوت و فضل میں زیادتی ہو جاتی ہے تو پھر مشبہ بہ اس سے کیونکر کم ہو سکتا ہے؟ نیز کم درجہ کے مشبہ بہ سے کیونکر تشبیہ درست ہو سکتی ہے؟ اس لیے جواب بالا میں جو ضعف تھا وہ ظاہر ہے۔

۹ - ایک گروہ کا قول ہے کہ آلِ ابراہیمؑ میں انبیاء ہیں۔ اور آلِ محمدؐ میں نہیں۔ جب آنحضرتؐ اور ان کی آل کے لیے مثل اس صلوٰۃ کے جو ابراہیمؑ علیہ السلام اور ان کی آل کو ملا ہے درخواست کی گئی تو ظاہر ہے کہ آلِ محمدؐ کو تو اس میں سے اسی قدر ملے گا جس کے وہ لائق ہیں۔ تو اس صورت میں

انبیاء کے حصّہ کی زیادتی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہی ملے گی۔ اور وہ مزیت و فوقیت حاصل ہو جاوے گی جو اور کسی کو حاصل نہیں۔

تقریر اس کی یوں ہے کہ سیدنا ابراہیمؑ اور ان کی آل (جس میں انبیاء ہیں) کے صلوٰۃ حاصلہ کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور آل محمدؐ پر تقسیم کرنے لگے۔ اب اس میں کچھ شک نہیں کہ آل محمدؐ کو آل ابراہیمؑ کے برابر کا حصّہ نہیں مل سکتا۔ ان کو تو ان کے استحقاق کے موافق ہی ملے گا۔ پھر باقی رہ جائے گا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا حصّہ اور وہ حصّہ جو آل پر تقسیم کرنے سے بچ رہا ہے اس لیے مجموعۃً جو کچھ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حصّہ میں رہا۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حاصل شدہ سے افضل و اعظم ہے۔

یہ معنے اپنے سے پہلے تمام معانی سے پسندیدہ تر ہیں۔

۱۰۔ اس سے بھی عمدہ یہ ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم بھی آل ابراہیمؑ سے ہیں بلکہ بہترین آل ابراہیمؑ ہیں۔ علی بن ابو طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحا وآل ابراہیم وآل عمران علی العالمین کی تفسیر میں کہا ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم آل ابراہیمؑ سے ہیں۔ اب جس وقت ہم کما صلیت علی آل ابراہیم کہیں گے تو اس صلوٰۃ میں بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مع جملہ انبیاء ذریت ابراہیم سلام اللہ علیہم شامل ہوں گے۔ اس کے بعد ہم کو حکم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضورؐ کی آل پر خصوصیت کے ساتھ اس صلوٰۃ کا سوال کریں۔ جس کا سوال جملہ آل ابراہیمؑ کے لیے مع آنحضرتؐ کے عمومیت کے ساتھ کر چکے ہیں۔ چونکہ آل محمدؐ کو وہی ملے گا۔ جو ان کا حق ہے۔ اس لیے باقی سب کا سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے رہ جائے گا۔

تقریر اس کی یہ ہے کہ جو صلوٰۃ مجموعۃً آل ابراہیمؑ کو حاصل ہے جس کے اندر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود بھی ہیں۔ وہ اس صلوٰۃ سے اکمل ہے جو آنحضرتؐ کو دیگر افراد آل ابراہیمؑ کا حصّہ نکال کر حاصل ہے۔ لیکن آنحضرتؐ کے لیے خصوصیت سے جو سوال کیا جاتا ہے یہ اس صلوٰۃ کے برابر کا سوال ہے جو جملہ آل ابراہیمؑ مع آنحضرتؐ کو حاصل تھا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ امر عظیم ہے اور قطعاً اس سے زائد ہے جو آل ابراہیمؑ کو حاصل تھا۔

اب فائدہ تشبیہ بھی ظاہر ہو گیا اور تشبیہ اپنی اصلیت پر بھی جاری ہو گئی۔ اور معلوم ہو گیا کہ اس لفظ کے ساتھ جو صلوٰۃ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے مطلوب ہے۔

وہ غیر آنحضرتؐ کے مطلوب سے عظیم تر ہے۔ کیونکہ دعا سے مطلوب مشبہ بہ کی مثل ہے اور اس مشبہ بہ کے اندر نصیب وافر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اس لیے مشبہ مطلوب بالفرد اس حصہ سے جو صرف ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہے اکثر و وافر ہوگا۔ کیونکہ مشبہ بہ میں جو حصہ صرف آنحضرتؐ کو بھی حاصل تھا وہ بھی شامل شدہ ہے۔ اس معنی میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر جس میں انبیاء ہیں۔ حضورؐ کا فضل و شرف بھی ظاہر ہوگیا۔ اور حضورؐ کے درجہ اور منصب عُلیا کے لائق بھی بات بن گئی۔ اور یہ درود اس تمام تفضیل اور اس کی موجبات و مقتضیات پر جو تابع تفضیل ہیں۔ دلالت کنندہ ثابت ہوگیا۔

اللہ تعالےٰ اپنے حبیب و خلیل محمدؐ و آل محمدؐ پر صلوۃ بھیجے۔ اور بہت بہت سلام نازل فرمائے اور ہماری جانب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جزا دے۔ اس سے بڑھ کر جو کسی نبیؑ کو اس کی امت کی جانب سے دی جائے۔

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی آل ابراھیم انک حمید مجید اللھم بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی آل ابراھیم انک حمید مجید۔

ساتویں فصل

ایک عمدہ نکتہ اُس حدیث کے متعلق جس میں سیدنا و مولانا محمدؐ و آلِ محمدؐ کی صلوٰۃِ مطلوبہ کو ابراہیمؑ و آلِ ابراہیمؑ کی صلوٰۃ کے مثل کہا گیا ہے

واضح ہو کہ کل صحیح و حسن حدیثوں میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم و آلِ محمدؐ کا ذکر تو صریح ہے۔ رہا مشبہ بہ یعنی سیدنا ابراہیمؑ اور ان کی آل۔ سو یا تو فقط آلِ ابراہیمؑ کا ذکر ہے۔ یا صرف ابراہیم (علیہ السلام) کا۔

اور کوئی حدیث صحیح ایسی نہیں۔ جس میں ابراہیمؑ و آلِ ابراہیمؑ ہو۔ جیسا کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ ہے۔ اس جگہ ہم احادیثِ واردہ کا کچھ ذکر کریں گے۔ اور پھر جو کچھ رب کریم نے ہم پر ظاہر کیا ہے۔ وہ گذارش کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ حدیث صحیح چار وجوہ پر ہے۔

۱۔ مشہور ترین حدیث عبدالرحمٰن بن ابی لیلے کی ہے۔ جسے امام بخاری و مسلم و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ و امام احمدرہ نے روایت کیا ہے۔ اس میں کما صلیت علی ابراهیم اور کما بارکت علی آل ابراهیم وارد ہوا ہے۔ اور ترمذی کی روایت میں کما صلیت علی آبراهیم وکما بارکت علی ابراهیم ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت بھی اسی طرح ہے۔ اور ایک روایت میں کما صلیت علی آل ابراهیم اور کما بارکت علی ابراهیم ہے۔

۲۔ صحیحین میں ابو حمید ساعدی کی حدیث میں کما صلیت علی ابراهیم اور کما بارکت علی آل ابراهیم ہے۔ اور ایک روایت میں کما صلیت علی ابراهیم وکما بارکت علی ابراهیم ہے۔ اور دونوں جگہ آلِ ابراہیمؑ کا ذکر نہیں۔

۳۔ بخاری میں ابو سعید خدری رضہ کی روایت میں کما صلیت علی ابراهیم اور کما بارکت علی

آل ابراہیم سے ۔

۴ ۔ بخاری میں ابو مسعود انصاری کی روائیت میں کما صلیت علی ابراہیم اور کما بارکت علی آل ابراھید ہے ۔ اسی حدیث کی ایک روائیت میں کما صلیت علی ابراھیم وکما بارکت علی ابراہیم ہے ۔ یعنی آل ابراہیم ع کا ذکر نہیں ۔

غرض ان احادیث مشہورہ کے یہی الفاظ ہیں ۔ جس سے یہ چار صورتیں نظر آتی ہیں ۔

۱ ۔ اکثر میں لفظ آل ابراہیم ع ہر دو جگہ ہے ۔ (یعنی صلوٰۃ و برکت میں) ۔

۲ ۔ بعض میں لفظ ابراہیم ع ہر دو جگہ ہے ۔

۳ ۔ بعض میں لفظ ابراہیم ع اول (صلوٰۃ) میں اور لفظ آل ابراہیم ع دوم (برکت) میں ہے ۔

۴ ۔ بعض میں اس کے عکس ہے ۔

لیکن ابراہیم ع و آل ابراہیم ع کا ایک درود میں جمع ہونا اسے بیہقی نے سنن میں یحییٰ ابن اسحاق کی حدیث سے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہے ۔ دارقطنی نے ابن اسحاق کی روائیت سے ابو مسعود انصاری کی حدیث میں روائیت کیا ہے اور اس کی سند کو حسن متصل کہا ہے ۔ نسائی نے موسیٰ بن طلحہ عن ابیہ کی حدیث میں بھی جمع کے ساتھ روایت کی ہے اور پھر دونوں جگہوں میں صرف ذکر ابراہیم ع کے ساتھ بھی ۔ ابن ماجہ نے سنن میں ابن مسعود کی حدیث موقوفاً روایت کی ہے اور دونوں لفظ جمع ہیں ۔

ان کے سوا عموماً احادیث جو صحاح و سنن میں ہیں ۔ اول تو ان میں صرف آل ابراہیم ع پر اقتصار ہے ۔ یا صرف ابراہیم ع پر دونوں جگہوں میں یا ایک جگہ آل ابراہیم ع اور ایک جگہ ابراہیم ع پر چنانچہ حدیث ابوہریرہ رض (جو شروع کتاب میں ہے) میں بھی ایسا ہی ہے ۔

پس جن احادیث میں صرف حضرت ابراہیم ع کا دونوں جگہ (صلوٰۃ و برکت) نام آیا ہے ۔ اس کی وجہ تو یہ ہے کہ جس درود کی تشبیہہ دی گئی ہے اس میں اصل حضرت خلیل ع ہی ہیں اور آپ کی آل آپ کی تبعیت میں ہے ۔ اور متبوع کا ذکر تابع پر دلالت کیا کرتا ہے ۔ اور تابع اسی کے تحت میں ہوتا ہے ۔ اور جداگانہ اس کے ذکر کی حاجت نہیں ہوتی ۔

اور جس جگہ صرف آل ابراہیم ع ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود بھی اس کے اندر داخل ہیں ۔ جیساکہ قاعدہ مذکور بیان ہوچکا ۔ پس آل ابراہیم علیہ السلام کہہ دینے سے آپ کے ذکر کی حاجت نہ رہی ۔ اسی میں خود حضرت خلیل ع اور آل دونوں آگئے ۔ اور

جن احادیث میں ایک جگہ تو ابراہیمؑ ہے اور دوسری جگہ آلِ ابراہیمؑ۔ وہاں دونوں صورتوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ یعنی پہلے متبوع کا ذکر کر دیا جو اصل ہے (اور تابع اس کے تحت میں ہے) پھر اتباع کا لفظ آل کے ساتھ ذکر کر دیا۔ جس کے اندر متبوع خود بھی شامل ہے۔

اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ لفظ محمدؐ و آلِ محمدؐ کا بالاقتران۔ اور ابراہیمؑ یا آلِ ابراہیمؑ کا بالاقتصار عموماً احادیث میں کیوں ذکر ہوا ہے؟

جواب یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور حضورؐ کی آل پر صلوٰۃ کا ذکر مقام طلب ودعا میں ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی صلوٰۃ کا ذکر بطور خبر و تذکرہ واقع ہوا ہے۔ کیونکہ اللّٰھم صلّ علیٰ محمد و علیٰ آل محمد! جملہ طلبیہ ہے۔ اور کما صلیت علیٰ آل ابراھیم جملہ خبریہ۔ جملہ طلبیہ جب دعا وسوال کے موقع پر واقع ہوتا ہے تو اس کا بسط و تطویل ہی زیادہ انسب ہے۔ اور اختصار وحذف نہیں۔ اسی لیے اس کا تکرار و اعادہ مشروع ہوا۔

طُولِ دعا کا راز

بیشک یہ دعا ہے اور اللہ تعالےٰ نے دعا میں الحاح کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ تم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ادعیہ میں دیکھو گے کہ الفاظ کو بسط کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ اور ہر معنی کا ذکر صریح لفظ کے ساتھ ہوا ہے۔ اور اس پر اکتفا نہیں کی گئی۔ کہ دوسرا لفظ اس معنی پر دلالت کر رہا ہے مثلاً اس دعا کو لو جسے مسلم میں حضرت علی رضؓ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے۔

اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما انت اعلم بہ منی۔ انت المقدم وانت المؤخر لا الٰہ الا انت ۵	الٰہی مجھے بخش دے جو کچھ میں نے آگے کیا اور جو پیچھے کیا۔ جو کچھ میں نے چھپایا اور جو علانیہ کیا۔ اور جو کچھ تو میری حالت جانتا ہے تو ہی مقدم ہے تو ہی مؤخر ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

ظاہر ہے کہ اگر ان الفاظ کے مقابلہ میں

اغفرلی کلّ ما صنعت !	سب کچھ جو میں نے کیا وہ مجھے بخش دے۔

کہا جائے تو اس میں ایجاز ہے۔ لیکن چونکہ الفاظ حدیث مقام دعا و تضرع اور اظہار عبودیت و فقر میں ہیں۔ اور ان جملہ انواع کا جن سے بندہ توبہ کرتا ہے۔ تفصیلاً پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

اس لیے ایجاز واختصار سے بھی زیادہ موزوں اور بلیغ ہیں ۔ ایک دوسری حدیث میں ہے ۔

اللھم اغفر لی ذنبی کلہ دقہ وجلہ وسرہ وعلانیتہ واولہ واخرہ ۔

الٰہی میرے تمام گناہ بخش دے چھوٹے ہوں یا بڑے ۔ مخفی ہوں یا علانیہ پہلے ہوں یا پچھلے ۔

ایک اور حدیث میں ہے ۔

اللھم اغفر لی ذنبی خطیئتی وجھلی واسرافی فی امری وما انت اعلم بہ منی ۔ اللھم اغفر لی ھزلی وجدی وخطائی وعمدی وکل ذالک عندی ۔

الٰہی میری خطا میری جہالت ، اور کام میں بڑھ جانا جس کو تو مجھ سے بہتر جانتا ہے بخش دے ۔ الٰہی میرے ارادی گناہ اور لغو حرکتیں دانستہ و نادانستہ قصور کہ یہ سب حالتیں مجھ میں پائی جاتی ہیں معاف کر دے ۔

غرض یہ بات ادعیہ ماثورہ میں بکثرت ہے کیونکہ دعا کی حقیقت اللہ پاک کے حضور میں اپنی عبودیت اور فقر اور تذلل کا اظہار کرنا ہے ۔

حقیقت دعا

پس جس قدر زیادہ بندہ اس کو طول دے گا ۔ بڑھائے گا ۔ دہرائے گا ۔ از سر نو شروع کرے گا ۔ اسی قدر اس کی عبودیت و تذلل اور اظہار فقر کے مناسب حال ہوگا ۔ اور یہی امر پروردگار سے قریب تر ہونے اور ثواب عظیم حاصل کرنے کا باعث ہوگا ۔ یہ خاص امر عادت مخلوق کے برخلاف ہے ۔ کیونکہ مخلوق کے پاس جب سوال کی کثرت ہوتی ہے اور بار بار حاجات پیش کی جاتی ہیں اسے سائل بار گزرتا ہے ۔ اور اس کی طرف سے اذیت کرنے لگتا ہے ۔ اور اگر سوال نہ کرو تب وقر قائم رہتا ہے ۔ اور محبت بنی رہتی ہے ۔ لیکن اللہ تعالٰے سے جہاں تک تم سوال کرو گے اس کا قرب بڑھتا جائے گا ۔ اور اس کے پیارے بنتے جاؤ گے ۔ اور جتنی زیادہ گڑگڑاہٹ دعا میں ہوگی اتنی ہی اللہ کی محبت تمہاری جانب بڑھ جاوے گی ۔ جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا ۔ اس پر اللہ تعالٰے غضبناک ہوتا ہے ۔ اس نکتہ کو سمجھ لو ۔ کہ اللہ تعالٰے تو سوال نہ کرنے سے غضبناک ہوتا ہے اور بندے سوال کرنے سے خفا ہوتے ہیں ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مطلوب زیادہ طلب سے زیادہ ملتا ہے اور طلب ناقص ہو تو کم ۔ رہی خبر وہ تو امر واقع شدہ کا ذکر ہے جو ہو چکا ہے اور جس میں زیادتی و نقصان کا احتمال نہیں ۔ اس لیے اس میں طول دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا ۔ خصوصاً جب کہ مخاطب کو ایضاح و تفہیم کی ضرورت نہ

ہو۔ اس وقت تو بجائے اختصار ہی احسن و اکمل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی لفظ ابراہیم واقع ہوا ہے اور کبھی آل ابراہیم۔ کیونکہ دونوں الفاظ میں سے ہر ایک لفظ دوسرے پر دلالت کرتا ہے۔ رہا مقام طلب پس اگر صرف صلی علی محمد کہا جاتا تو صلوٰۃ بر آل پر دال نہ ہوتا۔ کیونکہ یہ تو التجا و درخواست کا موقع تھا ذکر نفس واقع شدہ کی اطلاع دہی کا۔ اور اگر صرف صلے علی آل محمدؐ کہا جاتا تب نبی صلے اللہ علیہ وسلم عموم میں داخل ہوتے۔ اس لیے درود شریف میں صلی علی محمدؐ و علی آل محمدؐ کہا گیا۔ اس سے بہ خصوصیت بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود ہو گیا اور آل کے شمول میں بھی۔

واضح ہو کہ ایسے مقام پر لوگوں کے دو طریق ہیں۔ ایک یہ کہ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک جداگانہ موجود ہے۔ تاہم آل محمدؐ کے لفظ میں بھی حضورؐ داخل ہیں۔ گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر دو بار ہوا۔ اس لیے درود بھی حضورؐ پر مکرر پہنچا۔ یہ طریق تو اس شخص کے مذہب کے موافق ہے۔ جو خاص کے بعد عام کا ذکر ہونے سے خاص کو عام کے اندر بھی شامل سمجھا کرتا ہے دوسرا طریق یہ ہے۔ کہ خاص کا ذکر خصوصیت سے ہونا دلالت کرتا ہے کہ خاص عام میں داخل نہیں اس طریق کے موافق بھی الفاظ درود شریف میں چند فوائد پائے جاتے ہیں۔

و۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نوع عام سے اشرف تھے۔ اس لیے جداگانہ لفظ سے مخصوص کئے گئے۔ تاکہ نوع سے برتر و متمیز ہونے کی وجہ سے خصوصیت لفظی میں بھی امتیاز رہے۔

ب۔ اس طریق سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اختصاص و فوقیت پر جو لفظ عام کی مندرجہ تحت انواع پر حاصل ہے آگاہی ہو گئی۔

ج۔ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ صلوٰۃ آنحضرتؐ پر توفی الاصل ہے اور آل پر تبعیت میں۔

د۔ ذکر مبارک کے خاص کر دینے سے عدم تخصیص کا توہم جاتا رہا۔ اور معلوم ہو گیا کہ آنحضرتؐ کا صرف لفظ عام کے اندر مذکور ہونا جائز نہیں۔ بلکہ آنحضرتؐ کا ذکر تو مراد اصلی اور مطلوب بالقطعی ہے۔ صلی اللہ علیہ و آلہ بقدر حسنہ و کمالہ۔

آٹھویں فصل

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کے معنے اور برکت کی شرح میں

واضح ہو کہ برکت کی حقیقت ثبوت ولزوم واستقرار ہے۔ بَرَکَ البعیرُ جب اونٹ زمین پر بیٹھ جائے۔ مَبرَک بیٹھنے کی جگہ برک ہر ایک ثابت اور قائم چیز۔ برک الابل اونٹوں کی کثرت۔ برکہ حوض کیونکہ پانی اس میں جمع رہتا ہے۔ براکا لڑائی میں ثابت رہ کر سعی وکوشش کرنا۔ ایک شاعر کا قول ہے۔

ولاینجی من الغمرات الا براکاء القتال او الفرار۔ برکت نمو اور زیادہ تبریک نمو اور زیادۃ کی دعا کرنا بارک اللہ بارک فیہ۔ بارک علیہ۔ بارک لہ بولا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ بورک من فی النار ومن حولھا۔ وبارک علیہ وعلی اسحاق۔ باکر لنا فیہ دعائے قنوت کے الفاظ ہیں وبارک لی فی ما اعطیت حدیث سعدؓ میں ہے بارک اللہ لک فی اھلک ومالک۔ مبارک وہ ہے جسے اللہ تعالےٰ نے برکت دی ہو حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے فرمایا گیا ہے وجعلنی مبارکا این ما کنت قرآن مجید کی شان میں ہے وھذا ذکر مبارک انزلناہ دوسری جگہ ہے کتاب انزلناہ الیک مبارک بیشک قرآن مجید کو مبارک کہا جانا سب سے زیادہ موزوں ہے کیونکہ خیر ومنافع کی کثرت اور جملہ وجوہ برکت اس میں موجود ہیں۔

واضح ہو کہ اللہ تعالےٰ اپنے لیے لفظ تبارک کا استعمال فرماتا ہے مبارک نہیں۔ ایک گروہ کا جس میں جوہری بھی ہے۔ قول ہے کہ تبارک بمعنی بارک ہے مثل قاتل اور تقاتل کے فرق یہ ہے کہ فاعل متعدی ہے۔ اور تفاعل متعدی نہیں ہوتا۔

یہ قول محققین کے نزدیک غلط ہے۔ بیشک تبارک بروزن تفاعل برکت سے ہے اور یہ اللہ پاک کی ثناء ہے۔ اس سے وہ وصف ظاہر ہوتا ہے جو اسی کی جانب راجع ہوتا ہے۔ مثلاً لفظ تعالےٰ کہ وہ بھی علو سے بروزن تفاعل ہے۔ اسی لیے یہ دونوں الفاظ ایک ساتھ لکھے بولے جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالےٰ کہا جاتا ہے۔ دعا قنوت میں بھی تبارکت

وتعالیت ہے۔ بیشک اللہ پاک سب سے زیادہ ان الفاظ کا پورا مستحق ہے۔ کیونکہ تمام خیر اسی کے ہاتھ میں ہے اور تمام خیر اسی کی جانب سے ہے اور اسی کے جملہ صفات صفات کمال ہیں۔ اس کے جملہ افعال حکمت و رحمت و مصلحت و خیرات ہیں جن میں کسی قسم کا کوئی شر نہیں۔ حدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ہے والشر لیس الیک بیشک شر تو اس کے مفعولات و مخلوقات میں واقع ہوتا ہے نہ کہ اللہ تعالےٰ کے فعل میں۔ غرض جب بندہ یا اور چیزوں کو بھی مبارک کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی اسباب خیر کے اتصال سے کثرت خیر و نفع پائی جاتی ہے۔ اور دیگر اشخاص بھی اس سے انتفاع حاصل کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالےٰ کی شان کے شایاں ہے کہ وہ متبارک ہو تبارک و تعالےٰ کی جگہ تعاظم و تعالےٰ بھی بولتے ہیں۔ یہ ثناء اللہ پاک کی عظمت اور خیر کی مداومت وکثرت نیز اسی ذات کی صفات کمال کی جامعیت پر دلیل ہے۔ پس جو نفع عالم میں ہے یا ہوگا وہ اللہ پاک کے نفع بخشی و احسان فرمائی سے ہے۔ علیٰ ہذا یہ لفظ دلیل ہے عظمت و جلال اللہ علو شان الٰہی پر۔ اس لیے اس کا ذکر غالباً بیان جلال و عظمت و کبریائی کے آغاز میں ہوتا ہے فرمایا۔

ان ربکم اللہ الذی خلق السموٰت والارض فی ستۃ ایام ثم استوٰی علی العرش یغشی الیل النھار یطلبہ حثیثا والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین ط

تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان و زمین چھ دن میں بنائے پھر بیٹھا تخت پر۔ اُڑھاتا ہے رات پر دن اس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا۔ اور سورج اور چاند اور تارے کام لگے ہیں اس کے حکم پر۔ سن لو اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا۔ بڑی برکت اللہ کی جو صاحب سارے جہان کا ہے۔

فرمایا

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا ط

بڑی برکت کا دینے والا ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر قرآن اتارا تاکہ اہل عالم کو ڈراوے۔

فرمایا۔

تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیھا سراجا و قمرا منیرا ط

بڑی برکت والا ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اس میں چراغ رکھا اور روشن چاند بنایا۔

فرمایا۔

تبارک الذی لہ ملک السموات والارض وما بینھما وعندہ علم الساعۃ والیہ یرجعون ط
بڑی برکت والا ہے وہ جس کو آسمان اور زمین کی شاہی ہے اور ان کے دونوں کے درمیان کی۔ اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

فرمایا۔

تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شیئ قدیر ط
بڑی برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں شاہی ہے اور وہ سب چیز کر سکتا ہے۔

انسان کی پیدائش کی سات حالتوں کا ذکر کرکے فرمایا۔

فتبارک اللہ احسن الخالقین ط
پس بہت برکت بخشنے والا ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

دیکھو اللہ تعالےٰ نے تبارک کا ذکر ان مواضع میں کیا ہے جہاں اپنی ذات پاک کی ثناء جلال وعظمت کے ساتھ نیز ان افعال سے کی ہے جو اس کی ربوبیت والوہیت وحکمت اور دیگر صفات کمال پر دال ہیں۔ مثلاً قرآن مجید کا اتارنا۔ ہر دو عالم کا بنانا۔ آسمان و بروج کا ہونا۔ چاند سورج کی پیدائش۔ ملک میں منفرد اور قدرت میں کامل ہونا۔ اسی لیے ابوصالح نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تبارک بمعنی تعالےٰ روایت کیا ہے۔ ابوالعباس کا قول ہے کہ تبارک کے معنی ارتفع ہیں۔ اور مبارک بمعنی مرتفع ابن الانباری کا قول ہے کہ تبارک بمعنی تقدس ہے۔ حسن کا قول ہے تبارک وہ ہے جس کی طرف سے برکت پہنچے۔ ضحاک کا قول ہے کہ تبارک بمعنی تعاظم ہے۔ خلیل بن احمد کا قول ہے کہ تبارک بمعنی تمجد ہے۔ حسین بن فضل کہتے ہیں۔ کہ تبارک تو اس کی ذات ہے۔ اور بارک مخلوق میں سے وہ جسے خدا نے چاہا۔ یہ احسن الاقوال ہے کیونکہ تبارک صفت ذات بھی ہے اور صفت فعل بھی جیسا کہ حسین کا قول ہے۔ اور دلالت اس پر یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس لفظ کو اپنے نام کی طرف بھی مسند کیا ہے فرمایا۔

تبارک اسم ربک ذی الجلال والاکرام ط
بہت برکت والا ہے نام تیرے رب جلال اور اکرام والے کا۔

دعائے استفتاح میں ہے۔

تبارک اسمک ..... وتعالیٰ
تیرا نام برکت والا اور تیری شان بلندی والی ہے۔

جدل اور اپنی ذات کی طرف بھی فرمایا تبارک الذی بیدہ الملک اس بحث سے یہ معلوم ہو گیا۔
کہ تبارک معنے بارک نہیں جیسا کہ جوہری کا قول ہے۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا۔ کہ اللہ تعالے کی تبریک
صرف مسمی لفظ کا جزو ہے نہ اس کے معنی کا کمال۔ ابن عطیہ کہتا ہے کہ تبارک کے معنے یہ ہیں کہ
اللہ تعالے کی برکات عظیم و کثیر ہیں۔ اور اس لفظ کے ساتھ غیر اللہ کی توصیف نہیں ہو سکتی اور
نہ یہ لفظ لغت عرب میں متصرف ہے اس کا مضارع یا امر مستعمل نہیں۔ کیونکہ جب یہ لفظ غیر اللہ
کے لیے مستعمل نہیں تو اسے مستقبل کے لیے بھی نہ ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالے تو ازل سے ہی
متبارک ہے۔"

پھر کہا کہ ابو علی نے غلطی کھائی کہ تبارک کا مستقبل یتبارک بتلایا اس نے یہ نہ سوچا کہ عرب
تو یہ نہیں بولتے "

ابن قتیبہ نے تبارک اسمک کے معنے یوں کہا ہے کہ تبارک برکت سے بروزن تفاعل
ہے جیسے تعالے علو سے ہے۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ تیرا نام با برکت ہے اور جس پر تیرا نام
لیا جائے اس میں برکت ہو جاتی ہے کہا ایک عالم لغت نے میرے سامنے ایک شعر پڑھا تھا جس
کا مصرعہ دوم یاد رہ گیا ہے کہ

الی الجذع جذع النخلۃ المتبارک

واضح ہو کہ ابن قتیبہ کا یہ قول کہ تیرا نام با برکت ہے اور جس پر تیرا نام لیا جاوے اس میں
برکت ہو جاتی ہے۔ دلالت کرتا ہے کہ یہ صفت اس پاک ذات برکت بخشندہ کی ہے
کیونکہ برکت اسم برکت مسمی کی تابع ہوتی ہے۔ اللہ تعالے نے فرمایا ہے فسبح باسم ربک
العظیم اس کا مطلب یہ ہے کہ رب عظیم کی تسبیح بطریق اولی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ تنزیہہ
اسم تنزیہہ مسمّیٰ کے تابع ہے۔ زمخشری کہتا ہے کہ اس کے دو معنے ہیں۔

۱۔ خیر الٰہی میں کثرت و زیادۃ ہے۔
۲۔ یا وہ ہر ایک شے سے بڑھ کر ہے اور اپنی صفات و افعال میں سب سے بزرگ"

میں کہتا ہوں کہ ہر دو معانی میں کچھ تنافی نہیں جیسا کہ حسین بن فضل وغیرہ کا قول۔ نضر بن شمیل کہتا
ہے کہ میں نے خلیل بن احمد سے تبارک کے معنے پوچھے۔ تمجد بتلائے۔ یہ ہر دو معانی کا جامع
ہے۔

۱۔ مجد ذاتی کا۔

۲ - خلقت پر انشاء برکت کا۔ کیونکہ مجد کی حقیقت یہی ہے۔ وجہ یہ کہ مجد کے معنی وسعت ہیں۔ مجد الشیئ کہا کرتے ہیں جب اس میں وسعت پائی جائے۔ استمجد اور عرش مجید بھی انہی معنی میں ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں ممکن ہے کہ تبارک برک سے ہو پس متبارک کے معنے ازلاً و ابداً ثبت دوام ہوں گے۔ اس سے یہ نکلے گا کہ وہ واجب الوجود ہے اس کا وجود غیر سے نہیں اور وہ ازلی ہے۔ لیکن یہ معنی جزو معنی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا متبارک ہونا اس کے دوام وجود اور کثرت خیر و مجد و علو و عظمت و تقدس۔ جملہ خیرات کا اسی کی جانب سے ہونا جسے چاہے اپنی خلقت میں سے اُسے برکت دے جملہ معانی پر جامع ہے اور یہ معانی الفاظ قرآن سے معہود ہیں۔ کتاب اللہ سب معانی پر دال ہے۔ پس کسی نے تو اس میں سے کوئی معنے لئے اور کسی نے کوئی۔ گو لفظ سب پر دال ہے۔

ہمارا مقصود تو اس جگہ وبارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی آل ابراہیم کے معنی سے ہے۔ پس یہ ایک دعا ہے جو بہترین عطیہ خیر پر متضمن ہے جو آل ابراہیمؑ کو عطا ہو چکا ہے۔ پھر اس کی مداومت و ثبوت اور مضاعفت و زیادت پر مشتمل ہے۔ کیونکہ برکت کی حقیقت یہی ہے۔ اللہ تعالے نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل کے حق میں فرمایا ہے۔

وبشرناہ باسحق نبیا من الصالحین وبارکنا علیہ وعلی اسحاق ! — ہم نے اس کو اسحاقؑ کی جو صالحین میں سے اور نبی ہیں بشارت دی۔ اور ہم نے ابراہیمؑ و اسحقؑ کو برکت دی۔

ان کے اہلبیت کے حق میں فرمایا ہے۔

رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت انہ حمید مجید ط — اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو بیشک اللہ حمد اور مجد والا ہے۔

قابل غور یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید میں بارکنا علیہ وعلی اسحاق فرمایا ہے۔

بنی اسرائیل کا ذکر قرآن میں اور بنی اسمٰعیل کا توراۃ میں ہونے کی وجہ

اسی طرح توراۃ میں حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی اولاد کو برکت و خیر دیئے جانے کا اظہار فرمایا ہے۔ تمام برکتوں کا نتیجہ اور سب سے اجل و اعظم وجود باجود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔

پس اس کی اطلاع تو بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ ؑ اور ابراہیم خلیل ؑ کی زبان سے دلائی۔ تاکہ اس برکت عظیم وخیر وافی پر جو بنی اسمٰعیل کے اندر ظاہر ہو گی۔ سب آگاہ ہو جاویں۔ اور ہم مسلمانوں کے لیے قرآن مجید میں برکت اسحٰق ؑ کا ذکر فرمایا۔ تاکہ جو نبوت اور علم وکتاب ان کی اولاد کو لوگوں کی ہدایت وایمان کے لیے ارزانی ہوئی ہے۔ اس کی آگاہی ہم کو ہو جاوے۔ ایسا نہ ہو کہ مسلمان اس مبارک خاندان کے حقوق کے ناشناسا بن جائیں۔ اور انبیاء بنی اسرائیل کو دوسری شاخ سے سمجھ کر کہنے لگیں کہ ہمارا ان سے کچھ تعلق نہیں نہیں بلکہ مسلمانوں پر بھی ان کی توقیر واحترام ضروری ہے ان کی محبت وتعظیم رکھنا سان پر ایمان لانا ان کی ثنا کرنا لازمی ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین ط

خاندان خلیل الرحمٰن کے خصائص وفضائل

چونکہ حضرت خلیل الرحمٰن کا مبارک ومطہر گھرانا کل عالم کے خاندانوں سے علی الاطلاق اشرف وبزرگ تر ہے۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے اس کو چند خصوصیات کے ساتھ ممتاز فرمایا ہے جن میں سے چند درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ نبوت اور کتاب، کو اس خاندان میں مخصوص فرمایا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد کوئی نبی حضرت خلیل ؑ کے کنبہ سے باہر نہیں ہوا۔

۲۔ اس گھرانے کو ائمہ مہتدین بنایا۔ اولیاء اللہ میں سے جو کوئی جنت میں داخل ہو گا وہ ان کے طریق ودعوت پر چلنے سے ہو گا۔

۳۔ اللہ پاک نے اس خاندان عالیہ میں سے دو (حضرت ابراہیم وسیدنا محمد صلی اللہ علیہما) کو خلیل بنایا۔

۴۔ اس گھرانے کو اہل عالم کا امام قرار دیا۔ فرمایا۔ انی جاعلك للناس اماما ؕ

۵۔ ان کے ہاتھ سے اپنے گھر کی بنیاد رکھوائی۔ اور اس گھر کو تمام دنیا کے لیے قبلہ جائے قیام وحج گاہ بنایا۔

۶۔ بندوں کو حکم دیا گیا کہ اس گھرانے پر درود بھیجا کریں جیسا کہ خود خداوند ان پر اور ان کے سلف پر درود بھیجتا ہے۔

۷۔ اسی گھرانے میں اللہ تعالےٰ نے دو مقدسوں کو اتنی بڑی امتیں جو کسی اور گھرانے کو نہیں ملیں

عطا فرمائیں۔ یعنی امتِ موسیٰ ۲ دامتِ محمدیہ۔ امت محمدیہ پچھلی ستر امتوں کے برابر۔ اور دیگر امتوں سے اللہ تعالےٰ کے ہاں درجہ میں بڑھ کر اور گرامی تر ہے۔

۸۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے لیے لسانِ صدق اور جمیل ثناء دنیا میں قائم رکھی کہ جب ان کا ذکر آئے ثناء کی جائے اور صلوٰۃ وسلام ان پر بھیجا جائے۔

۹۔ اس گھر کو اللہ تعالےٰ نے لوگوں کے پرکھنے کی کسوٹی بنایا۔ سعید وہ ہیں جو اس گھر کی تبعیت کرتے ان سے محبت واخلاص رکھتے ہیں۔ اور شقی وہ جن کو ان سے بغض ہے اور منہ پھیر لیا ہے۔ جنت اس گھر کے لیے ہے اور ان کے اتباع کے لیے اور دوزخ ان کے اعداد مخالفین کے لیے۔

۱۰۔ ان کے ذکر کو اللہ تعالےٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ مقرون فرمایا ہے۔ مثلاً بولتے ہیں۔ ابراہیم خلیلُ اللہ۔ محمدٌ رسول اللہ۔ موسیٰؑ کلیم اللہ۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خاص نعمتوں کا شمار کراتے ہوئے فرمایا ہے۔ ورفعنا لک ذکرک ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ جب میرا ذکر ہو تیرا بھی ساتھ ہو۔ کلمہ طیب پر جس سے اسلام نصیب ہوتا ہے غور کرو۔ علیٰ ہذا۔ اذان۔ خطبات۔ تشہد میں دیکھو یہی حال ہے۔

۱۱۔ دنیا وآخرت کی شقاوت سے تمام خلقت کی نجات اس گھرانے والوں کے ہاتھ پر رکھی گئی ہے نہ کہ ان کی نعمتوں کا جو لوگوں کو ان سے حاصل ہیں شمار ممکن ہے۔ اور نہ کوئی ان کی جزا دے سکتا ہے۔ بیشک اوّلین وآخرین میں جس قدر اہل سعادت ہو گذرے ہیں (جن کو مدارج رفیعہ کے حصول میں ید طولےٰ ہے اور جس پر ان کو جزا عنایت ہوگی) سب کی گردنوں پر اس گھرانے کے بڑے بڑے احسانات کا بار ہے۔

۱۲۔ جو عمل صالح اور طاعت دنیا میں اللہ تعالےٰ کے لیے کی جاتی ہے۔ اس میں اس گھرانے کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا خود عمل والے کو۔ اللہ اکبر۔ اللہ اپنے فضل سے جسے چاہتا ہے خصوصیت دیتا ہے۔

۱۳۔ اللہ تعالےٰ نے اس گھر کے سوا تمام طریقوں کو مسدود کر دیا۔ اور تمام دروازوں کو بند فرما دیا اب اہل عالم اور خدا کے درمیان جو دروازہ کھلا ہے وہ انہی کا راستہ اور ان ہی کا دروازہ ہے۔ شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ پاک اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے فرماتا

ہے :

"مجھ کو اپنی عزت و جلال کی قسم ہے۔ شراد لوگ کسی طریق سے آئیں اور کسی دروازہ کو کھٹکھٹائیں۔ میں ان کے لیے کوئی دروازہ نہ کھولوں گا اور کوئی راہ نہ دوں گا جب تک تیرے پیچھے ہو کر نہ آئیں۔"

۱۴۔ اللہ تعالےٰ نے اس گھرانے کو وہ علم عطا فرمایا جو کسی دوسرے گھرانے کو نہیں دیا۔ اسی لیے دنیا میں کوئی ایسا گھرانا نہیں گذرا جو اللہ تعالےٰ اور اس کے اسماء و صفات۔ اور احکام و افعال اور ثواب و عقاب اور مقامات رضا و غضب اور ملائکہ و مخلوقات کی معرفت اور علم و شرع میں اس سے بڑھ کر ہو۔ پاک ہے وہ مالک جس نے اس گھر کے لیے اوّلین و آخرین کے علوم کو جمع کر دیا ہے۔

۱۵۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی توحید و محبت اور قرب و اختصاص میں اس گھرانے کو ایسی خصوصیت عطا فرمائی ہے جو کسی اور گھرانے کو نہیں۔

۱۶۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو دنیا میں مکنت دی۔ اور خلافت عطا فرمائی۔ اور جملہ روئے زمین کو ان کا مطیع بنایا یہ بات اور کو حاصل نہیں۔

۱۷۔ جو تائید و نصرت فتح و ظفر اس گھرانے کو اعدائے الٰہیہ پر حاصل ہوئی وہ کسی دوسرے کو نہیں ملی۔

۱۸۔ اللہ تعالےٰ نے جس قدر ان کے ہاتھوں سے اہل ضلالت و شرک کے آثار و علامات کو جن سے ذات الٰہی بیزار تھی محو کرایا ہے اس قدر دوسرے کے ہاتھ پر نہیں۔

۱۹۔ جملہ اہل عالم کے دل میں ان کی محبت و اجلال اور تعظیم کے جو شجر لگائے گئے ہیں وہ دوسرے کی محبت کے نہیں۔

۲۰۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے آثار کو دنیا میں بقاء عالم اور حفاظت بنی آدم کا سبب ٹھہرایا۔ جب تک یہ آثار باقی ہیں۔ عالم باقی ہے جب یہ نہ رہے اس وقت سے ہی خرابی کی ابتداء ہو گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما للناس والشھر الحرام والھدی والقلائد کی تفسیر میں کہا ہے کہ اگر سب کے سب آدمی حج چھوڑ بیٹھیں تو آسمان زمین پر آگرے اور کہا اگر سب ہی حج چھوڑ دیں تو ان کو کچھ نظر نہ آئے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی خبر دی ہے کہ آخر زمانہ میں اللہ تعالےٰ اپنے گھر کو زمین پر سے

اور اپنے کلام کو مصاحف اور لوگوں کے سینہ سے اُٹھا لے گا۔ اس وقت نہ حج کرنے کے لیے بیت اللہ ہوگا نہ تلاوت کے لیے کلام اللہ۔ تب بہت جلد عالم تباہ ہو جائے گا۔ چنانچہ آج ہم اپنے وقت میں دیکھ رہے ہیں کہ جس قدر لوگ آثار و شرائع پر قائم ہیں اور قیام امور و حصول مصالح میں مصروف اور ہر گونہ بلا و شر کے دفع کرنے میں مشغول ہیں یہ سب امور شریعت کے ظہور و قیام کا طفیل ہے۔ اور جس قدر لوگ ہلاکت و مصیبت میں گر رہے ہیں اور شر و بلا میں پڑ رہے ہیں یہ سب شریعت کو معطل رکھنے اس سے منہ پھیرنے اُسے چھوڑ کر غیر کو اختیار کر لینے کے باعث ہے جو کوئی تامل سے غور کرے گا اور بستیوں یا شہروں پر دشمنوں کے غلبہ کی وجہ تلاش کرے گا اُسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب ہمارے اس گناہ کی شامت ہے کہ ہم نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دین و احکام اور سنتوں کو چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ جہاں کہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے آثار و سنن و شرائع کا ظہور رہے وہاں سے اُسی ظہور کے موافق یہ مصائب بھی دور ہیں۔

بیشک یہ جملہ خصائص بلکہ ان سے چند در چند و صد چند اس گھرانے کو اللہ تعالےٰ کے آثار رحمت و برکات سے حاصل ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے اور آل محمدیہ کے لیے ان برکتوں کا سوال کریں جو اس معظم گھرانے کے لیے ہیں۔

۲۱۔ اس گھرانے کی برکات و خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو وہ خصوصیتیں عطا کی ہیں جو غیر کو عطا نہیں کیں۔ ان میں خلیل الرحمٰن بھی ہیں۔ اور ذبیح اللہ بھی۔ وہ بھی جس سے اللہ نے کلام کیا۔ اور وہ بھی جسے قرب تام دیا۔ وہ بھی جسے حسن کا ایک حصہ دیا اور کریم بنایا اور وہ بھی جس کے پاس وہ فرشتہ حاضر ہوا جو کسی کے پاس نہ آیا تھا۔ وہ بھی جسے مکان علیہ پر رفع حاصل ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اس گھرانے کا ذکر کیا ہے تو فرمایا ہے کہ ان سب کو اللہ تعالےٰ نے عالمین پر فضیلت دی ہے۔

۲۲۔ اہل زمین پر اس گھرانے کی برکات و خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے عذاب عام اہل زمین سے اٹھا لیا۔ سنت الٰہی اس گھرانے کے انبیاء سے پہلے سابقہ اُمتوں کے بارہ میں یہ تھی کہ جب وہ اللہ اور رسولوں کی تکذیب کرتے تو عذاب عام کے ساتھ ہلاک کر دیئے جاتے۔ جیسا کہ قوم نوحؑ و ہودؑ و صالحؑ و لوطؑ (علیہم السلام) کے ساتھ ہوا۔ مگر جب اللہ تعالیٰ

سے۔ توراۃ و انجیل و قرآن مجید کو نازل فرمایا تو عذاب عام کو اہل زمین سے اٹھا لیا اور حکم دیا کہ مخالف اور مکذب کے ساتھ جہاد کیا جائے تاکہ درجہ شہادت مل سکے مومنین کے ہاتھوں سے نصرت و فتح کا ظہور ہو۔ اور مباہات الٰہیہ پایا جائے۔

بیشک اس گھرانے کے لیے بعض ایسے فضائل و خصائص ثابت ہیں کہ زبان کو ہمیشہ ان کے صلوٰۃ و سلام اور ذکر ثنا و عظمت کے بیان میں تر اور دل کو تعظیم و محبت و جلال سے پُر رکھنا چاہیے۔ اور پھر بھی یہ تیاری رہے کہ اگر جملہ انفاس ان پر صلوٰۃ بھیجنے میں ہی صرف ہو جائیں۔ تب بھی ان کے حق کا ادا کرنے سے عہدہ برا نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ ان کو عطیات کی جانب سے افضل جزا عطا فرمائے۔ اور ہر وقت لحظہ میں ان کی تعظیم و تشریف و تکریم روز افزوں رکھے۔ اور صلوٰۃ دائمہ جن کو انقطاع نہ ہو ان پر نازل کرے۔ اور سلام کثیر قیامت تک ان پر نازل فرماتا رہے۔

نویں فصل

حمید و مجید پر اختتام صلوٰۃ کے بیان میں

حمید و مجید کے معنے

واضح ہو کہ حمید فعیل[1] کے وزن پر حمد سے ہے اس کے معنے محمود ہیں۔ مگر محمود سے بلیغ تر

[1] اس وزن پر اللہ تعالیٰ کے اکثر اسماء فاعل کے معنی میں ہیں۔ مثلاً سمیع و بصیر و خبیر و قدیر و علی و حکیم و علیم وغیرہ۔ اسی طرح وزن فعول کے اسماء مثلاً غفور و شکور و صبور۔ لیکن ودود کے بارہ میں دو قول ہیں۔ بمعنی فاعل ہے کیونکہ انبیاء و رسل اور اولیاء و مومنین سے محبت رکھتا ہے۔ بمعنی مفعول یعنی محبوب ہے جو تمام محبت کے ساتھ محبت کا مستحق ہے اور بندوں کی شنوائی و بینائی اور نفس نیز دیگر محبوبات سے بھی زیادہ تر محبوب ہونا اسی کو شایاں ہے ۱۲ منہ

ہے۔ کیونکہ حبیب مفعول سے عدول کر کے فعیل کا وزن لیا جاتا ہے۔ تو وہ یہ دلالت کیا کرتا ہے کہ یہ صفت بمنزلہ حرارتِ اصلی اور خلقِ جبلی۔ اور طبیعت کے بن گئی ہے۔ کسی کو ظریف و شریف یا کریم کہنے سے یہی غرض ہوتی ہے۔ اور اسی لیے یہ بناء غالباً فعل بروزن شرف، سے آتی ہے۔ کیونکہ یہ بناء لازمی صفتوں اور اصلی حالتوں کے لیے ہے۔ مثل کرم و حسن و لطف وغیرہ۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حبیب محبوب سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ حبیب وہ ہے جس کے اندر صفات و افعال ایسے پائے جاتے ہوں۔ جن کی وجہ سے اس کے ساتھ محبّت کی جائے۔ پس وہ فی نفسہٖ حبیب ہے گو کوئی شخص عدمِ شعور سے اس کے ساتھ محبّت نہ کرے۔ یا کسی مانع سے اس کی محبت پر مطلع نہ ہو۔ اور محبوب وہ ہے جس سے کوئی محبّ محبت کرنے لگے۔ اور یہ اس کی محبت کرنے سے محبوب کہلائے۔ غرض حبیب اپنی ذات و صفات کی وجہ سے حبیب ہوتا ہے۔ گو محبتِ غیر اس سے متعلق ہو یا نہ ہو۔ یہی فرق حمید و محمود میں ہے۔ حمید وہ ہے جس کو وہ صفات و اسبابِ حمد حاصل ہوں۔ جو اس کے محمود ہونے کے مقتضی ہوں۔ گو کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے کیونکہ وہ فی نفسہٖ حمید ہے۔ اور محمود وہ ہے جس کی حمد کسی نے کی ہو۔ یہی فرق مجید اور ممجد کبیر اور مکبر۔ عظیم اور معظم میں ہے۔

واضح ہو کہ حمد اور مجد ایسے دو لفظ ہیں جن کی طرف تمام کمال راجع ہے۔ کیونکہ حمد محمود کی ثناء اور محبت پر مستلزم ہے۔

حمد کے معنے

اب اگر کوئی محمود سے محبت تو رکھتا ہے مگر اس کی ثناء نہیں کرتا۔ تب بھی وہ اس کا حامد نہیں۔ اور اگر ثناء کرتا ہے۔ مگر اس سے محبت نہیں رکھتا تب بھی اس کا حامد نہیں۔ اب تم یہ سمجھو کہ ثناء و محبّت بھی اسباب کے تابع ہیں۔ مثلاً محمود میں صفاتِ کمال اور نعوتِ جلال اور غیر پر احسان کرنے کی فضیلتوں کا ہونا۔ کیونکہ یہی اسباب محبت کے ہیں۔ اور جس قدر زیادہ ان کا اجتماع و کمال ہوگا اسی قدر حمد اور محبت اتم و اعظم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے لیے چونکہ کمال مطلق ہے۔ جس میں کسی وجہ سے کوئی نقص نہیں۔ اور جملہ احسان اسی کی جانب سے ہے۔ اس لیے وہ محبت تامہ کے ساتھ تمام حمد کا جمیع جانب سے مستحق ہے۔ اور اسی کی یہ شان ہے۔ کہ ذات و صفات اور احسان وجود کے افعال و اسماء بلکہ جملہ افعال و احکام کی وجہ سے اس سے

محبت کی جائے۔

رہا مجد وہ عظمت اور سعت اور جلال کا مستلزم ہے جیسا کہ موضوع لغوی اس پر دلالت کرتا ہے۔ یہ لفظ عظمت و جلال و حمد پر دال ہے اور صفات اکرام پر را جع۔ اللہ تعالے ہی ذوالجلال والاکرام ہے۔ اور لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کے بھی یہی معنے ہیں۔ کہ لا الہ الا اللہ تو الوہیت و واحدانیت پر جو محبت تامہ کی مستلزم ہیں دال ہے۔ اور اللہ اکبر کو اس کی مجد و عظمت و کبریائی سے لزوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالے نے ان ہر دو نوع کو قرآن مجید میں اکثر مقام پر جمع کیا ہے۔ فرمایا رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت انہ حمید مجید ط فرمایا۔

الحمد للہ الذی لم یتخذ ولدًا ولم	حمد ہے اللہ کو جس نے نہیں رکھی اولاد۔ اور نہ
یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی	کوئی اس کا ساجھی سلطنت میں۔ اور نہ کوئی اس کا
من الذل وکبرہ تکبیرًا ط	مددگار ذلت میں اور اس کی بڑائی کر بڑا جان کر۔

دیکھو اس میں حمد و تکبیر کا حکم ہے۔ فرمایا۔ تبارک اسم ربک ذی الجلال والاکرام!
مسند و صحیح ابو حاتم وغیرہ میں حدیث نبوی

الظوا بیا ذا الجلال والاکرام ط	یا ذوالجلال والاکرام کو اپنا ہر دم ورد زبان بنالو۔

موجود ہے۔ جلال والاکرام کے وہی معنی ہیں جو حمد و مجد کے ہیں۔

قرآن مجید میں اس کی نظیر بہت ملے گی۔ کہ قریب المعنی دو اسماء حسنےٰ ایک جگہ بیان کئے گئے ہوں۔ مثلاً ان ربی غنی کریم۔ وھو الغفور۔ اور درود دعا وکرب کے الفاظ ہیں۔ لا الہ الا اللہ العظیم۔ لا الہ الا اللہ رب العرش العظیم۔ لا الہ الا اللہ رب السمٰوات ورب الارض ورب العرش الکریم!

پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ کے بعد بھی یہی دونوں اسماء ذکر کئے گئے تاکہ قرآن مجید کی آیت رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت انہ حمید مجید کے مطابق ہو جائے۔ اور چونکہ صلوۃ کے معنے۔ اللہ پاک کی جانب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ثنائے۔ اور تکریم اور رفعت شان ذکر۔ اور ازدیاد محبت و قربت ہیں۔ اور یہ سب معانی حمد و مجد پر مشتمل ہیں۔ تو گویا درود خواں کی درخواست یہ ہوتی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی حمد و مجد میں ترقی کی جائے پس اسی مطلوب کی مناسبت اور دعا کی مطابقت سے اللہ تعالے کے یہ دو نام حمید و

مجید مذکور ہوئے [1]

اور چونکہ حمد و مجد جس کی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے اس سوال میں درخواست کی گئی ہے پہلے سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ اس لیے یہی بات تبلانے کے واسطے کلام کا خاتمہ اللہ کے لیے ہر دو اوصاف کے ثبوت پر کیا گیا۔ کیونکہ بندہ میں جو کمال نقص سے مبرا ہو۔ اللہ تعالےٰ اس کمال کا زیادہ تر مستحق ہے۔

نیز یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے حمد و مجد کی طلب اللہ تعالےٰ کی صفت حمد و مجد کی مستلزم ہے۔ پس دعا میں آنحضرتؐ کے لیے طلب بھی پائی گئی۔ اور اللہ تعالےٰ

---

[1] اس بارہ میں پہلے بھی لکھا جا چکا ہے۔ کہ دعا کرنے والے کے لیے مشروع یہ ہے کہ اپنی دعا کو اللہ تعالےٰ کے ایسے اسم پر جو اسماء حسنےٰ میں سے ہو شروع و ختم کرنا چاہیئے جو مطلوب سے مناسبت رکھتا ہو۔ بطور نظیر دیکھو حضرت سلیمانؑ کی دعا کے الفاظ رب ھب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی انک انت الوھاب یعنی ملک مانگا اور اللہ کو وہاب کہا۔ حضرت خلیلؑ اور ان کے فرزند جلیل حضرت اسمٰعیلؑ کی دعا ہے ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم امور آخرت کے متعلق دعا تھی۔ تو تواب الرحیم پر اسے ختم کیا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ایک نشست میں سو بار پڑھا کرتے تھے رب اغفر لی وتب علی انک انت التواب الغفور حضرت عائشہ رضؓ نے سوال کیا تھا۔ کہ مجھے لیلۃ القدر مل جائے تو کیا پڑھوں۔ فرمایا کہنا اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی۔ حضرت صدیق رضؓ نے عرض کیا۔ کہ نماز پڑھنے کے لیے دعا سکھائی جائے۔ فرمایا پڑھو اللھم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندک انک انت الغفور الرحیم غرض اس کی نظائر بہت ہیں۔ جن کا ذکر ہم نے کتاب الروح والنفس میں کیا ہے۔ اور حضرت مسیحؑ کے قول ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم اور حضرت خلیلؑ کے قول فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور الرحیم کے متعلق بھی اسی میں بحث ہے۔ کیونکہ بظاہر تو یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کے قول میں غفور الرحیم ہوتا۔ اور حضرت خلیلؑ کے قول میں عزیز حکیم ط ۱۲ مصنف

کے لیے اس صفت کا ثبوت بھی۔[1]

دسویں فصل

اُن دعوات واذکار کے قاعدہ کے بیان میں جو الفاظِ مختلفہ کے ساتھ مروی ہیں

واضح ہو کہ جس طرح دعائے استفتاح اور تشہد نماز و قومہ و جلسہ کے اذکار و دعاؤں کے مختلف الفاظ روایت ہوئے ہیں۔ اسی طرح درود میں بھی مختلف الفاظ آئے ہیں۔ بعض متاخرین نے اس بارہ میں ایک درمیانی راہ نکالی ہے۔ یعنی وہ مختلف لفظوں کو ایک جگہ جمع کر لیتے ہیں اور اس امر کو افضل جانتے ہیں۔ مثلاً وہ ظلمت نفسی ظلمًا کثیرًا کے ساتھ کبیرًا بھی پڑھتے ہیں اور علیٰ آلِ محمد کے ساتھ علیٰ ازواجہ و ذریتہ بھی کہا کرتے ہیں۔ حالانکہ ایک لفظ ایک روایت میں ہے۔ اور دوسرا لفظ دوسری روایت میں۔ اس کی وجہ یہ لوگ بتلایا کرتے ہیں۔ کہ جمع کر لینے سے پڑھنے والا اس شک سے نکل کر الفاظِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کو یقیناً پا لیتا ہے۔ اور دعائیں سب روایتوں کے الفاظ جن پر اختلاف ہے۔ یا ایک کی جگہ دوسرا بولا گیا ہے جمع ہو جاتے ہیں۔

دوسرے گروہ کو اس بارہ میں نزاع ہے کہ یہ مذہب بہ چند وجوہ ضعیف ہے۔

۱۔ یہ طریق نیا نکلا ہے۔ معروف اماموں میں سے کسی نے اس کی طرف سبقت نہیں کی۔

---

[1] اللہ کا پاک نام حمید ہے اور آنحضرتؐ کا مبارک نام محمدؐ۔ دونوں حمد سے بنائے گئے ہیں۔ ان دونوں کا الفاظِ درود میں جمع کیا جانا جو خوبی رکھتا ہے وہ ظاہر ہے۔ مجید گویا حمید کے ساتھ متلازم ہے۔
محمد سلیمان ۔ عفا اللہ عنہ

۲۔ اس سے لازم آتا ہے کہ استفتاح کی جتنی دعائیں مروی ہیں۔ سب کو الحمد سے پہلے نماز میں پڑھا کرے۔ اسی طرح سب تشہدات کو تشہد میں اور سب ذکروں کو رکوع و سجود میں پڑھا کرے۔ لیکن یہ قطعی باطل ہے کیونکہ امت کے عمل کے بھی خلاف ہے۔ اور کسی اہل علم نے بھی اس کو مستحب نہیں کہا۔ بلکہ یہ بدعت ہے۔ اگر اس مذہب والا اپنے مذہب کو (نماز یا درود کے بعض الفاظ جمع کرنے سے) محدود کرے گا۔ تب گویا وہ خود تناقض میں پڑے گا۔ اور دو متماثل (یکساں) چیزوں میں فرق کرے گا۔

۳۔ اس مذہب والے کو چاہئے کہ وہ خالی اور قاری کے لیے مستحب قرار دے کہ جس قدر مختلف قرأتیں ہیں۔ ان سب کو نماز کے اندر بھی اور باہر بھی جمع کیا کرے۔ لیکن یہ مسلمہ ہے کہ مسلمانوں کا اس کے مستحب نہ ہونے پر (جب قرآن بطور عبادت اور تدبر پڑھا جاتا ہو) اتفاق ہے۔ ہاں بعض اوقات قاری لوگ ایسا ضرور کیا کرتے ہیں۔ سو اس امتحان کے لیے کہ قاری کو مختلف قرائتیں حفظ ہیں یا نہیں۔ اور جب اس کو پڑھنے کے لیے کہا جائے اسی وقت سنا سکتا ہے یا نہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ تو سیکھنے اور سکھانے کی باتیں ہیں۔ نہ عبادت جسے ہر ایک کے لیے مستحب بھی قرار دیا جائے (اور اس قاری کے بارہ میں بھی اختلاف ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں) بیشک تلاوت کرنے والے کے حق میں مشروع تو یہی ہے۔ کہ جس حرف سے چاہے پڑھ لے۔ مثلاً دعاء صدیق رضؓ میں کبھی ظلماً کثیراً پڑھ لے کبھی ظلماً کبیراً اور درود کبھی اس حدیث کے الفاظ میں پڑھ لے۔ کبھی دوسری حدیث کے الفاظ میں تشہد کبھی ابن مسعود کبھی ابن عباس کبھی ابن عمر کبھی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے الفاظ میں پڑھ لے۔ علیٰ ہذا دعاء استفتاح خواہ حدیث علی مرتضیٰ۔ خواہ حدیث ابوہریرہؓ خواہ استفتاح عمر رضی اللہ عنہم کے موافق پڑھا کرے۔ خواہ کبھی یہ اور کبھی وہ۔ علیٰ ہذا رکوع سے سر اٹھاتے وقت خواہ اللھم ربنا لک الحمد کہے۔ خواہ ربنا ولک الحمد اور خواہ ربنا لک الحمد پڑھے۔ لیکن یہ کسی نے مستحب نہیں بتلایا۔ کہ ان سب کو جمع کر لیا کرے۔

واضح ہو کہ روایت شدہ تشہدات وغیرہ میں ہر ایک کے جائز ہونے کی دلیل ائمہ نے جن میں شافعی رحؒ بھی ہیں۔ صحاح و سنن کی اس حدیث سے لی ہے۔ جس میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا سات حرف پر اترنا اور ہر ایک کے ساتھ قرأت کا

جائز ہونا بتلایا ہے۔ اور ہر ایک حرف کو کافی شافی فرمایا۔ اور یہ تو معلوم ہی ہے۔ کہ مشروع اس بارہ میں قرأت حروف بطور بدل ہے نہ کہ بطور جمع۔ اور یہی عمل صحابہ رضوان اللہ علیہم کا تھا۔

۴۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کو وقتِ واحد میں کبھی جمع نہیں فرمایا۔

ا۔ یا تو کبھی یہ لفظ فرمایا اور کبھی وہ۔ جیسے دعاء استفتاح۔ اور تشہد اور اذکار۔ رکوع و سجود کے الفاظ ہیں۔ پس اتباع سنت یہ ہے کہ کبھی یہ لفظ اور کبھی وہ پڑھا جائے۔ اور دونوں جمع نہ کئے جاویں۔

ب۔ یا یہ ہوا ہے کہ راوی کو اصل لفظ میں شک ہو گیا ہے۔ پس اگر دعا خواں کے نزدیک کسی لفظ کو ترجیح ہو تب تو اسی لفظ کو اختیار کر لے[1]۔ ورنہ جسے چاہے۔ مگر جمع کرنا مشروع نہیں۔ کیونکہ یہ تیسری صورت ہے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں۔ پس ایک ہی وقت میں ان الفاظ کا جمع کرنا دعا خواں کے مقصود کو باطل کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا قصد تو سنت کا اتباع تھا۔ مگر جو وہ کرتا ہے۔ اسے قطعاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔

---

[1] الفاظ میں سے ایک کو ترجیح دینے کی مثال حدیث استخارہ میں سمجھو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اللھم ان کنت تعلم ان ھذا الامر خیر لی فی دینی و معاشی کے آگے عاقبۃ امری فرمایا ہے یا عاجل امری و آجلہ فرمایا ہے۔ مگر صحیح پہلا لفظ ہے کیونکہ عاجل امری و آجلہ کا وہی مضمون ہے جو دینی و معاشی کا ہے اس صورت میں یہ الفاظ مکرر ہوتے ہیں۔ لیکن عاقبت امری کا کہنا داخل تکرار نہیں۔ دوسری مثال یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت ہوا ہے کہ جو کوئی سورہ کہف کے اول کی دس آیتیں پڑھ لیا کرے گا وہ فتنۃ الدجال سے محفوظ رہے گا۔ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ لیکن بعض راویوں کا اختلاف ہوا۔ کسی نے اول سورہ کہف کہا اور کسی نے آخر سورہ۔ دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ مگر ترجیح اول سورۃ کی روایت کو ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ میں فواتح سورہ کہف کا پڑھنا بیان ہوا ہے۔ اس حدیث کی روایت میں کسی کو اختلاف نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہی روایت اول سورہ کی محفوظ ہے مصنف ۱۲۔

۵ - مقصود تو یہ ہے کہ یہ مطلب ادا ہو سکے۔ جب دو میں سے ایک لفظ کے ساتھ مطلب ادا ہو گیا۔ تو مقصد حاصل ہو گیا۔ اور جمع کی ضرورت نہ رہی۔

٦ - یہ ہر دو الفاظ ایک دوسرے کا بدل ہوتے ہیں۔ اور بدل و مبدل منہ میں معًا جمع کرنا پسندیدہ نہیں ہ

باب (۴) چہارم

درودِ خوانی کے مقام و محل کے بیان میں

نماز میں درود کے فرض ہونے نہ ہونے کی بحث

۱۔ نہایت ضروری اور نہایت موکد مقام درود پڑھنے کا نماز کا آخری تشہد ہے۔ اس کی مشروعیت پر تو مسلمانوں کا اجماع ہے۔ لیکن وجوب میں اختلاف ہے۔

ایک گروہ کا قول ہے کہ نماز میں درود واجب نہیں۔ واجب کہنے والے شاذ۔ اور مخالف اجماع ہیں۔ یہی قول طحاوی اور قاضی عیاض کا ہے۔ خطابی رہ کہتے ہیں۔

"درود نماز میں واجب نہیں۔ یہی قول جماعت فقہاء کا ہے۔ بجز شافعی رہ کے جن کا پیشرو اس مسئلہ میں کوئی نہیں جانتا"

ابن منذر کہتا ہے۔

"شافعی رہ اس مسئلہ میں اکیلے ہیں۔ نماز میں درود واجب نہیں"

اس گروہ کی جو دلیل ہے ہم اُسے قاضی عیاض رہ کے الفاظ میں لکھتے ہیں۔

"نماز میں درود کے فرض نہ ہونے کی دلیل شافعی رہ سے پیشتر سلف صالح کا عمل اور اجماع ہے اور اس مسئلہ میں لوگوں نے شافعی رہ کی بہت ہی شناعت کی ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد ہی کو لو۔ جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا تعلیم اور شافعی کا اختیار کردہ ہے۔ اس میں درود نہیں۔ علے ہذا ابوہریرہ و ابن عباس و ابن عمر و ابوسعید خدری و ابو موسیٰ اشعری و عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی روایات تشہد میں درود نہیں۔ ابن عباس و جابر کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہم کو تشہد اس طرح سکھلایا کرتے تھے جیسے قرآن کی سورت۔ یہی ابوسعید رضہ نے کہا ہے۔ ابن عمر رضہ کہتے ہیں کہ ابوبکر رضہ ہم کو منبر پر پڑھ کر

تشہد یوں سکھایا کرتے تھے جیسے تم اپنے بچوں کو کتاب پڑھایا کرتے ہو۔ یہی حال عمر فاروق رض کا تھا۔ کہ منبر پر چڑھ کر تشہد سکھلاتے تھے۔ اور ان کی کسی روائیت میں بھی درود کا ذکر نہیں ۔

ابن عبدالبر نے تمہید میں کہا ہے کہ نماز میں درود کے فرض نہ ہونے کی دلیل حدیث حسن بن حر ہے وہ قاسم بن مخیمرہ سے روایت کرتا ہے کہ علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا (جیسا کہ میں نے اب تیرا ہاتھ پکڑا ہے) اور کہا کہ عبداللہ نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا جیسا کہ میں نے تیرا ہاتھ پکڑا ہے اور مجھ کو تشہد سکھلایا۔ پھر آخر تشہد تک پڑھ کر کہا۔ جب تو یہ کہہ چکا تو نماز پوری ہوگئی۔ کھڑا ہونا چاہے تو کھڑا ہوجا۔ اور بیٹھا رہنا چاہے تو بیٹھا رہ۔ یہ گروہ کہتا ہے۔ کہ نماز میں درود کے واجب یا سنت نہ ہونے کی حدیث بالا حجت ہے۔ ان کا قول ہے کہ اگر تشہد واجب یا سنت ہوتا تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم بیان فرما دیتے۔ ان کا قول ہے کہ ابو داؤد و ترمذی و طحاوی نے عبداللہ بن عمر رض سے مرفوعاً روائیت کیا ہے۔

اذا رفع راسہ من اخر السجود فقد مضت صلاتہ اذا احدث ۔ جب کسی نے آخری سجدہ سے سر اٹھا لیا تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔ اگر اس کا وضو ٹوٹ جاوے۔

دیکھو یہ دعوے کہ درود کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ کہاں گیا۔ عاصم بن ابی حمزہ رض نے حضرت علی رض سے روائیت کیا ہے کہ جب کوئی مقدار تشہد بیٹھ جاوے اور اس کا وضو ٹوٹ جائے تو نماز پوری ہوگئی۔ علی ہذا اعمش ابو وائل کی روائیت ابن مسعود رض سے تشہد کے بارے میں ہے جس کے آخر میں یہ ہے کہ پھر بات چیت کرے گویا درود کا ذکر نہیں حدیث فضالہ بھی دلیل ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو سنا جو نماز میں دعا مانگتا تھا۔ نہ اللہ کی حمد نہ درود پڑھا۔ فرمایا اس نے جلدی کی۔ پھر اسے اور دوسروں کو فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے حمد و ثنا رب کرے۔ پھر محمد و آل محمد پر درود بھیجے۔ پھر جو چاہے دعا مانگے ۔

دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو اعادۂ نماز کا حکم نہیں دیا۔ لیکن اگر درود فرض ہوتا تب اعادہ کا حکم ضرور دیتے۔ جیسا کہ رکوع و سجود کے تمام نہ کرنے والے کو اعادہ کا حکم دیا تھا۔ ایک دلیل یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو نماز خراب

طور سے پڑھ رہا تھا۔ درود نہیں بتایا۔ اگر یہ فرائض نماز میں سے ہوتا۔ جس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی تب ضرور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُسے سکھلاتے جیسا کہ قرأت و رکوع و سجود اور نماز میں طمانیت کی تعلیم دی تھی۔ ایک دلیل یہ ہے کہ فرائض دلیل صحیح سے جس کا معارض اس کی مثل نہ ہو یا ان لوگوں کے اجماع سے جن کے اجماع پر حجت قائم ہو سکے ثابت ہوا کرتے ہیں۔ (اور یہاں نہ دلیل صحیح ہے اور نہ اجماع)

مذکورہ بالا دلائل اس گروہ کے عمدہ اور بزرگ دلائل ہیں۔ لیکن دوسرے گروہ نے (جو نماز میں وجوب صلوٰۃ کا قائل ہے) نقل و استدلال سے نزاع کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یا اس مذہب کے دوسرے شخص کو شذوذ یا مخالفت اجماع سے منسوب کرنا غلط ہے کیونکہ ایک جماعت صحابہ اور ان کے بعد بھی چند بزرگوں نے مثل شافعی رہ کہا ہے۔ صحابہ میں سے ایک عبداللہ بن مسعود رض ہیں۔ جو نماز میں درود کو واجب سمجھتے اور کہا کرتے کہ جس نے درود نہیں پڑھا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اس کو تمہید میں ابن عبدالبر رہ نے اور دیگر علماء نے روایت کیا ہے۔ ازاں جملہ ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابو جعفر محمد بن علی رہ نے ان سے روایت کی ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میری نماز پوری ہوگی۔ جب تک میں محمد و آل محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر درود نہ پڑھ لوں۔ ازاں جملہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ حسن بن شبیب معمری نے سند کے ساتھ ان سے روایت کی ہے کہ نماز بغیر قرأت و تشہد اور درود کے نہیں ہوتی۔ اگر اس میں سے کچھ بھول جاؤ تب سلام کے بعد دو سجدے کرو۔ قول بالا حسن نے ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے بھی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ تابعین میں سے اس مذہب کے قائل ابو جعفر محمد بن علی اور شعبی و مقاتل و ابن حبان رہ ہیں۔ اور ارباب مذاہب میں سے جن کا اتباع کیا گیا ہے اسحاق بن راہویہ ہیں وہ کہتے ہیں۔ کہ اگر کوئی درود دانستہ چھوڑ دے گا۔ تو اس کی نماز صحیح نہیں۔ اور اگر سہو سے رہ جائے تب میں امید کرتا ہوں۔ کہ پوری سمجھی جائے میں کہتا ہوں کہ اسحاق سے اس بارہ میں دو روایتیں ہیں۔ دونوں کو حرب نے مسائل اسحاق کو روایت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہا میں نے اسحاق سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص تشہد پڑھے اور درود نہ پڑھے۔ کہا

"میں تو کہتا ہوں کہ اس کی نماز جائز ہے مگر شافعی رہ کہتے ہیں جائز نہیں۔ میں

حدیث حر من قاسم کی طرف گیا ہوں۔ اس کے بعد حدیث بیان کی "
پھر حرب نے کہا کہ۔

"میں نے ابو یعقوب اسحاق کو کہتے سنا ہے کہ جب کوئی تشہد سے فارغ ہو امام ہو یا مقتدی وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر ضرور درود بھیجے اس کے سوا اور اس کو کچھ کفائیت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اصحاب نبوی کا قول ہے کہ ہم آپ کو سلام پہنچانا تو جان گئے (یعنی تشہد میں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ پڑھنا) لیکن صلوٰۃ کیونکر ہے۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے آیت اتاری اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر فرمائی۔ پس ادنیٰ درجہ درود کے بارہ میں یہ ہے کہ اسے تشہد کے بعد پڑھنا چاہیئے۔ جلسہ آخر میں تشہد اور درود ایسے مساوی کے دو عمل ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک کو دانستہ چھوڑ دینا کسی کو جائز نہیں۔ ہاں اگر بھول گیا ہے تب میں امید کرتا ہوں کہ (درنہ پڑھنا ہی) کافی ہے۔ معہذا بعض علماء حجاز کہتے ہیں کہ ترک درود کسی حالت میں جائز نہیں۔ ترک ہو جائے تو اعادہ نماز چاہیئے "
حرب کا کلام ختم ہوا۔

رہے امام احمد رح۔ ان سے مختلف روائیت ہے۔ مسائل مروذی میں ہے کہ ابو عبداللہ (امام احمد رہ) سے کہا گیا۔ کہ ابن راہویہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز میں درود چھوڑ دے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ فرمایا میں تو ایسے کہنے کی جرأت نہیں کرتا۔ ایک دفعہ کہا یہ شنذوذ ہے۔ مسائل ابوزرعہ دمشقی میں ہے امام احمدؒ نے فرمایا میں یہ کہنے سے ڈرتا تھا۔ مگر پھر ظاہر ہو گیا کہ نماز میں درود تو واجب ہے "
اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے قول عدم وجوب سے رجوع کر لیا تھا۔

رہا تمہارا یہ قول کہ عدم وجود کی دلیل شافعی رہ سے پہلے سلف صالح کا عمل اور اجماع ہے "
اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارا استدلال یا تو نماز کے اندر لوگوں کے عمل پر ہے یا اہل اجماع کے قول پر۔ پس اگر عمل سے دلیل پکڑتے ہو تب تو وہ ہمارے دلائل میں سے ہے کیونکہ لوگوں کا استمراری عمل ہر قرن ہر زمانہ میں پچھلے تشہد میں درود پڑھنے کا ہے۔ مقتدی ہو یا امام یا تنہا۔ فرض پڑھتا ہو۔ یا نفل۔ یہاں تک کہ جب کسی نے نماز پڑھی۔ اگر تم اس سے پوچھو گے کہ تو نے درود پڑھا تو وہ ہاں کہے گا۔ حتیٰ کہ اگر امام درود پڑھنے کے بغیر سلام

پھیر دے۔ اور مقتدی جان لیں۔ تب مزدور اس فعل کا انکار کریں۔ یہ ایسا درست بیان ہے جسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ پس عمل تو بہت بڑی دلیل تمہارے سے برخلاف ہے۔ اب تم کو یہ کہنا کہاں تک زیبا ہے کہ شافعی رح سے پیشتر سلف صالح کا عمل نفی وجوب کا تھا۔ کیا تم نے سب ہی سلف صالح کو ایسا دیکھا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ہرگز نماز میں درود نہ پڑھتا تھا۔ یہ تو بالکل غلط ہے۔

اب رہی دلیل اجماع مگر درود فرض نہیں۔ اول تو اس کا نام عمل نہیں ہو سکتا۔ معہذا سب اہل اجماع اس مسئلہ کو ایسا نہیں جانتے۔ کیونکہ یہ تو امام مالک اور امام ابو حنیفہ رح اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے یا غایت درجہ یہ کہ اکثر اہل علم کا قول ہے۔ لیکن صحابہ و تابعین اور ارباب مذاہب میں خلاف کرنے والے بھی موجود ہیں۔ چنانچہ ابن مسعود و ابن عمر و ابو مسعود رضی اللہ عنہم اور شعبی و مقاتل بن حبان و جعفر بن محمد و اسحاق بن راہویہ اور (آخری قول میں) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ درود کو واجب بتلاتے ہیں۔ جب ان لوگوں کا خلاف ہے تو اجماع مسلمین کہاں رہا۔ اور سلف صالح کا متفقہ عمل کیونکر ہوا۔ کیونکہ یہ بزرگوار بھی اپنے اپنے طبقہ کے فاضلوں میں سے ہیں۔ بات یہ ہے کہ تحقیق کرنا اس شخص کی شان ہے جو مذاہب علماء کا اتباع نہ کرے۔ اور اجماع و نزاع کے موافق سے پورا آگاہ ہو۔

رہا یہ قول کہ

"کہ لوگوں نے اس مسئلہ میں شافعی رح کی شناعت کی ہے"

سبحان اللہ اس مسئلہ میں ان کی شناعت ہو سکتی ہے۔ یہ تو ان کے مذہب کے محاسن میں سے ہے۔ بتلاؤ تو سہی کہ اس مسئلہ میں کون سی کتاب ہے یا سنت یا اجماع شافعی رح کے خلاف ہے جب آخری تشہد میں درود کا پڑھنا بلا خلاف نماز کا تمام کرنے والا ہے (خواہ واجبات میں خواہ مستحبات میں سے) اور امام شافعی رح باقتضائے دلائل جس کی صحت ان کے نزدیک ثابت ہو گئی۔ اور جو آگے چل کر لکھی جائیں گی۔ اس کو واجبات میں سے قرار دے دیا۔ تو اس سے خلاف نص یا خرق اجماع کیونکر لازم آ سکتا ہے۔ اور اگر نہیں تو پھر ان پر شناعت کیسی۔ اور کیا شناعت کنندہ خود ہی اس شناعت کا زیادہ مستحق نہیں؟

رہا یہ قول کہ

"تشہد ابن مسعود رض میں درود نہیں اور اسی کو شافعی رح نے اختیار کیا ہے"

سو یہ تشہد تو اسی طرح ہے۔ شافعی رح نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ مگر انہوں نے

تشہدِ ابن عباس رضہ کو اختیار کیا ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ رح و امام احمد رح نے تشہدِ ابن مسعود رضہ کو اور امام مالک رح نے تشہدِ عمر رضی اللہ عنہ کو اختیار کیا ہے۔ اور اس قول کا جواب بہ چند وجوہ ہے۔

ا۔ اس دلیل سے تشہد کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن کسی دوسرے کلام کی نفی وجوب اس میں کہاں ہے۔ کیونکہ اس میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ اس قعدہ میں جتنا ذکر واجب ہے وہ سب یہی تشہد ہے۔ پس درود کا دوسری دلیل سے واجب ہونا احادیث تشہد کا جن میں ذکر درود نہیں، معارض نہیں۔

۲۔ تم سلام کو واجب جانتے ہو۔ حالانکہ احادیث تشہد میں یہ نہیں بتلایا گیا۔ اگر تم کہو گے کہ اس کا واجب ہونا حدیث تحریمہا التکبیر و تحلیلہا التسلیم سے ثابت ہے تو ہم نے بھی درود کو دیگر دلائل سے واجب ٹھہرایا ہے۔ پس اگر تشہد کی تعلیم درود کے واجب ہونے کی مانع ہے۔ تو وجود سلام کے لئے بھی ہے۔ اور اگر اس کے لیے نہیں۔ تو درود شریف کے لیے بھی نہیں۔

ا۔ محمد بن ابراہیم تیمی کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

کیف نصلی علیک اذا نحن جلسنا فی صلاتنا! — جب ہم اپنی نماز کے اندر بیٹھ جائیں۔ تو حضور پر درود کیونکر بھیجیں۔

ب۔ درود جس کی تعلیم کا صحابہ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا وہ سلام کی نظیر ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو پہلے سکھلایا تھا۔ کیونکہ سوال صحابہ کے یہ الفاظ ہیں۔

ھذا السلام علیک قد عرفناہ فکیف الصلوٰۃ علیک! — یعنی آپ پر سلام بھیجنے کو تو ہم جان گئے۔ مگر درود کی کیفیت کیا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ سوال میں جس سلام کا ذکر ہے وہ نماز میں السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ کا پڑھنا ہے۔ پس ضرور ہوا کہ درود بھی جس کا سوال میں سلام کے ساتھ ہی ذکر ہے نماز میں ہی ہو۔ مفصل تقریر آگے لکھی جاوے گی۔

۴۔ اگر یہ ہو سکتا ہے کہ احادیث تشہد سے درود کا واجب ہونا ثابت ہے۔ تب بھی وجوب کے دلائل ان سے مقدم ہیں۔ کیونکہ اس بارہ میں جو کچھ تم نے بیان کیا ہے۔ ان کا

غایت یہ ہے کہ احادیثِ تشہد کسی دوسرے کلام کے وجوب سے ساکت ہیں، لیکن ایسی دلیل اس دلیل کی جو وجوب کی ناطق ہو معارض نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ اُسے مقدم بھی رکھا بھی جائے۔ (اس لیے درود کے واجب ہونے کی دلیل بھی مقدم ہے) بیشک ناقل منفی پر مقدم ہوتا ہے۔ اور ان میں تعارض نہیں۔ کیونکہ دلائل تشہد سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ وجوبِ غیر سے ساکت ہیں۔ مگر ایسی دلیل کیونکر اس دلیل سے متعارض ہو سکتی ہے جو وجوب کی ناطق ہو۔

۵۔ تشہد کی تعلیم پہلے دی گئی ہے۔ شاید اس وقت ہی جب نماز فرض ہوئی تھی۔ لیکن درود کی تعلیم آیت اِنَّ اللّٰہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی کے نزول کے بعد ہے۔ (اور یہ ظاہر ہے کہ یہ آیت ام المومنین زینب بنت جحش کے نکاح اور واقعہ تخییرِ ازواج کے بعد نازل ہوئی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ اگر دلائل تشہد سے کسی اور کلام کا واجب نہ ہونا بھی نکلتا تھا۔ تب بھی وہ منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ وجوب درود کے دلائل اس سے متاخر اور ناسخ ہیں۔ تشہد سے درود کے متاخر ہونے کی دلیل اس سوال میں ہے کہ "ہم لوگ حضورؐ پر سلام تو جان گئے۔ مگر درود کی کیا کیفیت ہے"

کیونکہ سلام جس کا ذکر الفاظِ بالا میں ہے وہ تشہد میں ہی ملا ہوا ہے۔ اور تشہد کے سوا نماز میں تنہا مشروع نہیں واللہ اعلم۔

رہا پہلے گروہ کا قول کہ نماز میں درود کے فرض نہ ہونے کی دلیل روایت ابن مسعود رضؓ ہے جس کے آخر میں یہ ہے کہ "جب تو یہ (تشہد) کہہ چکا تو نماز پوری ہو گئی " "کھڑا ہو جانا چاہے تو کھڑا ہو جا۔ بیٹھا رہنا چاہے تو بیٹھا رہ "

اس کا جواب بہ چند وجوہ ہے :۔

۱۔ حدیث میں یہ آخری فقرے زیادہ ہیں۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نہیں۔ چنانچہ ائمہ حفاظ نے اسے ظاہر کر دیا۔ دار قطنی نے کتاب العلل میں لکھا ہے کہ اس حدیث کا راوی (اپنی سند کے ساتھ) حسن بن حر ہے۔ اور حسن سے محمد بن عجلان۔ حسین جعفی۔ زہیر بن معاویہ عبدالرحمٰن بن ثابت بن ثوبان روایت کرتے ہیں۔ ابن عجلان اور حسین جعفی تو متفق اللفظ ہیں۔ زہیر نے یہ آخری فقرے بڑھا دیئے ہیں۔ اور زہیر کے بعض راویوں نے اس کو حدیث نبوی میں ملا دیا ہے۔ حالانکہ شبابہ بن سوار جو زہیر سے

ہی روایت کرتا ہے اس نے ان فقرات کو کلام ابن مسعود رضؓ بتلایا ہے۔ چنانچہ ابن ثوبان نے بھی حدیث نبویؐ اور کلام ابن مسعود رضؓ میں فرق دکھلا دیا ہے اور یہی صواب ہے"۔

یہ کتاب السنن میں ہے کہ زہیر سے روائیت کرنے میں کسی نے اس زیادۃ کو درج کر دیا۔ حالانکہ شبابہ راوی زہیر نے اُسے جدا رکھا اور کلام ابن مسعود رضؓ بتلایا ہے۔ یہی صواب تر ہے۔ کیونکہ ابن ثوبان نے بھی شبابہ کی طرح روائیت کی ہے۔ اور حسین بن جعفی وابن عجلان نے تو بالکل اسے ذکر ہی نہیں کیا جیسا کہ تشہد ابن مسعود رضؓ کو روائیت کرنے والے اور راویوں نے بھی اسے روائیت نہیں کیا۔ شبابہ نے اس زیادۃ کو بیان بھی کیا۔ تو فاصلہ دے کر۔ دار قطنیؒ اس روایت کو اس روایت سے جس نے اس فقرہ کو کلام نبویؐ کہا صحیح تر کہتے ہیں۔ غسان بن ربیع وغیرہ نے بھی شبابہ کی پیروی کی ہے۔ ابو بکر خطیب نے بھی اسی کو صحیح کہا ہے۔ اس بیان پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ابھی تو تم نے ابن مسعود رضؓ سے یہ روائیت کی تھی۔ کہ نماز میں درود پڑھنا واجب ہے۔ اور ابھی تم نے ہمارے موافق ہو کر مان لیا۔ کہ بقول ابن مسعود رضؓ تشہد پر نماز ختم ہو جاتی ہے۔ پس حدیث بالا کے آخری فقرہ دو حال سے خالی نہیں:۔

۱۔ یا تو یہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں۔ تب تو درود کے واجب نہ ہونے پر نص ہیں۔

۲۔ یا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے تب اس روائیت کو باطل کرتے ہیں جو درود کے واجب ہونے کی ان سے بیان کی جاتی ہے۔

یہ اعتراض بیشک قوی ہے اور اس کے چند جواب دیئے گئے ہیں۔

۱۔ قاضی ابو الطیب کا قول ہے کہ "نماز پوری کر لی" کے معنے یہ ہیں کہ تمام کے قریب پہنچ گیا۔ اس معنے کی دلیل جمہور کا اتفاق ہے کہ اس وقت تک نماز تمام نہیں ہوئی" مگر یہ جواب ضعیف ہے۔ کیونکہ اس سے آگے یہ الفاظ ہیں کہ

"اگر تو کھڑا ہو جانا چاہے تو کھڑا ہو جا۔ اور بیٹھا رہنا چاہے تو بیٹھا رہ"

اور جو لوگ درود کو نماز میں واجب بتلاتے ہیں۔ وہ نمازی کی مرضی پر نہیں چھوڑتے۔

۲۔ ایک جواب یہ ہے کہ حدیث کی روائیت تشہد کے بارے میں بالمعنیٰ ہوئی ہے۔ ابتداء میں لوگ کہا کرتے تھے السلام علی اللہ۔ پھر ان کو بتلایا گیا کہ خدا تو خود سلام ہے۔ لیکن تم

اس طرح کہا کرو۔ پھر ان کو تشہد سکھلایا گیا۔ پس اس قول کہ

"جب تو نے یہ پڑھ لیا تو نماز پوری ہوگئی" کے معنے یہ ہیں۔ کہ نماز میں جو کچھ رکوع و سجود۔ قرأت و تسلیم اور دیگر احکام ضروری ہیں ان کے ملا لینے سے نماز پوری ہوگئی دلیل یہ ہے کہ اس میں سلام پھیرنے کا ذکر نہیں۔ حالانکہ وہ فرض ہے۔ وجہ یہ کہ لوگ پہلے سے جانتے تھے۔ اس قول کی نظیر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صدقہ کے بارہ میں ہے۔ کہ

"وہ اغنیاء سے لیا جاتا اور فقراء پر لوٹا دیا جاتا ہے"

فقراء سے مراد آٹھ قسمیں ہیں۔ جن کا نام قرآن مجید میں ہے۔ وہ حدیث بھی اس کی نظیر ہے جس میں بری طرح نماز پڑھنے والے کا ذکر ہے اور جس کو تیسری دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا تھا۔ مگر اس میں تشہد اور سلام کا ذکر نہیں۔ حالانکہ ان کے واجب ہونے پر اور احادیث موجود ہیں۔ پس اسی طرح درود کا واجب ہونا بھی دیگر احادیث سے سوا اس حدیث کے لیا گیا ہے۔ دیکھو جس طرح پر یہ جائز ہے کہ حدیث ابن مسعود رضہ سے تشہد کو واجب ٹھہرانا جائز ہے۔ اور جو شخص صرف مقدار تشہد بیٹھ جانے کو یا آخر رکعت کا پچھلا سجدہ کر لینے کو نماز کا پورا کر لینا سمجھتا ہے اور اس کا رد حدیث سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جو شخص درود کے واجب ہونے کا قائل ہے اُسے جائز ہے کہ دیگر احادیث سے حجت پکڑے اور جو قائل نہیں اس پر دلیل قائم کرے۔ بلکہ یہ استدلال دوسرے گروہ کے استدلال سے زیادہ قوی ہے کیونکہ یہ استدلال کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور عمل امت (زمانہ در زمانہ) پر ہے۔ اگر یہ دلیل وجوب تشہد کے استدلال سے زیادہ قوی نہیں۔ تو کچھ اس سے کم بھی نہیں۔ کیونکہ اگر ایسے فقہا موجود ہیں جنہوں نے ہمارے ساتھ اس مسئلہ میں تنازعہ کیا ہے تو ایسے بھی موجود ہیں جنہوں نے وجوب تشہد میں تمہارے ساتھ بھی نزاع کیا ہے۔ اب دلیل کی قوت دیکھ لینی چاہیئے۔

۲۔ ایک جواب یہ ہے۔ کہ اس قول سے جو نہ مرفوع ہے نہ موقوف ہم پر حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ یہ الفاظ کہ

"جب تو نے یہ کہا تو تیری نماز پوری ہوگئی"

یا تو صرف تشہد کے متعلق ہیں۔ یا جملہ واجبات کے۔ اول تو محال اور باطل ہے۔ اور دوسری صورت حق۔ لیکن یہ صورت واجبات نماز میں سے کسی واجب کی جس میں فقہاء کا اختلاف ہے نفی نہیں کرتی۔ وجوب درود کی خصوصیت سے نفی تو کیا کرنی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سلام نماز کے اتمام اور واجبات میں سے ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک۔ علیٰ ہذا تشہد میں بیٹھنا مگر اس کا بیان نہیں ہوا۔ علیٰ ہذا جس پر سہو واجب ہو۔ اس کی نماز بھی صرف تشہد سے ہی پوری نہیں ہوتی۔

۴۔ ایک جواب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تشہد فرض نہیں۔ بلکہ مقدارِ تشہد بیٹھے رہنا ہی نماز کو پورا کر دیتا ہے۔ اور یہ حدیث دال ہے کہ نماز تشہد کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔ پس اگر تم اس سے یہ دلیل پکڑتے ہو کہ جب تشہد پر پورا ہونا نماز کا معلق کر دیا تو اس کے بعد درود کا واجب قرار دینا صحیح نہیں۔ تو یہ دلیل عدم وجوب تشہد کے قول میں تم پر ہی قائم ہو جاوے گی۔ کیونکہ وہاں بھی نماز کے پورا ہونے کو صرف نشست سے معلق کر دیا گیا ہے۔ اور اس سے وجوب تشہد کا قول باطل ہو جاوے گا۔ لیکن اگر حدیث ابن مسعودؓ سے یہ استدلال صحیح نہیں۔ تب وجوب درود کے دلائل میں معارضہ کا ہونا باطل ہو گیا۔ اور عدم وجوب درود کے متعلق بھی تمہارا قول غلط ٹھہرا۔ اگر تم یہ جواب دو گے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مستحب تمام ہو جاتے ہیں۔ تو یہ فاسد ہے۔ قائلِ وجوب اور عدم وجوب دونوں کے نزدیک۔ کیونکہ جو کوئی وجوب درود کا قائل نہیں۔ اتنا تو وہ بھی مانتا ہے۔ کہ نماز کو درود کے ساتھ پورا کرنا مستحب ہے۔ اور جو وجوب کا قائل ہے وہ تو صاف کہتا ہے کہ واجبات درود کے ساتھ ہی پورے ہوتے ہیں۔ پس بہر دو صورت اس حدیث سے استدلال تمہارے لیے اصلاً ممکن نہیں۔

باقی رہا ابو داؤد و ترمذی کا عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کو روایت کرنا جس میں یہ ہے کہ جب سجدۂ آخری سے سر اٹھایا تو نماز پوری ہو گئی۔ اس کا جواب بچند وجوہ ہے۔

۱۔ حدیث معلول ہے اور اس کی تعلیل بچند وجہ ہے۔

۲۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھ دیا ہے کہ اس کی اسناد قوی نہیں۔ بلکہ اسناد میں اضطراب ہے۔

۳۔ اس میں عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی کی روایت ہے جسے ایک سے زیادہ ائمہ نے

ضعیف کہا ہے۔

۳۔ اس حدیث کو بکر بن سوادہ نے عبداللہ بن عمر سے روائیت کیا ہے۔ حالانکہ وہ حضرت عبداللہ سے نہیں ملا۔ پس یہ منقطع ہے۔

۴۔ مضطرب الاسناد ہے۔

۵۔ مضطرب المتن ہے کبھی تو یوں روائیت کیا ہے اذا رفع راسہ من السجدۃ فقد مضت صلوتہ یہ ابوداؤد کے لفظ ہیں۔ اور کبھی یوں کہا اذا احدث الرجل وقد جلس فی اٰخر صلوتہ قبل ان یسلم فقد جازت صلوتہ یہ ترمذی کے لفظ ہیں۔ اور کبھی یوں کہا کہ اذا قضی الامام الصلوٰۃ فقعد فاحدث ھو او احد من اتم بالصلوٰۃ معہ قبل ان یسلم الامام فقد تمت صلوتہ یہ طحاوی کے لفظ ہیں اور اس کے معنے ہی آئے ہیں۔ طحاوی کا قول ہے کہ زیادہ لفظوں کے ساتھ بھی روائیت ہوئی ہے جو یہ ہیں۔ اذا رفع المصلی راسہ من اٰخر صلوتہ وقضی تشہدہ ثم احدث فقد تمت صلوتہ اور ان کا سب کا مدار افریقی پر ہے۔ جس سے شک ہوتا ہے کہ زیادہ اس کے حافظہ کی خرابی ہے واللہ اعلم۔

رہا یہ کہنا کہ حضرت علی رض کا قول ہے کہ جب کوئی مقدار تشہد بیٹھ جاوے تو نماز پوری ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علی بن سعید نے اپنے مسائل میں کہا ہے کہ میں نے احمد رح بن حنبل سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی تشہد چھوڑ دے۔ فرمایا نماز پھر لوٹا دے میں نے کہا حضرت علی رض کی جو حدیث ہے فرمایا یہ صحیح نہیں۔ بلکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے جو حضرت علی رض و حضرت عبداللہ بن عمر رض کے اقوال کے خلاف مروی ہوا ہے۔

رہا تمہارا یہ قول کہ اعمش نے ابو وائل سے اس نے عبداللہ سے قصہ تشہد کو بیان کیا ہے کہا پھر جو چاہے کلام کرے۔ اس میں درود کا ذکر نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ غائیت درجہ یہ روائیت وجوب درود سے ساکت ہے۔ لیکن احادیث وجوب کے معارض کسی طرح نہیں۔

رہا تمہارا یہ قول کہ حدیث فضالہ بن عبید نفی وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث تو ہمارے لیے حجت ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے تشہد میں درود کا حکم دیا ہے۔ آپ کا حکم وجوب کے لیے ہے۔ اور ایسا ھی ہے جیسے تشہد کے لیے۔ پس حکم دونوں پر شامل ہے اور دونوں میں تفریق کرنا محض

محکم ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ ہمارے نزدیک تشہد ہی واجب نہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہمارے لیے دونوں مسئلوں میں حجت ہے۔ اور اتباع دلیل واجب ہے۔

رہا تمہارا یہ قول کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس نمازی کو اعادہ نماز کا حکم نہیں دیا۔ اور اگر درود فرض ہوتا تو اعادہ کا حکم دیتے۔ جیسا کہ بری طرح نماز پڑھنے والے کو حکم دیا تھا۔

اس کا جواب چند وجوہ سے ہے:۔

۱۔ وہ شخص وجوب کا عالم نہ تھا۔ بلکہ معتقد تھا۔ کہ واجب نہیں۔ اس لیے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اعادہ کا حکم تو نہ دیا۔ مگر آیندہ کے لیے فرمادیا آیندہ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وجوب کی دلیل ہے اور اعادہ کے لیے حکم نہ دینا ظاہر کرتا ہے کہ جو وجوب کا علم نہ رکھتا ہو اُسے معذور سمجھا جاوے۔ چنانچہ دیکھو کہ اس بری طرح نماز پڑھنے والے کو بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے گذشتہ نمازوں کے اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ عذر جہالت کی وجہ سے صرف یہی تبلادیا۔ کہ ایسی نماز جس میں تعدیل ارکان موجود نہ ہو کے سوا اور نماز ٹھیک نہیں ہوتی۔ اگر کوئی پوچھے کہ جہالت اس کے لیے عذر تھا تو اسی نماز کے اعادہ کا کیوں حکم فرمایا۔ تو وجہ یہ ہے کہ وقت نماز باقی تھا۔ اور وہ ارکان نماز جان چکا تھا۔ اس لیے اس نماز کا ادا کرنا اس کے لیے ضروری تھا۔

اب اگر کوئی کہے کہ تارک درود کو اعادہ کیوں حکم نہ فرمایا جیسا کہ بری طرح نماز پڑھنے والے کو فرمایا تھا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ درود پڑھنے کا حکم تو اس میں محکم و ظاہر ہے۔ اور احتمال ہے کہ اس شخص نے یہ سن کر خود ہی بلا حکم کے نماز لوٹائی ہو اور احتمال ہے کہ نماز نفل ہو اور اعادہ اس پر واجب نہ ہو۔ اس کے سوا اور احتمال بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر ہم ظاہر و دلیل محکم کو اس مشتبہ محتمل صورت کی وجہ سے ترک نہیں کر سکتے۔ واللہ اعلم۔

غرض یہ حدیث فضالہ مشترک الدلالت ہے۔ اور فریقین کے لیے برابر ہے۔ عدم وجوب والوں پر کچھ زیادہ حجت نہیں۔ اور رہی ترجیح دلالت میں وہ ہماری طرف ہے پس بہر حال یہ احتجاج ساقط ہے۔

رہا تمہارا یہ قول کہ بری طرح پر نماز پڑھنے والے کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے درود نہیں تبلایا اگر فرض ہوتا تو ضرور فرمادیتے۔ اس کا جواب چند وجوہ سے ہے:۔

۱۔ یہ حدیث جسے متاخرین نے ہر ایک واجب کی نفی کرنے کے لیے مستند بنایا ہے۔

فوق قوت اس کا حمل کیا ہے۔ اور جس کسی سے وجوب میں اختلاف تھا۔ اس کی نفی وجوب میں مبالغہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ کسی نے اسی کی حجت پر وجوب فاتحہ کی نفی کی کسی نے وجوب سلام کی۔ کسی نے وجوب درود کی کسی نے رکوع و سجود کے اذکار کے وجوب کی۔ اور کسی نے ہر دو رکن میں اعتدال کی۔ اور کسی نے تکبیرات انتقالات کے وجوب کی۔ اور ان سب استدلال میں تساہل و استرسال ہے ورنہ حالت یہ ہے کہ ان میں سے کسی شے کے وجوب کی نفی تحقیق کے وقت ثابت نہیں ہوتی۔ نہایت درجہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس میں وجوب اور نفی سے سکوت ہے۔ مگر جن اذکار کا وجوب ثابت ہے یہ سکوت ان کا معارض نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ایک کا حکم دے کر دوسرے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سکوت بھی دلالت کرتا ہے کہ وہ واجب نہیں۔ کیونکہ یہ سکوت مقام بیان میں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ضرورت کے وقت تاخیر بیان ناجائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وجہ پر استدلال کرنا کسی کے لیے ممکن نہیں۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ کوئی کہہ دے کہ نہ تشہد واجب ہے نہ اس کے لیے بیٹھنا نہ سلام۔ نہ نیت نہ قرأت فاتحہ۔ اور نہ سب چیزیں جن کا حدیث میں ذکر نہیں۔ بلکہ نہ استقبال قبلہ واجب ہے اور نہ وقت پر نماز کیونکہ اس حدیث میں ان کا حکم نہیں پایا جاتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اگر یوں کہو گے کہ اچھا جہاں جہاں اس نے خرابی کی تھی وہاں تو بتلایا اور درود کے لیے نہ فرمایا تو جواب یہ ہے کہ تم اپنے سوال کو ہی جواب سمجھو۔ اور حدیث مسئی کے ساتھ جس جس چیز کے وجوب کی نفی کرتے ہو ان کے لیے بھی یہی کافی جواب سمجھ لو۔

۲۔ اجزاء نماز میں سے جن کے لیے حکم موجود ہے اس کے وجوب کی دلیل تو ظاہر ہے۔ اور جس امر کو بیان نہیں کیا گیا ہے۔ اس میں چند امور کا احتمال ہے :-

الف۔ وہ شخص ان میں خرابی نہ کرتا تھا اور بری طرح سے ان کو ادا نہ کرتا تھا۔

ب۔ باقی امور بعد میں فرض ہوئے۔

ج۔ معظم اور اہم ارکان تو بتلا دیئے اور باقی تعلیم کو اپنے نماز کے مشاہدہ پر مسائل کے لیے یا بعض صحابہ کی تعلیم پر حوالہ کر دیا کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم (کسی صحابی

کو اکثر دے دیا کرتے تھے کہ ناواقف کو سکھلا دے۔ اور جاہل کو سکھلانا۔ بھٹکے ہوئے کو راہ پر ڈالنا یہ تو ان کی ایک معمولی عادت ہو گئی تھی۔ اور اس بارہ میں کوئی وجہ نہیں ہے کہ کیوں کچھ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہو اور کچھ صحابہ نے۔ اور جب یہ احتمالات موجود ہیں۔ تو پھر یہ مشتبہ و محتمل نہ تو وجوب درود کی ادلہ کا معارض ہو سکتا ہے۔ اور نہ دیگر واجبات نماز کی دلیلوں کا۔ چہ جائیکہ ان دلائل پر اسے تقدم بھی دیا جائے۔ اس لیے لازم ہے کہ صریح و محکم کو مشتبہ و مجمل پر مقدم رکھا جاوے۔ (واللہ اعلم)

رہا یہ قول ان کا کہ فرائض دلیل صحیح سے جس کی معارض ویسی ہی کوئی دلیل نہ ہو۔ یا اجماع سے ثابت ہوا کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ آپ کو ہمارے دلائل وجوب بھی سن لینے چاہئیں۔

① دلیل اوّل

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مومنین کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کا امر فرمایا۔ اور امر مطلق وجوب کے لیئے ہوتا ہے۔ تاوقتیکہ اس کے خلاف پر دلیل قائم نہ ہو اور یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس درود مامور بہا کی کیفیت کا سوال کیا تو فرمایا کہا کرو اللھم صل علی محمد الحدیث۔ اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ سلام جو آنحضرت نے صحابہ کو سکھلایا تھا۔ وہ نماز میں ہے۔ یعنی سلام تشہد۔ پس ہر دو امر۔ ہر دو تعلیم اور ہر دو محل کا مخرج ایک ہے۔ جو واضح کرتا ہے کہ تشہد کی تعلیم بطور امر ہے۔ اور سلام کا ذکر اسی میں ہے۔ پھر صحابہ نے درود کا سوال کیا۔ تو وہ بھی سکھلایا۔ اور اُسے تسلیم کے ساتھ مشابہ کیا۔ یہ دلالت کرتا ہے کہ جس صلوٰۃ و تسلیم کا ذکر حدیث میں ہے یہ دونوں وہی ہیں جو نماز میں ہیں۔ بیشک یہ واضح کرتا ہے کہ اگر یہ صلوٰۃ و تسلیم نماز سے خارج ہوتے اور نماز کے اندر مراد نہ ہوتی۔ تب ضرور ہر ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے وقت السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ برکاتہ کہا کرتا۔ حالانکہ یہ بخوبی معلوم ہے کہ سلام کرنے میں صحابہ کو اس کیفیت کی پابندی نہ تھی۔ بلکہ جو آتا السلام علیکم کہا کرتا۔ یا کبھی السلام علی رسول اللہ یا کبھی السلام علیک یا رسول اللہ عرض کیا کرتا۔ اور سلام تحیت تو اول اسلام سے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو سلام عرض کیا جاتا تھا۔ پس جو کچھ (بعد میں) سکھلایا گیا۔ وہ اس مقدار (تحیت) سے زائد ہے
جو بالتحقیق نماز کے اندر سلام کرنا ہے۔ اس مطلب کی توضیح حدیث ابو اسحاق سے ہوتی ہے
جس میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم کیوں کر درود پڑھیں جب ہم نماز میں آپ پر درود پڑھیں۔
اس لفظ کی حفاظ کی ایک جماعت نے تصحیح کی ہے۔ ابن خزیمہ و ابن حبان و حاکم و دارقطنی
و بیہقی ان میں سے ہیں۔ یہ حدیث پہلے باب میں مع اس کی علت اور اس کے جواب کے بیان
ہو چکی ہے۔ غرض جب ثابت ہو چکا۔ کہ جس درود کی کیفیت کا سوال کیا گیا ہے وہ نماز کے
اندر کا درود ہے۔ تو گویا قرآن مجید میں جس کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ اسی کا بیان ہے۔ تو اس سے
درود کا وجوب ثابت ہو گیا۔ اسی کے ساتھ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے امر کو شامل کر لینا چاہیئے
شاید یہی وجہ ہے جس کی طرف امام احمد رہ نے اپنے قول میں اشارہ کیا ہے۔ کہ میں اس سے رُکتا تھا
مگر وہ تو واجب ہے۔

اس استدلال پر چند سوال وارد ہوتے ہیں

اوّل

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد۔
والسّلام کما علمتم ! اور السلام ویسا ہی جیسا تم جانتے ہو۔
میں دو احتمال ہو سکتے ہیں۔ یا تو نماز میں آنحضرت ص پر سلام کرنا ہے یا نماز سے فارغ ہونے
کا سلام کرنا۔ یہ قول ابن عبد البر کا ہے۔

دوم

جو کچھ بیان ہوا ہے یہ دال ہے کہ سلام کے ساتھ درود مقترن ہے۔ اور چونکہ سلام
تشہد میں واجب ہے اسی طرح درود بھی واجب ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ دلالت
اقتران ضعیف ہوتی ہے۔

سوم

ہم نے سلام کے وجوب کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور نہ درود کو۔ اور یہ استدلال جب پورا

ہوتا ہے۔ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام کا وجوب مان لیا جاوے۔

ان سوالات کے جوابات

سوال اوّل

تو بہت ہی فاسد ہے کیونکہ الفاظ حدیث اس کو باطل کرتے ہیں۔ حدیث ابو سعیدؓ میں بخاری کے لفظ یہ ہیں۔

هذا السلام عليك يا رسول الله قد عرفناه فكيف الصلوٰة عليك!

(اے خدا کے رسول یہ سلام ہے جو حضورؐ پر کیا جاتا ہے اسے تو جان گئے۔ مگر حضورؐ پر درود کی کیا کیفیت ہے)۔

پھر یہ سمجھ کر صحابہ نے صلوٰۃ وسلام کا جو سوال کیا تھا۔ وہ اس صلوٰۃ وسلام کی بابت تھا جس کا حکم ہوا تھا۔ نہ کہ نماز سے فارغ ہونے کا سلام۔

سوال دوم

اس شخص کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ جو تقریر وجہ دلالت کو نہیں سمجھا۔ کیونکہ ہماری حجت دلالتِ اقتران کی صورت پر نہیں۔ ہمارا استدلال تو یہ ہے۔ کہ قرآن مجید میں اس کا حکم ہوا۔ اور جب صحابہ نے اس کے سیکھنے کی درخواست کی تب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ یہ درود جس کا حکم ہوا ہے نماز میں ہے۔

سوال سوم

نہایت ہی فاسد ہے۔ کیونکہ کسی مخالف کا یہ حق نہیں۔ کہ اگر کتاب وسنت کے دلائل کو اپنے خلاف پائے تو اس سے منہ پھیر لے۔ سو اب تمہارا اختلاف ایسے مسئلہ میں جس میں تمہاری جانب سے نزاع کرنے والے کے قول پر دلیل قائم ہو چکی ہے۔ کیونکر چل سکتا ہے۔ اور وہ خلاف بھی ایسا جو ایک ایسی صحیح دلیل کو جس کا دوسرے مسئلہ میں بھی کوئی معارض نہیں باطل ٹھہراتا ہو۔ یہ طریق اہل علم کے طریقہ کے خلاف نہیں۔ صحیح طریق تو یہ ہے کہ

جو دلائل اپنے سے مخالف اقوال کو باطل ٹھہراتی ہیں۔ اور جن کے سامنے ان کے خلاف کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ وہ بہر حال ان مخالف اقوال پر مقدم ہوتے ہیں نہ یہ کہ اقوال علماء کے ساتھ تعارض اولہ کیا جائے۔ اور مقتضائے دلائل کو باطل ٹھہرایا جائے۔ اور اقوال کو ان دلائل پر تقدم دیا جائے۔ بایں ہمہ حدیث دونوں مسئلوں میں تم پر حجت قائم کرتی ہے۔ کیونکہ اس میں وجوب تسلیم اور وجوب درود کی دلیل موجود ہے اس لیے اس پر رجوع کرنا ضروری ہے۔

دلیل دوم

نبی صلے اللہ علیہ وسلم درود شریف کو نماز میں پڑھا کرتے تھے اور ہم کو حکم ہے کہ ہم نماز رسول اللہ جیسی پڑھیں۔ اور یہ حکم نماز کے ہر فعل کو واجب قرار دیتا ہے۔ بجز اس کے جسے دلیل نے خاص کر دیا ہو۔ یہ دو مقدمہ ہوئے۔ نماز میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم درود پڑھا کرتے تھے۔ اس کی حدیث مسند شافعی رح میں ہے۔ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ نماز میں پڑھا کرتے تھے اللھم صل علی محمد و علی ال محمد ——— کما صلیت علی ابراھیم وال ابراھیم وبارک علی محمد وال محمد کما بارکت علی ابراھیم وال ابراھیم اس سند میں ابراہیم بن ابی یحیے ہے۔ جسے ایک جماعت نے کہ شافعی و ابن حبان و ابن عدی و ابن عقدہ اس میں سے ہیں ثقہ کہا ہے۔ اور باقی نے ضعیف۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھنے کی حدیث صحیح بخاری میں ہے۔ جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اپنے گھروں کو جاؤ۔ وہاں کے لوگوں کو سکھلاؤ۔ اور بتاؤ۔ اور ایسی نماز پڑھو جیسی مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔ جب وقت نماز ہو ایک اذان دے اور جو بڑا ہو وہ امامت کرائے"

اس استدلال پر جو سوال و اعتراض ہیں۔ وہ دوسری جگہ مذکور ہیں۔

دلیل سوم

فضالہ بن عبید کی حدیث ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لم و لعنۃ اذا صلی احدکم

فلیبدأ بتحمید اللہ والثناء علیہ ثم یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یدعو بما شاء
اس کو امام احمد واہل سنن نے روائیت کیا ہے۔ اور ابن خزیمہ وابن حبان وحاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اس پر بچند وجوہ اعتراض یوں ہے۔

ا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس نمازی کو اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ اس کا جواب لکھا گیا۔

۲۔ یہ تو نماز ختم ہونے کے بعد کی دعا ہے۔ نہ نماز کے اندر کیونکہ ترمذی نے رشدین کی روائیت سے کہا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی آیا اور نماز پڑھی۔ پھر کہا اللھم اغفر لی وارحمنی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے نماز پڑھنے والے جب تو نے نماز پڑھی۔ اور تو بیٹھا۔ پس اللہ کی حمد اس کے شائستہ کر۔ مجھ پر درود پڑھ۔ پھر دعا مانگ۔ اس کا جواب بچند وجوہ ہے۔

ا۔ رشدین کو ابوزرعہ وغیرہ نے ضعیف بتلایا ہے۔ جب وہ روائیت میں تنہا ہو تو حجت نہیں۔ خصوصاً جب کہ ثقہ وثابت راویوں کا خلاف کرے۔ کیونکہ سب نے یوں روائیت کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سنا جو اپنی نماز میں دعا مانگتا تھا۔

ب۔ رشدین نے یہ نہیں کہا کہ اس نمازی نے نماز پورا ہو جانے پر دعا مانگی تھی۔ اور کوئی لفظ بھی اس پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ فصلی اور اللھم اغفر لی؛ جو الفاظ موجود ہیں یہ فراغت پر دلالت نہیں کرتے۔ اور حدیث ہمارے مدعا کی دلیل ہے۔ کیونکہ اس میں اذا صلی احدکم فلیبدأ بتحمید اللہ موجود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کی حالت کو ان الفاظ سے نہیں بیان کیا کرتے۔ خصوصاً جب کہ یہ بھی معلوم ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی عام دعائیں نماز کے اندر ہوتی تھیں۔ نہ بعد۔ جیسا کہ ابوہریرہ وعلی وابوموسیٰ وعائشہ وابن عباس وحذیفہ وعمار وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی حدیثوں سے ثابت ہے۔ اور ان میں سے کسی نے یہ روائیت صحیح حدیث میں نہیں کی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نماز سے باہر یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ حضرت صدیق رضہ نے جب سوال کیا کہ مجھے نماز کے اندر دعا پڑھنے کے لیے سکھلائیں۔ تو یہ نہیں فرمایا کہ نماز سے باہر اسے پڑھا کر۔ اور نہ اس دعا مانگنے والے کو ہی فرمایا کہ سلام نماز کے بعد پڑھا کر۔ بیشک جب نمازی پروردگار سے مناجات کر رہا ہے اور اسی کی جانب متوجہ ہے تو اس وقت اس کا اللہ تعالےٰ

سے دعا مانگنا زیادہ موزوں ہے۔ بجائے اس کے کہ نماز سے نکل کر اور مناجات سے فارغ ہو کر وہ دعا مانگے۔

۲۔ فاحمد اللہ بما ھو اہلہ سے مراد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم تشہد ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے اذا صلیت فقعدت مطلب یہ کہ جب نماز پڑھ کر تشہد میں بیٹھے۔ اس وقت کے لیے حکم دیا۔ کہ اللہ تعالےٰ کی حمد و ثناء اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود ہونا چاہیئے۔

اعتراض سوم

یہ حکم کہ اللہ کی حمد کے بعد درود و دعا ہونی چاہیئے۔ غیر معین ہے۔ پھر تشہد کے بعد تم کیوں کر کہتے ہو۔

جواب:۔ یہ ہے کہ نماز میں اور کوئی موضع مشروع نہیں۔ جس میں ثناء در درود دعا ہو۔ بجز آخری تشہد کے۔ کیونکہ بالاتفاق ثابت ہے کہ یہ قیام اور رکوع و سجود میں مشروع نہیں اس لیے معلوم ہوگیا کہ نماز کے آخر میں تشہد کی نشست ہی مراد ہے۔

اعتراض چہارم

اس میں دعا کا درود کے بعد حکم ہے۔ اور دعا واجب نہیں تو ایسا ہی درود بھی ہونا چاہیئے۔

جواب۔ یہ محال نہیں ہے کہ دو چیزوں کا حکم ہو۔ اور ان میں سے ایک کے عدم وجوب پر دلیل قائم ہو جائے۔ تو دوسرا وجوب کی اصلیت پر باقی رہے۔

۲۔ دعا سے پہلے جو حمد و ثناء کا ذکر ہے یعنی تشہد وہ تو واجب ہے۔ جس کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا اور صحابہ نے ظاہر کر دیا کہ وہ (تشہد) فرض ہے۔ بس جس طرح پر کہ تشہد کے حکم کا دعا کے ساتھ مذکور ہونا تشہد کے وجوب کو ساقط نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی درود کو بھی۔

۳۔ یہ قول کہ دعا واجب نہیں یہ بھی باطل ہے کیونکہ دعا کی ایک قسم واجب بھی ہے۔ مثلاً دعاء توبہ۔ اور دعاء استغفار ذنوب۔ اور دعاء ہدایت و عفو۔ اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جو شخص اللہ تعالےٰ سے سوال نہیں کرتا۔ اللہ تعالےٰ اس پر غضب فرماتا ہے اور ظاہر ہے کہ غضب ترکِ واجب پر ہوتا ہے۔ یا فعلِ حرام پر۔

اعتراض پنجم

اگر درود فرض ہوتا۔ تو اس شخص کے نماز پڑھنے کے وقت جس نے درود نہ پڑھا تھا۔ اظہارِ وجوب میں تاخیر نہ ہوتی بلکہ اس کے وجوب کا علم اس حدیث سے کہیں پہلے مستفاد ہوتا۔

جواب۔ یہ ہم نے کہا ہی نہیں کہ درود اسی حدیث سے امت پر فرض ہوا ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس نمازی نے درود چھوڑ دیا تھا۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ پہلے سے شرع میں مستقر و معلوم تھا۔ اور اس کی مثال بری طرح پر نماز پڑھنے والے کی سی ہے کیونکہ رکوع و سجود کا وجوب اور ان میں طمانیت امت کو کچھ اسی حدیث سے ہی معلوم نہیں ہوئی۔ پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان کی تاخیر اس اعرابی کے لیے یہی معنی رکھتی ہے۔ کہ آنحضرت ؐ نے اسے وہی حکم دیا۔ جو اس سے پہلے امت کے لیے مشروع فرما چکے تھے۔

اعتراض ششم

ابوداؤد و ترمذی نے اس حدیث فضالہ میں یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔ فقال لہ او لغیرہ (یعنی اسے فرمایا یا کسی اور کو) دیکھو اگر یہ حکم ہر ایک مکلف پر واجب ہوتا۔ تو اس جگہ حرف او کچھ نہ ہوتا۔ مگر یہ اعتراض فاسد ہے۔ بچند وجوہ :-

۱۔ روایت صحیح وہ ہے جسے ابن خزیمہؒ و ابن حبانؓ نے روایت کیا ہے۔ فقال لہ ولغیرہ (اسے اور دوسروں کو فرمایا) امام احمد و دارقطنی و بیہقی وغیرہ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔

۲۔ اس جگہ حرف او تخییر کے لیے نہیں۔ بلکہ تقسیم کے لئے ہے۔ اور معنی یہ ہیں کہ جو کوئی نمازی نماز پڑھے اسے بھی پڑھنا چاہیئے۔ دیکھو اللہ تعالے فرماتا ہے۔ فلا تطع منہم اثما او کفورا۔ یہ مطلب نہیں کہ آثم کو چھوڑ کر کفور کا کہنا مان لیں یا برعکس بلکہ مطلب یہ ہے۔ خواہ آثم ہو۔ یا کفور۔ دونوں میں سے کوئی ہو اس کا کہنا نہ ماننا چاہیئے۔

۳۔ حدیث صحیح تو ثبت کے لیے ہے جب کہ یہ الفاظ موجود ہیں۔ اذا صلی احدکم فلیبدأ بتحمید اللہ

۴۔ نسائی اور ابن خزیمہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

ثم علمهم رسول الله صلی الله علیه وسلم !	پھر لوگوں کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا۔

ظاہر ہے کہ یہ عام ہے۔

دلیل چہارم

اس دلیل میں تین احادیث بیان ہوں گی۔ ہر ایک حدیث ایسی ہے کہ اگر منفرد ہو۔ تو اس سے حجت قائم نہیں ہوتی۔ ہاں اجتماع کے وقت ایک دوسری کی تقویت کرتی ہیں۔

۱۔ دارقطنی نے عمرو بن شمر کی روائیت سے جابر جعفی سے اس نے ابن بریدہ سے اس نے اپنے باپ سے روائیت کیا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یا بریدة اذا صلیت فی صلاتك فلا تترکن التشهد والصلوٰة علی فانها زکوٰة الصلوٰة وسلم علی جمیع انبیاء الله ورسله وعلی عباد الله الصالحین !	اے بریدہ جب تو نماز پڑھے تو تشہد اور درود کو مت چھوڑیو۔ کیونکہ یہ بھی نماز کو پاک کرنے والے ہیں اور سلام بھیج تمام خدا کے انبیاء ورسول پر۔ نیز اللہ کے تمام صالح بندوں پر۔

۲۔ دارقطنی نے عمرو بن شمر کے طریق سے اس نے جابر سے روائیت کی کہ شعبی نے کہا کہ میں نے مسروق بن اجدع کو کہتے سنا۔ کہتا تھا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

لا تقبل الله صلوٰة الا بطهور والصلوٰة علی !	اللہ تعالےٰ کسی نماز کو بغیر وضو اور درود کے قبول نہیں فرماتا۔

عمرو بن شمر اور جابر دونوں ہی ایسے ہیں۔ کہ ان کی حدیث قابل حجت نہیں ہوتی۔ اور جابر عمرو سے اصلح ہے۔

۳۔ دارقطنی نے عبدالمہیمن بن عباس بن سہل بن سعد سے وہ اپنے باپ سے اس نے اپنے دادا سے روائیت کی ہے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا صلوٰة لمن لم یصل علی نبیه !	جو اپنے نبی پر درود نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی)۔

طبرانی نے اسی کو اُبی بن عباس (عبدالمہیمن کے بھائی) سے روایت کیا ہے۔ عبدالمہیمن قابل حجت نہیں۔ اور اُبی اُس کا بھائی گو ثقہ ہے اور بخاری نے اس کی حجت پکڑی ہے لیکن یہ حدیث عبدالمہیمن کی روایت سے ہی مشہور و معروف ہے۔ اور طبرانی نے دونوں طریق سے روایت کیا ہے۔ مگر ثابت نہیں۔

دلیل پنجم

ابن مسعود و ابن عمر و ابی مسعود انصاری رضی اللہ عنہم سے وجوب درود ثابت ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور کسی ایک صحابی کا قول بھی محفوظ نہیں۔ کہ درود واجب نہیں۔ اور صحابی کا قول جب اس کا کوئی مخالف نہ ہو حجت ہوتا ہے۔ خصوصاً اہل مدینہ (مالکیہ) اور اہل عراق (حنفیہ) کے اصول پر۔

دلیل ششم

لوگوں کا عمل ہے عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک۔ بیشک اگر درود واجب نہ ہوتا تو ہر ایک زمانہ میں اور تمام شہروں میں درود کے بعد از تشہد ہونے۔ اور تشہد آخر کو درود سے خالی نہ رکھنے پر اتفاق نہ ہوتا۔ مقاتل بن حیان نے اپنی تفسیر میں الذین یقیمون الصلوٰۃ کے ضمن میں لکھا ہے۔ کہ اقامت نماز سے مراد نماز کی محافظت اور اوقات کی نگہداشت اور قیام و رکوع و سجود اور تشہد و درود کا آخری تشہد میں ہوتا ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ کہ تفسیر میں سب لوگ مقاتل کے عیال ہیں۔ پس جب درود بھی اقامت کے اندر داخل ہے۔ جس کا قرآن مجید حکم دے رہا ہے تو وہ بھی واجب ٹھہرا۔ اس گروہ نے قیاسات سے بھی تمسک کیا ہے۔ مگر ان کے ذکر کی حاجت نہیں۔ پھر یہ گروہ کہتا ہے کہ ہمارے ساتھ جو نزاع کر رہے ہیں۔ انہوں نے ایسی ادلہ کے بغیر ہی بعض اشیاء کو نماز میں واجب ٹھہرا دیا ہے۔

امام ابو حنیفہ[1] رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھو کہ ترک کو واجب کہتے ہیں۔ لیکن مقابلہ تو کرو۔ اس کے

---

[1] مصنف حنبلیہ مذہب رکھتا ہے ۱۲۔

اُولِہٗ وجوب اور درود کے اُولِہٗ وجوب کا۔ وہ نماز میں قہقہہ سے ہنسنے والے پر وضو واجب بتلاتے ہیں۔ مگر اس مسئلہ کے دلائل کے سامنے وہ دلائل کہاں ہیں؟ علاوہ ازیں امام مالک رہ نماز میں بہت باتوں کی نسبت فرض اور مستحب کے درمیان ہونے کے قائل ہیں۔ جو فرض نہیں اور فضیلت مستحب سے بالاتر ہیں۔ اس کا نام مالکیہ سنت رکھتے ہیں۔ مثلاً قرأۃ فاتحہ اور تکبیراتِ انتقال اور جلسہ اُولیٰ۔ اور جہر و مخافتِ قرأت۔ اور ان کے ترک پر سجدہ سہو کو واجب تبلاتے ہیں۔ مگر امام احمدؒ کا نام واجبات رکھتے ہیں۔ اور ترک پر سجدہ کو واجب کرتے ہیں۔

پس درود کا واجب ہونا اگر ان بہت سے مسائل کے واجب ہونے سے زیادہ قوی نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں۔

غرض اس مسئلہ میں ہر دو فریق کے دلائل یہ ہیں۔ اور مقصود اس سے یہ ہے کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر شناعت باطل ہے۔ کیونکہ جس مسئلہ میں اس قدر اَدِلّہ و آثار موجود ہوں۔ تو اس کے قائل کی تشنیع کوئی کیوں کر سکتا ہے۔

موطن دوم

جن جگہوں میں درود شریف پڑھنا چاہیئے۔ ان میں سے دوسری جگہ تشہد اول ہے اور اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رح نے اُمّ میں کہا ہے کہ تشہد اول میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا چاہیئے۔ ان کے مذہب میں یہی مشہور ہے۔ مگر یہ امام شافعی رہ کا آخری مذہب ہے۔ مگر ان کے نزدیک بھی مستحب ہے واجب نہیں۔ اور قدیم مذہب (ابتدائی) یہی تھا۔ کہ تشہد سے آگے نہ بڑھائے۔ یہ مزنی نے شافعی سے روایت کیا ہے۔ اور یہی مذہب امام احمد و امام ابو حنیفہ وامام مالک وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ قول شافعی کی حجت دار قطنی کی حدیث ہے۔ جیسے سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تشہد سکھلایا کرتے تھے۔ التحیات الطیبات الزاکیات للہ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ! پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود ہے۔

۲۔ دار قطنی کی حدیث عن ابن بریدہ۔ عن بریدہ جس میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اے بریدہ جب تو نماز پڑھے تو درود اس میں ترک نہ کیجیو۔ کیونکہ درود نماز کو پاک

کردینے والا ہے۔ یہ حدیث پہلے لکھی جا چکی ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اس میں دلالت عام ہے اور اول وثانی جلسہ کی تخصیص نہیں۔ نیز ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درود اور تسلیم پر نبی کا حکم دیا ہے۔ پس جہاں سلام مشروع ہے وہاں درود بھی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ نے سوال کیا تھا کہ سلام کی کیفیت تو ہم جان گئے۔ مگر کیفیت درود کیا ہے۔ یہ سوال بھی دلالت کرتا ہے کہ درود سلام کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ پس چونکہ نمازی پہلے تشہد میں سلام نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر بھیجتا ہے۔ اس لیے درود بھی مشروع ہے کیونکہ جس مکان میں تشہد وسلام مشروع ہے۔ اسی جگہ درود بھی ہے اور یہ تشہد آخری کے مانند ہے اور اس لیے بھی کہ نماز میں پہلی جگہ جہاں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر پسندیدہ ہے۔ تشہد ہے۔ اس لیے شایان ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر اکمل صورت میں ہو۔ اور اس لیے بھی کہ حدیث محمد بن اسحاق رضہ میں یہ الفاظ ہیں۔

"ہم حضور پر درود کیوں کر بھیجیں۔ جب ہم اپنی نماز میں جلسہ کریں"۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ پہلا تشہد درود کا محل نہیں۔ امام شافعی رہ کا قول قدیم بھی ہے۔ اور اسی کی اکثر اصحاب شافعی رہ نے تصحیح کی ہے۔ کیونکہ تشہد اول میں تخفیف مشروع ہے۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب اس میں بیٹھا کرتے تھے گویا سنگ گرم پر بیٹھا کرتے ہیں۔ اور ثابت نہیں ہوا کہ آپ یہاں درود پڑھتے ہوں یا آپ نے امت کو بتلایا ہو۔ اور نہ یہ معلوم ہے کہ کسی صحابی نے اس کو مستحب کہا ہو۔ اور اگر جیسا کہ گروہ اول کہتا ہے اس جگہ بھی درود مشروع ہوتا تو واجب ہی ہوتا جیسا کہ تشہد آخر میں ہے۔ کیونکہ دونوں پر ایک حکم ہے۔ اور اگر اس جگہ درود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر مستحب ہوتا تو آل پر بھی ہوتا۔ کیونکہ درود میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مفرد نہیں کیا گیا کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے کہ آنحضرت اور آل دونوں کا درود میں ذکر کیا جاوے۔ پھر اگر یہاں مشروع ہوتا تب ابراہیم صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل کا ذکر بھی کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ درود مامور بہا کی صفت یہی ہے۔ پس جب یہ بھی مشروع ہوتا۔ تب اس کے بعد دعا بھی مشروع ہوتی۔ جیساکہ حدیث فضالہ کا مطلب ہے۔ پس ایسی حالت میں تشہد اول و دوم میں کچھ فرق نہ رہا۔ اور جن احادیث سے تم نے استدلال کیا ہے۔ اول تو ان میں موسیٰ اور عمرو بن شمر اور جابر جعفی کی وجہ سے ضعف ہے۔ پھر اس مدعا پر دلالت بھی نہیں کرتی

ہیں۔ کیونکہ اس سے مراد تشہد اخیر ہے نہ اول جیسا کہ دلائل سے واضح ہے۔ دیگر دلائل جو
تم نے بیان کئے ہیں ان کا بھی یہی جواب ہے۔

موطن سوم

مواطن درود سے ایک مقام آخر قنوت ہے۔ امام شافعی رہ نے اور جنہوں نے ان سے
موافقت کی اس کو مستحب کہا ہے۔ اس کی حجت روایت نسائی ہے۔ محمد بن سلمہ نے اپنی سند
کے ساتھ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ
کلمات وتر میں سکھلائے ہیں۔ فرمایا کہ اللھم اھدنی فی من ھدیت وعافنی فیمن عافیت و
تولنی فیمن تولیت وقنی شر ما قضیت فانک تقضی ولا یقضی علیک انہ لا یذل من والیت
تبارکت ربنا وتعالیت وصلی اللہ علی النبی ! پس یہ دعا قنوت وتر کی دعا ہے۔ اور قنوت فجر
میں اس کو قیاساً منتقل کر لیا ہے۔ ابو اسحاق کی روایت میں یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
مجھے کلمات سکھائے ہیں ان کو وتر میں پڑھتا ہوں۔ پھر دعا پڑھی اور اس میں درود کا ذکر نہیں کیا۔
اور یہ قنوت رمضان میں مستحب ہے۔ ابن وہب نے سند کے ساتھ عبد الرحمن بن عبد القاری سے
جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عبد اللہ بن ارقم کے ساتھ منتظم بیت المال تھے۔ روایت
کی ہے کہ رمضان کی ایک رات کو عمر فاروق رضہ عبد الرحمن بن عبد وطاف کے ساتھ مسجد میں آئے
لوگوں کو دیکھا مسجد میں جدا جدا نماز پڑھ رہے ہیں۔ ادھر کوئی جدا پڑھ رہا ہے اور ادھر کوئی جدا پڑھ
رہا ہے۔ غرض اسی طرح ایک بڑی تعداد جدا جدا پڑھتی ہے۔ حضرت عمر رضہ نے کہا بخدا میں خیال
کرتا ہوں کہ اگر ان کو ایک قاری پر جمع کر دوں تب بہتر ہو۔ پھر حضرت عمر رضہ نے اس کا ارادہ پختہ
کیا اور ابی ابن کعب کو حکم دیا کہ رمضان میں امامت کرایا کریں۔ ایک دن حضرت عمر رضہ پھر آئے
لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ فرمایا نئی تجویز اچھی ہے۔ مگر جو سو رہے ہیں وہ
ان سے اچھے ہیں جو قیام کر رہے ہیں ؛

اس سے مراد ان کی آخری شب کا اٹھنا تھا۔ کیونکہ لوگ اول شب تراویح پڑھتے تھے
عبد الرحمن نے کہا یہ لوگ نصف ماہ میں کفار پر لعنت کیا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے۔

اللھم قاتل الکفرۃ الذین یصدون عن سبیلک ویکذبون رسلک — الٰہی ان کفار پر لعنت بھیج جو لوگوں کو تیری راہ سے روکتے اور انبیاء خدا کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور

ولا یؤمنون بوعدك وخالف بین کلمتھم والق فی قلوبھم الرعب والق علیھم رجزك وعذابك إله الحق!

تیرے وعدوں پر ایمان نہیں لاتے۔ الٰہی ان کے اتفاق میں پھوٹ اور ان کے دلوں میں (مسلمانوں) کا رعب ڈال دے۔ اور ان پر پلیدی و عذاب نازل فرما۔

اس کے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے۔ پھر مسلمانوں کے لیے جہاں تک استطاعت ہوتی ہے دعاء خیر کرتے۔ پھر دوسروں کے لیے استغفار کرتے۔ اور جب اس سے فارغ ہوتے تو کہتے۔

اللّٰھم ایاك نعبد ولك نصلی ونسجد والیك نسعی ونحفد ونرجوا رحمتك ونخاف عذابك الجد ان عذابك لمن عادیت ملحق۔

الٰہی ہماری عبادت ہماری نماز ہمارا سجدہ خاص تیرے لیے ہے۔ اور ہماری سعی و خدمت گذاری خاص تیرے لیے۔ ہم تیری رحمت کے امیدوار اور عذاب سخت سے ترساں ہیں۔ بیشک تیرا عذاب تو تیرے اعداء پر گرنے والا ہے۔

پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کو چلے جاتے۔ اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ عبداللہ بن حارث سے روایت کی ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ قنوت میں درود پڑھا کرتے تھے۔

موطن چہارم

مقامات درود میں سے ایک جگہ نماز جنازہ ہے۔ دوسری تکبیر کے بعد اس کی مشروعیت میں کچھ اختلاف نہیں۔ لیکن اس مسئلہ میں کہ نماز بغیر درود ہو جاتی ہے یا نہیں اختلاف ہے۔ امام شافعی رح و امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا مشہور مذہب یہ ہے کہ درود واجب ہے ان کے بغیر نماز جنازہ نہیں ہوتی۔ بیہقی نے عبادہؓ بن صامت وغیرہ صحابہ سے ایسا ہی روایت کیا ہے امام مالک و امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ مستحب ہے اور واجب نہیں کچھ اصحاب شافعی رح بھی کہتے ہیں۔ نماز جنازہ میں مشروعیت کی دلیل وہ حدیث ہے جسے مسند میں امام شافعی رح نے سند کے ساتھ ابو امامہ بن سہل رض سے اور وہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر پڑھے۔ اور پہلے تکبیر کے بعد اپنے جی میں الحمد پڑھے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ باقی تکبیرات میں جنازہ کے لیے دعا کو خالص کرے۔ پھر آہستہ سے

سلام پھیر دے۔ اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ ابو امام بن سہل بن حنیف سے روائیت کی ہے جو سعید بن مسیب سے بیان کرتے تھے۔ کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ الحمد پڑھے اور درود۔ پھر مردہ کے لیے دعا۔ اور یہ ایک ایک دفعہ ہی پڑھے۔ اور چپکے سے سلام پھیر دے۔ ابو امام یہ چھوٹی عمر کے صحابی ہیں جو دوسرے صحابی سے روایت کرتے ہیں امام شافعی رح نے یہی بیان کیا ہے۔ صاحب مُغنی کہتا ہے۔ حضرت ابن عباس رض سے مروی ہے کہ انہوں نے مکہ میں نماز جنازہ پڑھائی۔ تکبیر کہہ کر قرات جہر سے پڑھی۔ اور درود پڑھا۔ اور دعا اچھی طرح سے مانگی۔ پھر فارغ ہو کر کہا کہ نماز جنازہ ایسی ہونی چاہیئے۔

مؤطا میں حدیث ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رض نے کہا جب تو مردہ کو رکھے تکبیر کہہ کر حمد و صلوٰۃ پڑھ کر یہ دعا پڑھ۔

اللھم انہ عبدک وابن عبدک کان یشھد ان لا الہ الا انت وان محمدا عبدک ورسولک وانت اعلم بہ۔ اللھم ان کان محسنا فزد فی احسانہ وان کان مسیئا فتجاوز عن سیئاتہ اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ!

الٰہی یہ تیرا بندہ تیرے بندہ کا بیٹا ہے یہ شہادت دیتا تھا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمد تیرا بندہ اور رسول ہے۔ چنانچہ اے خدا تو خوب اس شہادت کو جانتا ہے۔ الٰہی اگر یہ نیکوکار تھا۔ تو اس کی نیکوئی میں ترقی دے۔ اور اگر بداعمال تھا تو اس کی برائیوں سے تجاوز فرما۔ الٰہی ہم کو اس کے اجر سے محروم نہ کر اور اس کے بعد فتنہ میں نہ ڈال۔

ابوذر ہروی نے سند کے ساتھ ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ ابن مسعود رض جب کسی جنازہ کی نماز پڑھانے لگتے تو لوگوں کی طرف رخ کر کے کہتے۔ لوگو! میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ سو آدمی کی امت ہے اور جس مردہ پر سو آدمی جمع ہو جاویں کہ اس کے لیے دعا میں جہد کریں۔ تو اللہ تعالےٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے تم اپنے بھائی کے شفیع بن کر آئے ہو اس لیے دعا میں خوب کوشش کرو۔ پھر قبلہ کی طرف منہ کرتے اگر آدمی ہوتا تو سر کے برابر اور اگر عورت ہوتی تو شانہ کے برابر کھڑے ہوتے اور یہ دعا پڑھتے۔

اللھم عبدک وابن عبدک انت خلقتہ وانت ھدیتہ

الٰہی تیرا بندہ اور تیرے بندہ کا بیٹا ہے۔ پیدا بھی اسے تو نے کیا اور اسلام کی ہدایت بھی تو نے۔

والاسلام وانت قبضت روحه وانت اعلم بسره وعلانيته جئنا شفعاء له اللهم انا نستجير بحبل جوارك له فانك ذو وفاء وذو رحمة اعذه من فتنة القبر وعذاب جهنم اللهم ان كان محسنا فزد فی احسانه وان کان مسیئا فتجاوز عنه سيئاته اللهم نور له فی قبره والحقه بنبیه

تو نے ہی دی۔ اور روح بھی اس کی تو نے قبض کی۔ اور اس کی حالت اندرون و بیرون کو تو خوب جانتا ہے۔ ہم سب اس کی شفاعت کو حاضر ہوئے ہیں الٰہی ہماری درخواست ہے کہ اپنے جبل جوار میں اسے پناہ دے۔ تو صاحب وفا و رحمت ہے۔ اسے فتنہ قبر و عذاب جہنم سے بچا دے۔ الٰہی اگر نکوکار تھا تو اس کی نکوئی کو ترقی دے۔ اور اگر برا تھا۔ تو اس سے تجاوز فرما۔ الٰہی اس کی قبر میں نور بھر دے اور اسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ملا دے۔

کہا ہر ایک تکبیر میں یوں ہی کہے اور جب تکبیر اخیر ہو۔ تب ایسا ہی کہے اور پھر کہے اللهم صل على محمد وبارك على محمد كما صليت وباركت على ابراهيم وال ابراهيم انك حميد مجيد اللهم صل على اسلافنا وافراطنا اللهم اغفر للمسلمين والمسلمات والمومنين والمومنات الاحياء منهم والاموات پھر فارغ ہو جاوے۔ ابراہیم نے کہا ابن مسعود اسے نماز ول پر اور مجلس میں سکھلایا کرتے تھے ان سے کہا گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کچھ قبر پر کھڑے ہو کر اور جنازہ سے فارغ ہو کر بھی پڑھا کرتے تھے۔ ابن مسعود رضہ نے کہا ہاں جب آپ جنازہ سے فارغ ہوتے۔ تب قبر پر کھڑے ہوتے اور کہتے۔

اللهم نزل بك صاحبنا وخلف الدنيا وراء ظهره ونعم المنزول به اللهم ثبت عند المسألة منطقه ولا تبتله فی قبره بما لا طاقة له به اللهم نور له فی قبره والحقه بنبيه صلی اللہ علیه وآله وسلم

الٰہی اس قبر والا تیری طرف اتارا گیا ہے۔ دنیا کو پیٹھ پیچھے چھوڑ آیا ہے اس کا منزول بہ اچھا ہے الٰہی سوال کے وقت اس کی زبان کو قائم رکھ۔ اور قبر میں ایسی چیز سے مبتلا نہ کر جس کی طاقت نہ ہو۔ الٰہی قبر کو روشن کر دے اور اسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ملا دے۔

جب یہ مقرر ہو چکا تو مستحب یہ ہے۔ کہ درود جنازہ پر وہی پڑھے جو تشہد میں پڑھا جاتا ہے۔ کیونکہ جب صحابہ نے کیفیت درود کا سوال کیا تو آنحضرت صلعم نے یہی درود سکھلایا ہے اور عبداللہ بن احمد رحمہ کے مسائل میں جو اپنے باپ سے انہوں نے روایت کئے ہیں لکھا ہے

کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ملائکہ مقربین پر درود بھیجے۔ قاضی کا قول ہے کہ یوں کہے۔ اللھم صل علی ملائکتک المقربین وانبیائک والمرسلین واھل طاعتک اجمعین من اھل السموات والارضین انک علی کل شیء قدیر!

موطن پنجم

مقامات درود میں سے ایک جگہ خطبے ہیں۔ مثل خطبہ جمعہ و عیدین و استسقاء وغیرہ کے اور اس بارہ میں اختلاف ہے کہ خطبہ صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے یا نہیں۔ امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا مشہور مذہب یہ ہے کہ درود کے بغیر خطبہ صحیح نہیں ہوتا۔ اور امام ابو حنیفہ و امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا یہ مذہب ہے کہ صحیح ہو جاتا ہے۔ اور مذہب امام احمد میں ایک یہ صورت بھی ہے۔ خطبہ میں وجوب کی حجت اس آیت سے لی گئی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالے نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو رفعت دی ہے۔ اس لیے جہاں اللہ تعالے کا ذکر ہو گا۔ آنحضرت ؐ کا بھی ضرور ہو گا۔ مگر اس دلیل میں تامل ہے کیونکہ ذکر پروردگار کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر یہ معنے رکھتا ہے کہ آپ کی رسالت پر شہادت دی جائے۔ جب آنحضرت ؐ کے مرسل (اللہ تعالے) کی وحدانیت کا اقرار کیا جائے۔ پس یہ خطبہ میں قطعاً واجب ہے بلکہ خطبہ کا رکن اعظم ہے۔ چنانچہ ابوداؤد و احمد وغیرہ نے بروایت ابی ہریرہ رض نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی ہے کہ جس خطبہ میں تشہد نہیں وہ ید جذما ہے۔ یعنی ٹھنڈا ہاتھ۔ مگر جو شخص درود کو خطبہ میں واجب ٹھہراتا ہے علاوہ ذکر تشہد کے۔ اس کا قول نہایت ضعیف ہے۔ یونس نے شیبان سے اس نے قتادہ سے ورفعنا لک ذکرک کی تفسیر بیان کی ہے۔ کہ اللہ تعالے نے ذکر آنحضرت ؐ دنیا اور آخرت میں بلند فرمایا۔ کوئی خطیب، کوئی متشہد کوئی صاحب صلوٰۃ نہیں۔ مگر وہ ابتداء اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ سے کرے گا۔ عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ ضحاک سے ورفعنا لک ذکرک کے معنے بیان کئے ہیں۔ کہ جہاں میرا ذکر ہو گا تیرا بھی ہو گا۔ اور خطبہ و نکاح تیرے ذکر کے بغیر جائز نہیں۔ اور عبد الرزاق نے سند کے ساتھ مجاہد سے ورفعنا لک ذکرک کے معنے بیان کئے ہیں کہ جب اذان میں میرا ذکر ہو گا۔ آپ کا بھی ساتھ ہو گا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ۔ اور اشھد ان محمداً رسول اللہ اور

یہی آیت سے مراد ہے۔ پس یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ خطبہ میں تشہد ضروری نہ ہو حالانکہ یہ افضل کلمات ہے۔ اور درود بھی اس میں ضروری ہے۔ اور اس کی مشروعیت کی دلیل عبداللہ بن احمد کی روائیت سند کے ساتھ عون بن ابی جحیفہ سے ہے کہ میرا باپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خدام میں سے تھا اور منبر کے نیچے بیٹھا تھا انہوں نے مجھے بتلایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اللہ کی حمد و ثناء کی اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا اور فرمایا اس امت میں بہتر نبی صلعم کے بعد ابوبکر رضہ تھے۔ اور پھر عمر رضہ اور کرتا ہے اللہ تعالےٰ خیر جس طرح چاہتا ہے۔ محمد بن حسن نے سند کے ساتھ عبداللہ سے روائیت کی ہے کہ وہ خطبہ نماز سے فارغ ہو کر اور درود پڑھ کر پھر دعا پڑھا کرتے تھے۔

اللھم حبب الینا الایمان وزینہ فی قلوبنا وکرہ الینا الکفر والفسوق والعصیان اللھم بارک لنا فی اسماعنا وابصارنا وازواجنا وقلوبنا وذریتنا!	الٰہی ایمان کو ہمارا محبوب بنا دے۔ اور ہمارے دلوں کو اس سے زینت دے۔ اور کفر و فسوق اور عصیان کی بیزاری ہمارے دل میں ڈال دے۔ الٰہی ہماری شنوائی و بینائی و ازواج و قلوب اور ذریت میں برکت دے۔

دار قطنی نے سند کے ساتھ روائیت کیا ہے کہ عمرو بن عاص رضہ (بروز جمعہ) منبر پر چڑھے اللہ کی حمد و ثنا تھوڑی اور پُر معانی الفاظ میں کی۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا۔ لوگوں کو وعظ کیا۔ اور امر و نہی کی۔ اس باب میں ضبہ بن محصن کی حدیث بھی ہے۔ کہ ابو موسےٰ رضہ جب خطبہ پڑھتے حمد و ثناء پروردگار کی کرتے۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے۔ اور حضرت عمر رضہ کے لیے دعا کرتے۔ ضبہ نے حضرت عمر رضہ کے لیے حضرت ابوبکر رضہ سے پہلے دعا کئے جانے پر انکار کیا اور معاملہ حضرت فاروق رضہ کے پیش ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضبہ کو فرمایا کہ تو اوفق و ارشد ہے۔ غرض یہ حدیث دلیل ہے۔ کہ خطبات میں درود پر نبی صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کے نزدیک ایک مشہور و معروف امر تھا۔

رہا وجوب سو دلیل پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ جس پر توجہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

موطن ششم

مقامات درود میں سے ایک جگہ موذن کا جواب دینے کے بعد اور اقامت کے وقت ہے۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے۔ کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

کو فرماتے سنا ہے۔ جب تم موذن کو سنو تب جو وہ کہتا ہے تم بھی کہو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ تعالے اس پر دس بار رحمت بھیجتا ہے۔ پھر میرے وسیلہ کا سوال کرو۔ وسیلہ نام ہے بہشت میں ایک منزلت کا جسے اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہی پاوے گا۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہوں۔ پس جس نے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا۔ اس کو میری شفاعت حلال ہو گئی۔ حسن بن عرفہ نے سند کے ساتھ حسن (بصری) سے روایت کیا ہے کہ جس نے موذن کے ساتھ اسی کے موافق کہا اور قد قامت الصلوٰۃ کے وقت یوں پڑھے۔

اللھم رب ھذہ الدعوۃ الصادقۃ	اے معبود اس سچی پکار اور قائم شدہ نماز کے
والصلوٰۃ القائمۃ صل علی محمد عبدک و	مالک۔ اپنے بندہ اور رسول محمدؐ پر صلوٰۃ بھیج۔ اور
رسولک ابلغہ درجۃ الوسیلۃ فی الجنۃ !	جنت میں ان کو درجہ وسیلہ پر فائز فرما۔

وہ شخص محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میں داخل ہوگا۔ یوسف بن اسباط کہتے ہیں کہ جب قد قامت الصلوٰۃ کہی جاوے اور کوئی شخص اللھم رب ھذہ الدعوۃ المستقتۃ المستجاب لھا صل علی محمد وزوجنا من الحور العین ! نہ پڑھے۔ تو حوران عین کہتی ہیں کہ تجھ کو ہم سے بے رغبتی کیوں ہو گئی۔ واضح ہو کہ موذن کی اذان سن کر پانچ سنتیں ہیں۔ تین کا ذکر ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے (جو موذن کے ساتھ ساتھ خود کہنا۔ درودؐ پڑھنا۔ وسیلہ کا سوال) اور چوتھے یہ دعا پڑھنا اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و ان محمداً عبدہ و رسولہ رضیت باللہ ربا و بمحمد رسولا و بالاسلام دیناً۔ مسلم نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ اذان سن کر جو کوئی یہ دعا پڑھے گا۔ اس کے گناہ بخشے جاویں گے۔ پانچویں دعا مانگنا۔ سب سے آخر میں ابوداؤد و نسائی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موذن لوگ تو ہم پر فضیلت لے جائیں گے۔ فرمایا جو وہ کہتے ہیں تو بھی کہا کر۔ جب وہ چپ ہو جاوے تو سوال کر۔ عطا کیا جاوے گا۔ مسند میں جابر بن عبداللہ سے ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص موذن کے اذان کے وقت یہ دعا پڑھتا ہے۔ اللھم رب ھذہ الدعوۃ القائمۃ والصلوٰۃ النافعۃ صل علی محمد وارض عنہ رضیً لاسخط بعدہ ! اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔

مستدرک حاکم میں ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب اذان

سنتے تو پڑھا کرتے ۔ اللھم رب ھذہ الدعوۃ المستجابۃ المستجاب لھا دعوۃ الحق وکلمۃ التقوی لی توفنی علیھا واحینی علیھا واجعلنی من صالح اھلھا عملا یوم القیٰمۃ ؟ غرض دن رات میں یہ پچیس ۲۵ سنتیں ہوئیں ۔ (ہر نماز کے وقت پانچ) ان کی محافظت سابقین لوگ ہی کرتے ہیں ۔

موطن ہفتم

مقاماتِ درود میں سے ایک جگہ دعا کے وقت نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود شریف کا پڑھنا ہے ۔ اس کے تین مراتب ہیں ۔

۱ ۔ اللہ تعالے کی حمد کے بعد اور دعا سے پہلے ۔

۲ ۔ دعا کے اول و اوسط و آخر میں ۔

۳ ۔ دعا کے اول و آخر میں ۔

پہلی صورت کی دلیل حدیث فضالہ ہے جس میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔ کہ جب کوئی دعا مانگنے لگے وہ ابتداء اللہ تعالے کی حمد و ثناء سے کرے پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے پھر جو چاہے دعا مانگے ۔ ترمذی نے حضرت عبداللہ سے روایت کی ہے کہ میں تو نماز پڑھتا تھا ۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تھے ۔ جب میں بیٹھ گیا تو میں نے پہلے اللہ تعالے کی ثناء کی ۔ پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا ۔ پھر اپنے لیے دعا مانگی ۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ سوال کر عطا کیا جاوے گا ۔ عبدالرزاق نے سند کے ساتھ ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے ۔ کہ جب کوئی شخص اللہ تعالے سے کچھ سوال کرنا چاہے اُسے چاہیئے کہ ابتداء حمد و ثناء سے کرے پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے ۔ پھر سوال کرے ۔ ایسا سوال اجابت کے قریب ہوتا ہے ۔ شریک نے اپنی سند کے ساتھ بھی اسی طرح روایت کیا ہے ۔

دوسری صورت کی دلیل جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ۔ جسے سند کے ساتھ عبدالرزاق نے بیان کیا ہے ۔ جس میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے سوار کے پیالہ کی طرح مت بناؤ ۔ فرمایا مجھے وسط دعا اور اس کے اول و آخر میں جگہ دو ۔ اور وہ حدیث پہلے لکھی گئی ہے ۔ کہ ہر ایک دعا کے بعد اللہ تعالے کے درمیان حجاب ہوتا ہے یہاں تک کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جاوے ۔ جب درود پڑھا گیا پردہ اٹھ

جاتا ہے۔ اور دعا قبول کی جاتی ہے۔ اور جب درود نہ پڑھا جاوے تو دعا نہیں قبول کی جاتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی لکھا جا چکا ہے۔ کہ دعا آسمان وزمین کے اندر ٹھہرالی جاتی ہے اور اس میں سے کچھ بھی اوپر نہیں چڑھ سکتا۔ جب تک نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جاوے۔

احمد بن علی نے سند کے ساتھ عمرو بن عمرو سے روائیت کی ہے کہ میں نے عبداللہ بن بشر سے سنا کہتے تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ہر ایک دعا محجوب ہے جب تک اس کے اول اللہ عزّوجل کی ثنار اور درود بر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نہ ہو۔ (ہاں) پھر دعا کرے۔ اس کی قبول ہو گی۔ عمرو بن عمرو جو اس حدیث کو صحابی سے روائیت کرتے ہیں یہ احمو کسی ہیں۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن بشر سے دو حدیثیں روائیت کی ہیں۔ ایک تو یہی۔ اور دوسری وہ جسے طبرانی نے معجم کبیر میں روائیت کیا ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دن خیر سے شروع کیا اور خیر پر ختم کیا۔ اللہ تعالےٰ فرشتوں سے فرماتا ہے درمیانی گناہوں کو بندہ پر مت لکھو۔ غرض درود بر نبی صلے اللہ علیہ وسلم دعا کے لیے ایسا ہے جیسے نماز کے لیے سورہ فاتحہ۔ اور یہ جملہ مقامات جن کا شمار ہوا ان سے دعا میں درود کی مشروعیت نکلتی ہے جس سے واضح ہے کہ مفتاح دعا درود شریف ہے۔ جیسا کہ مفتاح نماز وضو ہے۔

(صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم تسلیماً)

تیسری صورت کے متعلق احمد بن الحوارا عہ کہتے ہیں میں نے ابو سلیمان دارانی سے سنا ہے کہ جو شخص اللہ تعالےٰ سے اپنی حاجت کا سوال کرنا چاہے اُسے چاہئیے کہ پہلے درود پڑھے۔ پھر حاجت کا سوال کرے۔ اور پھر درود پر ختم کرے۔ کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود تو مقبول ہی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا جود و کرم اس سے برتر ہے کہ درود کی درمیانی شئے کو رد فرمائے گا۔

موطن ہشتم

مقامات درود میں سے ایک مقام مسجد کے اندر داخل ہونے اور باہر نکلنے کا وقت ہے۔ ابن حبان رضہ نے اور ابو خزیمہ رضہ نے صحیح میں ابوہریرہ رضہ سے روائیت کی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کوئی مسجد میں آئے تو مجھ پر سلام بھیجے۔ اور اللھم افتح لی ابواب

رحمتک ! کہے۔ اور جب نکلے مجھ پر سلام بھیجے۔ اور اللھم اجرنی من الشیطان الرجیم کہے۔ مسند اور ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو اللھم صل علی محمد وسلم اللھم اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک ایسا ہی مسجد سے نکلتے وقت صرف رحمتک کی جگہ فضلک بدل دیتے۔

موطن نہم

مقامات درود سے ایک جگہ صفا و مروہ ہے۔ ابن اسحٰق نے اپنی کتاب میں نافع سے روایت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما صفا مروہ پر تین تکبیریں کہتے پھر لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شئی قدیر پڑھتے۔ پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے۔ پھر دعا مانگتے ان کے قیام و دعا میں طول ہوتا۔ ایسا ہی مروہ پر جا کر کرتے۔ جعفر بن عون نے سند کے ساتھ وہب بن اجدع سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عمر رضؓ کو مکہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے سنا کہتے تھے۔ جب کوئی شخص حج کے لیے آئے۔ اسے چاہیئے کہ بیت اللہ کا طواف کرے سات بار۔ اور مقام ابراہیم پر دو رکعتیں پڑھے۔ اور حجر اسود کو استلام کرے اور پھر صفا سے ابتدا کرے اس پر کھڑا ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے سات تکبیریں کہے ہر ایک تکبیر کے درمیان اللہ عزّ وجل کی حمد و ثنا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود ہو۔ اور اپنے لیے اللہ تعالےٰ سے سوال مروہ پر بھی ایسا ہی کرے۔ بزار نے اپنی سند کے ساتھ وہب سے اور ابوذر نے اپنی سند کے ساتھ جعفر سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

موطن دہم

مقامات درود میں سے ایک مقام اجتماع قوم کے وقت ہے۔ پہلے اس سے کہ متفرق ہوں۔ اس بارہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث بخند وجہ گذر چکی ہیں۔ چنانچہ ابن حبان رضؓ نے صحیح میں اور حاکم رضؓ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ نہیں بیٹھی کوئی قوم کسی مجلس میں اور پھر متفرق ہوئی کہ اس میں انہوں نے خدا کو یاد نہیں کیا اور اپنے نبی پر درود نہیں بھیجا۔ تو وہ ان پر اللہ کی طرف سے ترۃ ہوگی۔ اگر اللہ چاہے ان کو عذاب دے اور چاہے معاف فرمائے۔ عبداللہ بن ادریس

نے سند کے ساتھ حضرت عائشہ رض سے روایت کیا ہے کہ اپنی مجلسوں کو درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زینت دو۔ علی ہذا حضرت عمر رض سے مروی ہے ؛

موطن یازدہم

مقامات درود میں سے ایک جگہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر کا وقت ہے۔ اور اس بارہ میں اختلاف ہے کہ کیا جتنی دفعہ نام مبارک لیا جاوے اتنی دفعہ ہی واجب ہے۔ یا کیا ؟ ابوجعفر طحاوی اور ابو عبداللہ حلیمی کا قول ہے کہ جتنی دفعہ نام مبارک لیا جاوے اتنی دفعہ ہی واجب ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ایسا کرنا مستحب تو ضرور ہے مگر فرض نہیں۔ جس کا تارک گنہگار ہو۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ایک فرقہ تو ساری عمر میں ایک دفعہ فرض تبلاتا ہے۔ کیونکہ امر مطلق تکرار کا مقتضی نہیں۔ اور ماہیت ایک دفعہ سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ قول امام ابوحنیفہ و امام مالک و ثوری و اوزاعی رحمۃ اللہ علیہم کا بیان ہوا ہے۔ اور عیاض و ابن عبدالبر نے اسے جمہور امت کا قول کہا ہے۔ اور ایک فرقہ کہتا ہے کہ ہر نماز کے تشہد آخر میں فرض ہے۔ یہ قول امام شافعی رح کا اور امام احمد رح کا بھی دو روایتوں میں سے پچھلی روایت میں۔ اور دیگر اشخاص کا ہے۔ ایک فرقہ کا قول ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا حکم امر استحباب ہے امر ایجاب نہیں۔ یہ قول ابن جریر رح اور ایک گروہ کا ہے۔ ابن جریر نے اس بارہ میں اجماع کا دعوے کیا ہے۔ اور یہ ان کے اصول پر ہے۔ کیونکہ جب یہ اکثر کو ایک طرف دیکھتے ہیں۔ تو اُسے اجماع بنا لیتے ہیں۔ جس کا اتباع ضروری ہے۔ اور یہ دونوں مقدمے (کہ اکثر کی رائے کا نام اجماع ہو۔ یا وہ قابل اتباع ہو) باطل ہیں ؛

وجوب درود شریف کے دلائل

پہلا گروہ جو ہر دفعہ ذکر مبارک پر درود کو فرض و واجب تبلاتے ہیں۔ ان کے دلائل یہ ہیں :-

اوّل حدیث ابوہریرہ رض۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خاک آلودہ ہوئی ہو اس شخص کی جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ اس کو حاکم نے صحیح اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ " خاک آلودہ ہوئی ہو " بد دعا ہے اور مذمت ہے۔ اور

تارکِ مستحب کی ذم کی جاتی ہے نہ اُسے بددعا دی جاتی۔

حجتِ دوم :- حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے۔ جس میں منبر پر چڑھنے کا پایہ بپایہ ذکر ہے اور اس میں جبرئیل نے کہا ہے کہ جس کے سامنے آپ کا ذکر ہوا اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے۔ پس جہنم میں جائے اور خدا سے دور پڑے کہیئے آمین۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آمین۔ اس کو ابن حبان رض نے صحیح میں روایت کیا ہے۔ اور اس معنے کی احادیث جو ابوہریرہ و جابر بن سمرہ و کعب بن عجرہ و مالک بن حویرث و انس بن مالک (رضی اللہ عنہم) سے مروی ہیں۔ اور ہر ایک ان میں سے حجت مستقل ہے پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حدیث جو ان طُرقِ متعددہ سے مروی ہے۔ مفیدِ صحت ہے ؛

حُجّتِ سوم :- نسائی میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روائیت سے ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے کیونکہ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے۔ اللہ تعالے اس پر دس بار درود پڑھتا ہے اس کی سند صحیح ہے اور وجوب کا حکم اس میں ظاہر ہے ؛

حجتِ چہارم :- صحیح ابن حبان میں شہید کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے روائیت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو۔ اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ اس کو حاکم نے صحیح میں اور نسائی و ترمذی نے روائیت کیا ہے۔ ابو نعیم کی روائیت میں ہے کہ ابوذر نے کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سب لوگوں سے زیادہ بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو۔ اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ قاسم بن اصبع نے حسن بصری سے روائیت کیا ہے۔ بخل کا مومن کو یہی حصہ بہت ہے کہ میرا ذکر اس کے سامنے ہو۔ اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ سعید بن منصور نے حسن رض سے یہ روائیت کیا ہے کہ بخل کے لیئے یہی کافی ہے کہ میرا ذکر کسی کے سامنے ہو۔ اور وہ درود نہ پڑھے۔ یہ کہتے ہیں کہ جب روایات بالا سے بخیل ہونا اس کا ثابت ہو گیا۔ تو وجہ دلالت دو طرح پر ہے۔

ا۔ بخل مذمت کا نام ہے اور تارکِ مستحب اسم مذمت کا مستحق نہیں۔ اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ واللہ لا یحب کل مختال فخور الذین یبخلون و یامرون الناس بالبخل !

دیکھو یہاں اختیال اور فخر کے ساتھ بخل اور امر بر بخل کو شامل کیا ہے۔ اور پھر سب کی مذمت فرمائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بخل بُری صفت ہے۔ حدیث میں ہے۔

وای داءٍ ادوأ من البخل ! — بخل سے بڑھ کر کونسا سخت مرض ہے۔

۲۔ بخیل اُسے کہتے ہیں جو حقِ واجب کو ادا نہ کرے۔ لیکن جو شخص بقدر واجب اس چیز کو ادا کر دے اس کا نام بخیل نہیں ہوتا۔ غرض بخیل وہ ہے کہ جس چیز کا دینا اور خرچ کرنا اس پر ضروری ہے اُسے روک رکھے۔

حجت پنجم :۔ اللہ تعالےٰ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ و تسلیم کا امر فرمایا ہے۔ اور امر مطلق تکرار کے لیے ہوتا ہے۔ اور یہ کہنا ممکن نہیں کہ تکرار سب وقتوں میں ہوتا ہے کیونکہ اوامرِ مکررہ اوقاتِ خاصہ میں ان شروط و اسباب سے جو مقتضئ تکرار ہوں متکرر ہو جاتے ہیں۔ اور ایک وقت دوسرے وقت سے اولیٰ نہیں ہوتا۔ پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے تکرارِ ذکر پر تکرار امور (درود) کا ہونا بوجہ نصوصِ متقدم کے اولیٰ ہے۔ یہ حجت تین مقدمات پر مشتمل ہے۔

مقدمہ اولیٰ :۔ صلوٰۃ جس کا حکم ہوا وہ امر مطلق ہے۔ یہ معلوم و ثابت ہے۔

مقدمہ ثانیہ :۔ امر مطلق مقتضئ تکرار ہوتا ہے۔ یہ مختلف فیہ ہے۔ فقہاء و اصولیئین کے ایک گروہ نے اس کی نفی کی ہے۔ اور ایک نے اثبات کیا ہے۔ اور ایک نے امر مطلق میں اور امر معلق میں جو شرط یا وقت سے علاقہ رکھتا ہو تفریق کی ہے پھر معلق میں تو تکرار کو ثابت کیا ہے۔ اور مطلق میں نہیں۔ ہر سہ اقوال امام احمد و شافعی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ کے مذہب میں پائے جاتے ہیں۔ موجبین درود شریف کے گروہ نے تکرار کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ تمام اوامر شرعی تکرار پر ہوتے ہیں۔

دیکھو مثالیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

امنوا باللہ ورسولہ وادخلوا فی السلم کافۃ !	ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور سب کے سب صلح کے اندر داخل ہو جاؤ۔

فرمایا

واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واتقوا اللہ !	اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ اور ڈرو اللہ سے۔

فرمایا۔

اقیموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ !

نماز قائم کرو۔ اور زکوۃ دو۔

فرمایا۔

یا ایھا الذین امنوا اصبروا و صابروا و رابطوا و اتقوا اللہ !

اے ایمان والو صبر کرو۔ اور صبر پر قائم رہو آپس میں ربط رکھو اور اللہ سے ڈرو۔

فرمایا۔

وخافون و اخشونی و اعتصموا بحبل اللہ جمیعًا !

میرا خوف رکھو۔ مجھ سے ڈرو۔ اور سب کے سب اللہ کی رسی کو پکڑو۔

فرمایا۔

و اوفوا بعھد اللہ !

اللہ کے عہد کو پورا کرو۔

فرمایا۔

و اوفوا بالعقود !

باہمی عقدوں کو پورا کرو۔

فرمایا۔

و اوفوا بالعھد !

عہد کو پورا کرو۔

یتامیٰ کے بارے میں ہے۔

وارزقوھم منه واکسوھم !

اس مال میں سے ان کو کھلاؤ اور پہناؤ۔

فرمایا۔

واذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع !

جب جمعہ کے دن نماز کے لیے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور معاملات اور تجارت وغیرہ کو چھوڑ دو۔

فرمایا۔

واذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم !

جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے منہ دھوڈالو

فرمایا۔

وان کنتم جنبًا فاطھروا ۔

اگر پلید ہو تو پاک ہو جاؤ۔

فرمایا۔

فلم تجدوا ماءً فتیمموا ! اگر پانی نہ ہو تو تیمم کرلو۔

فرمایا۔

واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ ! مدد چاہو ساتھ صبر کے اور نماز کے۔

فرمایا۔

ان ھٰذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ! یہ ہے میرا سیدھا راستہ اسی پر چلو۔

اور یہ نظائر قرآن مجید میں بکثرت ہیں۔ پس جب اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کے احکام (شاذونادر کے سوا) جہاں کہیں ہیں (معنیٰ) تکرار پر ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ امت کے خطاب میں خدا اور رسولؐ کا محاورہ یہی ہے۔ اور امر میں گو لفظی طور پر تکرار اور فوریت پایا جاتا ہو۔ مگر اس میں شک نہیں کہ خطاب شارع کے عرف و محاورہ میں وہ بمعنیٰ تکرار ہی ہے۔ پس شارع علیہ السلام کے کلام کو تو انہی کے عرف اور انہی کے خطاب کی پاک روش پر حمل کرنا چاہیئے۔ گو اس لفظ سے لغوی طور پر وہ مفہوم نہ ہوتا ہو۔ یہ بات جو میں نے لکھی ہے کہ امر مقتضی وجوب ہے اور نہی مقتضی فساد۔ یہ خطاب شارع سے معلوم ہے۔ گو اصل موضوع لغت میں منہی کی صحت یا فساد پر تعرض نہ کیا گیا ہو۔ علیٰ ہذا شارع کا امت میں سے ایک کو معرفت خاص کا خطاب مقتضی ہے کہ وہ لفظاً اس پر اور اس کی امثال پر حاوی ہو۔ گو لغت کی رو سے موضوع لفظ اس کا مقتضی نہ ہو کیونکہ لغت اور مصادر و موارد کلام میں آنحضرتؐ کا محاورہ ہی یہ ہے۔ اور یہ بات آنحضرتؐ کے دین سے بالاضطرار معلوم ہے۔ قبل اس سے کہ قیاس کی صحت و اعتبار و شروطہ غیر معلوم کی جاویں۔ پس کسی لفظ کے اقتضاء و عدم اقتضاء لفظی میں فرق لغت کرتا ہے۔ اور عرف شارع کے اقتضاء میں شارع علیہ السلام کی عادت خطاب۔

مقدمہ ثالثہ :۔ جب مامور بہ کا تکرار ہوتا ہے تو کسی سبب یا وقت سے ہوتا ہے اور اس جگہ اسباب مقتضی تکرار میں سے اولیٰ سبب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کا لیا جانا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ جس کے سامنے آنحضرتؐ کا ذکر ہو اور وہ درود نہ پڑھے اس کی بینی خاک آلودہ ہو۔ اور اس لیے کہ ایسے شخص کے بخل پر آنحضرتؐ نے فرمان جاری کر دیا ہے۔ اور اسی کے مؤید

یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مومن عباد کو درود کا حکم اس خبر کے بعد دیا ہے کہ اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں۔ لیکن یہ ایک دفعہ کا درود پڑھنا نہیں جو منقطع ہو چکا ہے۔ بلکہ یہ درود پے در پے ہے۔ اسی لیے اس کا اظہار و تذکرہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فضل و شرف و علو منزلت کا مبین ہے۔

پس بندوں کے حق میں اس کا تکرار بہت ہی ضروری ہے اور لازمی ہوا۔ کیونکہ ان کے لیے حکم ہوا ہے۔ دیکھو تو سہی کہ اللہ تعالےٰ نے سلام کو مصدر کے ساتھ جو لفظ تسلیم ہے موکد فرمایا ہے۔ اور یہ امر مقتضی مبالغہ اور کمیت میں زیادت کا ہے۔ اور یہ بات تکرار سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ پھر یہ دیکھو کہ فعل مامور بہ کا لفظ تکثیر پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی صلّو وسلّموا۔ کیونکہ فعل مشدّد ہے جو تکرار فعل پر دال ہوتا ہے۔ جیسے کہا کرتے ہیں۔ کسّرا لخبز و قطع اللحم۔ وعلّمنا الخیر وشیّ د فی کذا۔ پھر یہ دیکھو کہ درود پڑھنے کا حکم بمقابلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وارشاد و ہدایت اور احسان کے ہے۔ جو امت پر آنحضرت ؐ کے ہیں۔ اور بمقابلہ ان نعمتوں کے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے دنیا و آخرت کی سعادات لوگوں کو ملی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے فعل عظیم کا مقابلہ عمر بھر میں ایک دفعہ درود پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر کوئی شخص اپنے سانس کی گنتی کے موافق بھی درود شریف پڑھتا رہے تب بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حق اور عطا کردہ نعمت کے مقابلہ میں کافی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اس نعمت کے شکر کا ضابطہ یہی بنایا گیا کہ جب نام مبارک صلے اللہ علیہ وسلم کا لیا جاوے تو درود پڑھا جاوے۔ چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے درود نہ پڑھنے والے کا نام بخیل رکھ کر اسی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ عام دستور یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی پر احسان عظیم کیا ہو جس کی وجہ سے اس کو خیر عظیم ملی ہو پھر اس کا ذکر اس شخص کے سامنے آئے اور وہ اس کی ثنا و تعریف نہ کرے اور مدح و تعظیم میں مبالغہ نہ کرے۔ اور ادائے شکر و حق کے قیام میں ہمیشہ کوتاہی کرتا رہے۔ اور بار بار ایسا ہی کرے تو ضرور ہے کہ لوگ اسے بخیل ولئیم و کفور سمجھیں گے۔ اس کے مقابلہ میں اس محسن کے احسانات کا اندازہ کرو۔ جس کے احسانات تمام مخلوقات کے باہمی احسان و مروت سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ اور جس کے احسان سے بندہ کو دنیا و آخرت کی خیر حاصل ہوئی ہے۔ اور دنیا و آخرت کے شر سے نجات ملی ہے۔ جس کے احسان و نعمت

کی حقیقت کا اندازہ اور تصور بھی دل نہیں کر سکتے۔ قیام شکر کا تو کیا ذکر ہے۔ تو بتلاؤ کہ کیا ایسے محسن ایسے منعم کا سب سے بڑھ کر یہ استحقاق نہیں ہے؟ کہ اس کی تعظیم کی جائے۔ زبان کو وقفِ ثنا بنایا جاوے۔ اور اپنی طاقت و مقدور اور وسعت و زور کو اس کی حمد و مدح کے لیے جب کہ مجلس میں اس کا ذکر مبارک ہونے لگے خاص کر دیا جائے۔ پس ایسی حالت میں اس سے بھی کم کیا ہوگا کہ نام مبارک صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہونے پر ایک دفعہ تو درود خوانی کی جاوے۔ دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر رغم انف کے لفظوں میں بد دعا کی ہے جس کے معنے ناک کا مٹی کو لگ کر رگڑے جانا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نام مبارک سن کر درود نہ پڑھنے والا ذلّت و خواری کا مستحق ٹھہر جاتا ہے۔

خیال کرو اللہ تعالے نے فرمایا ہے ولا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضًا! اس جگہ امت کو منع کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عام طریق پر بلایا اور پکارا جائے۔ مطلب یہ کہ خطاب کے وقت نام مبارک لے کر نہ پکارا جاوے۔ جیسا کہ ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و نبی اللہ کہہ کر پکارا جاوے۔ کیونکہ توقیر و تعظیم و اعزاز کمال کی یہی صورت ہے۔ اسی طرح ثنا یاں ہے کہ اسم مبارک کے ساتھ درود کو ملا کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیّت رکھی جاوے تاکہ ذکر مبارک اور ذکر غیر میں فرق ہو جاوے۔ جیسا کہ پکارنے میں رسول ؐ و نبی ؐ کہہ کر فرق کیا گیا ہے۔ لیکن اگر ذکر مبارک کے وقت درود واجب نہ ہو۔ تب اس ذکر میں اور ذکر غیر میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ یہ معنی تو آیت کی دو تفسیروں سے ایک تفسیر کی صورت میں ہیں لیکن دوسری تفسیر کی صورت میں یہ ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے طلب کو دوسرے کے طلب کا سا نہ سمجھو کہ عذر کر دو اور حاضر نہ ہو۔ یا مشکلات کا خیال کرو۔ اور دیر رسی جائز رکھو بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جس وقت طلب فرمائیں فوراً ہی طاعت کے ساتھ حاضر ہو جاؤ۔ حتیٰ کہ اگر نماز بھی پڑھ رہے ہو تو یہ بھی دیر رسی کے لیے عذر نہ ہو۔ پس جب نماز کی مشغولیت بھی تاخیر کے لیے عذرِ مباح نہیں ہو سکتی تو دیگر اسباب یا عذروں کا تو کیا ذکر ہے۔

واضح ہو کہ ان معنی میں تو مصدر فاعل کی طرف مضاف ہوگا۔ اور پہلے معنے میں مفعول

کی طرف۔ اور یہ معنی بھی اس آیت کے کئے گئے ہیں جو ہر دو اقوال سے احسن ہیں۔ کہ اس جگہ مصدر کی اضافت نہ فاعل کی طرف ہے نہ مفعول کی طرف۔ بلکہ محض اسمار کی طرف اضافت ہے۔ اور اس صورت میں ہر دو معانی بیک بارگی ظاہر رہیں گے۔ یعنی نام لے کر پکارنے کی ممانعت جس طرح ہر ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ نیز طلب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد عدم تاخیر اجابت۔ غرض ہر ایک معنی کی صورت میں جس طرح پر اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خطاب میں بہ نسبت کسی دوسرے کے خاص امتیاز رکھا جائے۔ اور تعمیل طلب میں نمایاں مستعدی ظاہر کی جائے۔ تاکہ امت اس تعظیم و اجلال پر جو ہم پر واجب ہے قائم رہے۔ اسی طرح پر اسم مبارک کا ذکر آنے پر درود کے ساتھ امتیاز کا قائم رکھنا اعلےٰ مقصود ہے۔ دیکھو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جس کے سامنے حضرت ؐ کا ذکر مبارک ہو اور اس نے درود نہ پڑھا وہ طریق جنت بھول گیا۔ اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اور گو یہ حدیث مراسیل محمد بن حنفیہ میں سے ہے۔ مگر اس کے شواہد بھی ہیں۔ جو شروع کتاب میں لکھے جا چکے ہیں۔ پس اگر ذکر مبارک کے وقت درود واجب نہ ہوتا۔ تو تارک درود کو راہ جنت سے بھٹکا ہوا نہ کہا جاتا۔ اور یہ بھی مروی ہوا ہے کہ جس نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا یا اس کے سامنے ذکر ہوا۔ اور اس نے درود نہ پڑھا۔ تو اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر جفا کی۔ اور ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر جفا کرنا کسی مسلمان کو جائز نہیں۔ پس مقدمہ اولیٰ کی دلیل تو وہ روائیت ہے۔ جسے سعید بن اعرابی نے سند کے ساتھ قتادہ سے بیان کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ یہ جفا میں سے ہے کہ

"میرا ذکر کسی کے سامنے ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے"

اگر اس ایک مرسل کو ہم چھوڑ بھی دیں تو اور اس سے کوئی حجت نہ پکڑیں لیکن پھر بھی اس کے اصول و شواہد موجود ہیں۔ جو پہلے گذر چکے ہیں۔ مثلاً "بخیل و شحیح" نام رکھا جانا یا "رغم انف" یعنی "خاک آلود" کا فرمانا۔ اور ترک صلوٰۃ کو موجبات جفا قرار دینا۔ اور مقدمہ ثانیہ پر دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ؐ پر جفا کرنا حضور کی محبت کے کمال کے منافی ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کو نفس پر اور اہل و عیال پر متقدم رکھنے کا حکم ہے۔ اور اپنی جان سے بھی زیادہ آنحضرت ؐ کا اولیٰ ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ بیشک بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کے نزدیک اس کے نفس اور اولاد اور مادر و پدر اور تمام مخلوق سے زیادہ محبوب نہ

ہوں۔ حضرت عمرؓ کی حدیث میں ہے۔ یارسول اللہ بخدا آپ میرے نزدیک جملہ اشیاء سے محبوب ہیں۔ مگر اپنے نفس سے نہیں۔ فرمایا نہیں اے عمرؓ (ایمان کامل نہیں ہوگا) جب تک میں تیرے نفس سے بھی زیادہ تجھ کو محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضرت عمرؓ نے کہا بخدا اس وقت آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ فرمایا اب ٹھیک ہے۔ اے عمرؓ۔ یہ صحیح حدیث ہے۔ لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین ؕ
اس حدیث میں محبت کی تینوں اقسام کا ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ محبت کی بنیاد یا تو تعظیم و اجلال پر ہے جیسے باپ کی محبت یا لطف و شفقت و غمخواری پر جیسے اولاد کی محبت۔ یا صفات کمال اور احسان کی محبت جیسے ایک کی دوسرے سے۔ پس رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت جب تک ان سب محبتوں سے زیادہ پُرقوت و پُرزور نہ ہوگی۔ انسان مومن نہیں ہوسکتا۔ اور ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ پر جفا کرنا اس محبت کی ضد ہے۔ اور جب اَحَبِّیَّت فرض ہوئی تو اس کے توابع جس قدر ہیں۔ یعنی اجلال و تعظیم۔ توقیر و طاعت۔ آنحضرتؐ کو نفس پر مقدم کرنا۔ اور اپنا نفس حضورؐ پر نثار کر دینا۔ اور اپنی بقا حضورؐ کے نفس مبارک سے سمجھنا وہ سب بھی فرض ہوں گے اور درود شریف بھی فرض ہوگا۔ کیونکہ درود بھی اسی اَحَبِّیَّت کا لازمہ اور کمال ہے۔ پس جب ان وجوہ سے اور ان کے سوا دوسری وجوہ سے درود کا واجب ہونا اس شخص پر ثابت ہو گیا جس کے سامنے ذکر مبارک ہو۔ تو خود ذاکر پر اس کا وجوب اولیٰ ٹھہرا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ آیتِ سجدہ کے سامع کو جب سجدہ کا حکم دیا گیا ہے (خواہ بطور وجوب یا بطور استحباب جیسا کہ دو اقوال ہیں) تو قاری پر وجوب اس کا بالاولیٰ ہے۔

فصل

عدم وجوب درود شریف کے دلائل

وجوب درود کی نفی کرنے والے کہتے ہیں کہ ہمارے قول کی دلیل چند وجوہ ہے:۔

۱۔ یہ ثابت شدہ ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ سلف صالح جو قدوۂ امت ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے ہر دفعہ نام مبارک کے ساتھ درود کو شامل نہ کرتے تھے اور یہ بات نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے خطاب میں اس قدر پائی جاتی ہے کہ شمار سے باہر ہے وہ صرف یا رسول اللہ ہی کہتے تھے۔ اور بسا اوقات صلے اللہ علیک ہی کہہ دیا کرتے۔ چنانچہ احادیث سے بکثرت ظاہر ہے۔ پس اگر درود واجب ہوتا تب ترک کرنے والے پر انکار کا ہونا ضروری تھا۔

۲۔ اگر ذکر مبارک کے وقت درود واجب ہوتا تو یہ مسئلہ تمام واجبات سے زیادہ روشن ہوتا۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم بھی امت کے لیے ایسا بیان فرما دیتے۔ جس سے عذر قطع ہو جاتے اور حجت قائم ہو جاتی۔

۳۔ یہ قول نہ صحابہ میں سے نہ تابعین میں سے نہ تبع تابعین میں سے کسی ایک کا معروف نہیں اور نہ کسی کا نام معروف ہے جس نے ایسا کیا ہو۔ بلکہ اکثر فقہاء کا مذہب یا یہ کہو کہ اجماع تو یہ ہے کہ درود فروض میں سے نہیں۔ اور جو واجب کہتا ہے۔ اس کے قول کو شذوذ اور مخالفت اجماع سابق سے منسوب کیا گیا ہے۔ پھر نماز کے علاوہ تو درود فرض کیوں کر ہو سکتا ہے۔

۴۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر دفعہ کے ذکر کے بعد ہمیشہ درود پڑھنا واجب ہے تو موذن پر ضروری ہوتا کہ اشہد ان محمداً رسول اللہ! کے ساتھ صلے اللہ علیہ وسلم بھی کہا کرتا۔ حالانکہ اذان میں یہ کہنا مشروع بھی نہیں۔ واجب تو کیا ہونا تھا۔

۵۔ اذان کے سننے والے پر بھی درود پڑھنا واجب ہوتا۔ حالانکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے

صرف یہی حکم دیا ہے کہ جو موذن کہے وہی سامع بھی کہے۔

۶۔ تشہد اول بالاتفاق اشهد ان محمدا عبده ورسوله پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور درود کی مشروعیت میں جو اختلاف ہے۔ وہ تین قول ہیں۔

۱۔ صرف تشہد آخر میں مشروع ہے۔

۲۔ تشہد اول میں بھی مشروع ہے۔

۳۔ خاص آنحضرت صلعم پر مشروع ہے۔ آل کا ذکر نہ ہو۔ لیکن ہر سہ اقوال میں سے کسی نے پہلے تشہد میں وجوب کا اظہار نہیں کیا

۷۔ جب کوئی مسلمان ہو کر اسلام میں داخل ہوتا ہے تو شہادتین پڑھتا ہے۔ مگر اشهد ان محمدا رسول الله کے ساتھ اس سے صلے اللہ علیہ وسلم نہیں کہلایا جاتا۔

۸۔ خطیب جمعہ وعید وغیرہ میں لفظ تشہد کے وقت درود کی جانب نہیں جاتے۔ اگر ہر دفعہ ذکر مبارک پر درود واجب ہوتا تو شہادت کے ساتھ ضرور درود شامل کیا کرتے کوئی یہ نہ کہے کہ خطبہ میں درود آتو جاتا ہے۔ کیونکہ اس درود کا تشہد کے وقت اسم مبارک کے لیے جاتے پر عطف نہیں ہو سکتا۔ اور اس قدر فاصلہ طویل کے بعد وہ اس کا معطوف نہیں بن سکتا۔ حالانکہ قائلین وجوب ہر دفعہ کے ذکر پر درود کا ہونا واجب کہتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دوسری دفعہ کا ذکر پہلے ذکر سے (شمار میں) جدا ہوتا ہے

۹۔ اگر ہر دفعہ کے ذکر پر درود واجب ہوتا۔ تو ضروری تھا کہ قاری جہاں اسم مبارک پر پہنچے صلے اللہ علیہ وسلم کہے اور قرأت کو ادائے واجب کے لیے قطع کر دے۔ خواہ نماز میں ہو۔ یا نماز سے باہر۔ کیونکہ درود سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اور اس کا واجب ہونا متقین ہو چکا۔ اس لیے ادا کرنا لازم ہے۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ اگر درود واجب ہوتا تو صحابہ وتابعین اس پر بہت پکے ہوتے۔ اس کے ادا کرنے کے کمال شائق اور نہ چھوڑنے کے پورے پابند۔

۱۰۔ اگر ہر دفعہ ذکر مبارک پر درود واجب ہوتا تو یہ بھی واجب ہوتا کہ اسم اللہ کے ساتھ ہمیشہ سبحانہ وتعالے یا عز وجل۔ یا تبارک وتعالے یا جلت عظمتہ یا تعالے جدہ وغیرہ الفاظ شامل کیا جایا کرتے۔ ہاں ایسا ہوتا زیادہ موزوں اور اولی تھا۔ کیونکہ رسول کی تعظیم واجلال اور محبت واطاعت سب کے تابع ہوتی ہے اور یہ محال ہے کہ رسول کے لیے محبت واطاعت

یا تعظیم و اجلال تو حاصل ہو۔ اور مُرسل کو نہ ہو۔ بلکہ یہ تو سب کچھ مُرسل کی تبعیت سے ہی حاصل ہوا کرتا ہے۔ اور اسی لیے رسول کی طاعت اللہ کی طاعت اور رسول کی بیعت اللہ کی بیعت اور رسول کی محبت اللہ کی محبت رسول کی تعظیم اللہ کی تعظیم رسول کی نصرت اللہ کی نصرت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کا رسول و بندہ ہے۔ لوگوں کو اسی کی جانب بلاتا۔ اور اسی کی طاعت و محبت اور اجلال و تعظیم سکھلاتا۔ اور عبادت و وحدانیت کی تعلیم دیتا ہے سو ایسی حالت میں کیوں کر کہہ سکتے ہیں۔ کہ ذکر مبارک نبوی تو جتنی دفعہ ہو اس پر درود (جس کے معنے ثناء و تعظیم ہیں) واجب ہو تو اللہ تعالےٰ کا جتنی دفعہ نام لیا جاوے اس کی ثناء و تعظیم واجب نہیں یہ تو محال ہے۔

۱۱۔ مثلاً ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ اور اس کی زبان پر معمولی طور پر صرف محمد رسول اللہ یا اللھم صل علی محمد ہے اور بہت سے لوگ اس کی آواز سن رہے ہیں۔ اگر تم یہ کہو گے کہ ان سب سامعین پر درود واجب ہے تو لازم آئے گا کہ ان سب کی آواز درود ہی خواہ کتنا ہی بیٹھنا پڑے۔ اور یہ امر حرج و مشقت کا باعث اور قاری کی ترک قرات، اور مدرس کے ترک درس کا سبب ہوگا۔ بلکہ کوئی صاحب ضرورت کلام بھی نہ کر سکے گا۔ اور مذاکرہ علمی و تعلیم قرآن میں بھی حرج پیدا ہوگا۔ لیکن اگر تم اس وقت یہ کہو گے کہ ایسی حالتوں میں درود واجب نہیں رہتا تب اپنے مذہب کا خلاف خود کرو گے۔ اور اگر جواب دو گے کہ ایک دفعہ یا چند دفعہ کہنا واجب ہے۔

اول تو یہ صرف تحکم بلا دلیل ہے۔

دوم تمہارے قول کا مُبطل ہے۔

۱۲۔ کچھ شک نہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شہادت رسالت بڑا فرض اور واجب عظیم ہے۔ بہ نسبت درود کے۔ اور معلوم ہے کہ انسان اسلام میں اس کے بغیر داخل نہیں ہوتا۔ لیکن جب ہر دفعہ کے ذکر مبارک پر شہادت رسالت بھی فرض نہیں۔ تو ہر دفعہ کے ذکر مبارک پر درود کیونکر فرض ہو سکتا ہے۔ دیکھو کلمہ اخلاص (لا الٰہ الا اللہ) کے بعد تمام واجبات میں سب سے اعلیٰ فرض آپ کی رسالت کی شہادت ہے اور ذکر مبارک کے وقت اس کے وجوب کا اقرار کر لینا گویا ایمان اور جملہ موجبات شہادت کا تذکرہ کر لینا ہے۔ اس لیے اسم مبارک کے لینے والے پر محمد رسول اللہ کہنا واجب

ہے۔ اور اس کا وجوب درود کے وجوب سے، جو ہر دفعہ کے اسم مبارک پر کہا جاتا ہے زیادہ تر واضح ہے۔

غرض ہر دو فریق کے پاس ایسی ہی دلائل ہیں۔ جن میں سے بعض تو بہت ضعیف ہیں بعض محتمل ہیں اور بعض قوی۔ چنانچہ ہر ایک کے دلائل میں تامل کرنے سے سب کچھ بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب!

موطن دوازدہم

درود پڑھنے کی ایک جگہ تلبیہ سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔ دارقطنی نے سند کے ساتھ روائیت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم لبیک سے فارغ ہو کر اللہ تعالےٰ سے مغفرت و رضوان کا سوال کیا کرتے اور جہنم سے اس کی رحمت کی پناہ مانگتے۔ صالح کہتے ہیں۔ میں نے قاسم بن محمد کو کہتے سنا ہے کہ تلبیہ کے بعد درود پڑھنا مستحب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہاں یہ بھی توابع دعا سے ہے۔

موطن سیزدہم

درود پڑھنے کا ایک وقت استلام حجر ہے۔ ابوذر ہروی نے سند کے ساتھ نافع رضی اللہ عنہ سے روائیت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب استلام حجر کا ارادہ کرتے تو پڑھا کرتے اللھم ایمانا بک وتصدیقا بکتابک وسنة نبیک صلی اللہ علیہ وسلم!

(صفا مروہ پر درود خوانی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے)۔

موطن چہاردہم

بازار یا دعوت کو جاتے۔ یا کسی جانب نکلتے وقت درود پڑھنا بھی درود خوانی کے مقامات میں سے ہے۔ ابن ابی حاتم نے سند کے ساتھ ابی وائل سے روائیت کی ہے کہ میں نے ہمیشہ یہی دیکھا کہ عبداللہ رضہ جب گھوڑے پر سوار ہوتے یا جنازہ کے ساتھ جاتے۔ یا کسی کام کے لیے کھڑے ہوتے تو پہلے حمد و ثناء اللہ کی کرتے۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے اور دعائیں مانگتے۔ جب بازار جاتے۔ اور اس کی ایسی جگہ پر پہنچتے تھے۔ جو

بہت غافل کر دینے والی ہو۔ دررونق اور بھیڑ کی جگہ) تو وہیں بیٹھ کر حمد و ثنا اللہ کی کرتے درود پڑھتے اور چند دعائیں بھی۔

موطن پانزدہم

رات کی نیند سے سو کر اُٹھنے کے وقت درود شریف کا پڑھنا مقامات درود خوانی میں سے ہے۔ نسائی نے سنن کبیر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ دو شخصوں کو دیکھ کر ہنستا اور خوش ہوتا ہے۔ ایک وہ جو دشمن سے کہ عمدہ گھوڑے پر سوار ہو ملے۔ پھر دشمنوں کو بھگادے اور یہ ثابت رہے۔ اگر یہ بندہ مارا گیا تو شہادت پائی اور زندہ رہا تو اللہ تعالےٰ اُسے دیکھ کر ہنستا ہے۔ ایک وہ جو رات کو ایسے وقت اٹھتا ہے کہ کوئی نہ جانے۔ پھر اچھی طرح وضو کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی حمد و تمجید بجالاتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے اور قرآن مجید کھول لیتا ہے اُسے دیکھ کر بھی اللہ تعالےٰ ہنستا ہے فرماتا ہے میرے بندہ کو دیکھو عبادت میں مشغول ہے اور میرے سوا اسے کوئی نہیں دیکھتا عبدالرزاق نے بھی اپنی سند کے ساتھ اس کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

موطن شانزدہم

مقامات درود میں سے ایک مقام ختم قرآن کے بعد ہے۔ کیونکہ یہ محل دعا کا محل ہے اور ختم قرآن کے بعد دعا کرنا اور امام احمد رہ نے نص سے ثابت کیا ہے۔ ابو الحارث کی روایت میں ہے کہ انس رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید ختم کرتے تو اہل و اولاد کو جمع کر لیتے۔ یوسف بن موسےٰ کی روایت میں ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی قرآن مجید ختم کرتا ہے اور لوگ اس کے پاس اکٹھے ہو کر دعا مانگتے ہیں۔ کہا ہاں میں نے معمر کو دیکھا ہے کہ جب ختم قرآن مجید ہوتا تو ایسا ہی کرتے۔ حرب کی روایت میں ہے کہ ختم قرآن مجید کے وقت اہل و اولاد کو جمع کر کے دعا کرنا مستحب ہے۔ ابن ابی داؤد کی کتاب فضائل القرآن میں ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ جس نے قرآن مجید ختم کیا۔ اس کی دعائیں مستجاب ہیں۔ اور مجاہد سے روایت ہے کہ ختم قرآن کے وقت نزول رحمت ہوتا ہے۔ ابو عبید نے کتاب فضائل القرآن میں قتادہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص تھا مدینہ میں جو اول سے آخر تک اپنے دوستوں

کے سامنے قرآن مجید ختم کیا کرتا تھا۔ ابن عباس وہاں آدمی بٹھلا دیتے اور جب ختم کا وقت ہوتا تو خود آجاتے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نماز تراویح میں اس کے مستحب ہونے پر نص کی ہے۔ حنبل رہ کہتے ہیں میں نے امام احمد رہ کو کہتے سنا ہے کہ جب تو قل اعوذ برب الناس پڑھ کر فارغ ہو تب رکوع سے پہلے دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا میں نے پوچھا کہ آپ اس مسئلہ میں دکس دلیل پر چلتے ہیں۔ فرمایا میں نے اہل مکہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ اور سفیان بن عینیہ بھی ان کے ساتھ مکہ میں ایسا کرتے تھے۔ عباس بن عبد العظیم کہتے ہیں کہ میں نے بھی لوگوں کو بصرہ اور مکہ میں ایسا ہی کرتے ہی پایا ہے۔ اور اہل مدینہ سے اس بارہ میں چند امور مروی ہیں۔ جو عثمان بن عفان ذو النورین رضی اللہ عنہ سے ذکر کیے جاتے ہیں۔ فضل بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ (امام احمد رضی اللہ عنہ) سے پوچھا میں قرآن ختم کرتا ہوں۔ کیا تراویح اندر وتر میں کروں؟ فرمایا ہاں تراویح میں کرتا کہ ہماری دعا دونوں (تراویح ووتر) کے درمیان ہو۔ میں نے کہا میں کس طرح کیا کروں۔ کہا جب تو آخر قرآن سے فارغ ہو۔ تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھا رکوع سے پہلے اور ہمارے لیے دعا کر۔ دراں حالیکہ ہم نماز میں ہوں گے۔ اور قیام کو طول دیا کر۔ میں نے پوچھا کہ دعا کیا کروں۔ فرمایا جو تو چاہے۔ میں نے ایسا ہی کیا جو انہوں نے تبلایا تھا۔ اور وہ میرے پیچھے کھڑے ہوئے۔ دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا مانگتے تھے۔ پس یہ مقام مواطن دعا میں سے زیادہ ضروری اور اجابت کے لیے حق ہے۔ تو مواطن صلوٰۃ میں بھی نہائیت موکد جگہ ہے۔

موطن ہفتدہم

اوقات درود خوانی میں سے ایک یوم جمعہ ہے۔ حدیث ابو امامہ رضی اللہ عنہ پہلے گذر چکی ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ہر ایک جمعہ کو مجھ پر درود زیادہ پڑھا کرو۔ کیونکہ امت کے درود ہر جمعہ کو میرے سامنے کیے جاتے ہیں اور جو مجھ پر درود پڑھنے میں بڑھ کر ہو گا۔ وہی منزلت میں مجھ سے نزدیک تر ہو گا۔ اسے بیہقی نے روایت کیا۔ بیہقی نے ابن مسعود انصاری سے یہ روائیت بھی کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم مجھ پر جمعہ کے دن درود زیادہ پڑھا کرو۔ کیونکہ کوئی شخص ایسا نہیں جو جمعہ کے دن مجھ پر درود پڑھے۔ مگر یہ اس کا درود میرے سامنے کیا جاتا ہے"

اس سند میں اسمٰعیل بن رافع ہے۔ مگر ابن سفیان کہتے ہیں کہ شواہد و متابعات کے لیے اس کی روائیت صلاحیت رکھتی ہے۔ ابن عدی نے سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روائیت کی ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر درود زیادہ پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے کیا جاتا ہے۔ گو اس کی اسناد بھی ضعیف ہے مگر (حدیث) فی الجملہ محفوظ ہے اور شواہد میں اس کا ذکر ضرر نہیں رکھتا۔ مراسیل حسن بصری رح میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیث ہے۔

"مجھ پر یوم جمعہ کو اکثر درود پڑھا کرو"

ابن وضاح نے سند کے ساتھ ابن شعیب سے روائیت کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے لکھ کر بھیجا کہ جمعہ کے دن علم پھیلاؤ۔ کیونکہ علم کی آفت نسیان ہے۔ اور جمعہ کے دن نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بہت پڑھو۔

موطنِ ہیزدہم

مقامات درود میں سے ایک مقام مجلس سے اٹھنے کے وقت ہے۔ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے سند کے ساتھ ابن عمر سے بیان کیا ہے کہ میں نے سفیان بن سعید کو اتنی دفعہ کہتے سنا ہے جس کا شمار نہیں کر سکتا کہ جب اُٹھنے کا ارادہ کرتے تو کہا کرتے صلی اللہ وملٰئکتہ علی محمد وعلی انبیاء اللہ وملائکتہ۔ اس موطن میں یہی اثر ملا ہے۔

موطنِ نوزدہم

مقامات درود میں سے ایک مسجد کے نظر پڑھنے اور پاس سے گذرنے کا وقت ہے قاضی اسمٰعیل نے سند کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روائیت کی ہے۔ فرمایا جب تم مسجد کے پاس سے گذرو۔ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجو۔

موطنِ بستم

مقامات درود میں سے ایک مقام غم و شدائد کے ہجوم اور طلب مغفرت کا وقت ہے۔ ترمذی میں ابی بن کعب عن ابیہ کی لمبی حدیث ہے۔ جس کے آخر میں ہے کیا میں کر

دوں آپ کے درود کو تمام وقت اپنا؟ فرمایا اُس وقت وہ تیرے غم کے لیے کافی ہوگا اور تیرے گناہ بخشائے گا" ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ اور محمد بن عقیل کی سند سے جو روایت کی ہے اسے صحیح بتلایا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے اس کو مسند میں مختصراً بیان کیا ہے۔ جس کے آخر میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اب اللہ تعالیٰ تجھے کفایت کرے گا۔ اس چیز سے جس نے تجھے غم میں ڈالا ہے۔ امر دنیا سے اور آخرت سے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً کثیراً الی یوم الدین)!

موطن بست ویکم (۲۱)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے لکھتے وقت ابوالشیخ نے سند کے ساتھ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے کسی تحریر میں مجھ پر درود لکھا ہمیشہ ملائکہ اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ جب تک میرا نام اس کتاب میں ہوتا ہے۔ ابو موسےٰ کہتے ہیں کہ ایک سے زیادہ نے اسید رض سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور اسحاق بن وہب نے بھی سند کے ساتھ اعرج سے روایت کیا ہے اور اعرج سے ان ہر دو وجوہ کے علاوہ بھی روایت ہوئی ہے۔ اور اس باب میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و ابن عباس و عائشہ رضی اللہ عنہم کی احادیث ہیں۔ سلیمان بن ربیع نے سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھا ہمیشہ اس پر رحمت جاری رہتی ہے جب تک میرا نام اس کتاب میں ہے۔ جعفر بن علی الزعفرانی کے طریق سے مروی ہے کہ میں نے اپنے خالو حسن بن محمد کو کہتے سنا ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا اے ابو علی کاش تو دیکھ لے کہ جو صلوٰۃ ہم نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر کتاب میں لکھی تھی۔ وہ ہمارے آگے کیسی روشن اور نورانی ہو رہی ہے۔ ابوالحسن بن علی میمونی کہتے ہیں میں نے شیخ ابو علی حسن بن عیینہ رح کو موت کے بعد خواب میں دیکھا ان کی ہاتھوں کی انگلیوں پر کوئی چیز سبز یا زعفرانی رنگ سے لکھی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا کہ اے استاد میں آپ کی انگلیوں پر ایک ملیح تحریر دیکھتا ہوں۔ یہ کیا ہے۔ کہا اے لڑکے یہ طفیل ہے حدیث رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کا۔ اور یہ طفیل ہے حدیث میں

لفظ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کا۔ خطیب نے سند کے ساتھ ابو سلیمان حرانی سے روایت کی ہے کہ مجھ سے میرے ایک ہمسایہ نے جس کو ابو الفضل کہتے تھے۔ اور جو بہت روزہ رکھنے والا اور بہت نوافل پڑھنے والا تھا۔ بیان کیا کہ میں حدیث لکھا کرتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا فرمایا جب تو لکھتا ہے یا میرا نام لیتا ہے تو مجھ پر درود کیوں نہیں پڑھتا (یا نہیں لکھتا) اس سے ایک عرصہ کے بعد مجھے پھر زیارت ہوئی۔ فرمایا میرے پاس تیرے درود پہنچتے ہیں۔ اب جب تو مجھ پر درود بھیجے۔ یا ذکر کرے تو صلے اللہ علیہ وسلم کہہ دیا کر۔ سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر صاحب حدیث کو اور کوئی فائدہ سوا صلوٰۃ بر رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے نہ ہو (تو یہی بے مثل ہے) کیونکہ اس پر رحمت بھیجی جاتی ہے جب تک کتاب میں صلے اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا رہتا ہے۔ محمد بن ابو سلیمان کہتے ہیں میں نے اپنے باپ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا پیارے باپ خدا تعالےٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا۔ کہا مجھے بخش دیا۔ میں نے کہا کیوں کر۔ کہا نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود لکھتے رہنے سے۔ ایک محدث کہتے ہیں میرا ایک ہمسایہ تھا وہ مر گیا میں نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خداوند کریم نے تیرے ساتھ کیا کیا۔ کہا بخش دیا۔ میں نے پوچھا کیونکر۔ کہا حدیث میں جہاں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا میں اس کے ساتھ صلے اللہ علیہ وسلم لکھ دیا کرتا سفیان بن عیینہ رح نے کہا مجھ سے خلف صاحب خلقان نے روایت کیا ہے۔ کہ میرا ایک صدیق تھا۔ میرے ساتھ طلب حدیث کیا کرتا وہ مر گیا۔ میں نے اُسے خواب میں دیکھا اس پر سبز پوشاک تھی۔ دامن کشاں چلتا تھا۔ میں نے کہا تو میرے ساتھ حدیث طلب نہ کیا کرتا تھا؟ کہا ہاں۔ میں نے کہا۔ پھر تو اس درجہ پر کیوں کر پہنچ گیا۔ کہا جو ایسی حدیث آتی جس میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ہوتا میں اس کے نیچے صلے اللہ علیہ وسلم لکھ دیا کرتا اس کا بدلہ یہ ہے کہ جو تم میرے اوپر پوشاک دیکھ رہے ہو۔ عبداللہ بن حکم کہتے ہیں۔ میں نے خواب میں شافعی رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا۔ پوچھا اللہ تعالےٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا۔ فرمایا مجھ پر رحم کیا اور مجھے بخش دیا۔ اور مجھے بہشت کے لیے یوں آراستہ بنایا۔ جیسے عروس کو آراستہ کیا کرتے ہیں۔ اور میرے اوپر یوں نچھاور کیا جیسے دلہن پر کیا کرتے ہیں۔ میں نے کہا آپ اس درجہ کو کیوں کر پہنچ گئے۔ کہا مجھ سے ایک قائل نے کہا تھا کہ کتاب الرسالۃ میں جو درود نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر تم نے لکھا ہے اس کا عوض ہے۔ میں نے پوچھا وہ کیوں کر

ہے۔ فرمایا وہ لفظ یہ ہیں۔ وصلی اللہ علی محمد عدد ما ذکرہ الذاکرون وعدد ما غفل عن ذکرہ الغافلون ۔ جب صبح ہوئی میں نے کتاب کھول کر دیکھی۔ تو یہی عبارت اس میں درج تھی۔ صلی اللہ علی نبیہ وسلم!

خطیب نے سند کے ساتھ ابو اسحاق دارمی معروف نہشل سے بیان کیا ہے۔ کہ میں اپنی تحریر میں جو حدیث لکھتا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً لکھا کرتا۔ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گویا مجھ میرا لکھا ہوا لیے ہوئے ہیں۔ اس میں نظر مبارک ڈالی۔ اور فرمایا جید ہے۔ عبید اللہ بن عمرو کہتے ہیں میرے ایک بھائی نے جس پر میں وثوق کرتا ہوں۔ مجھ سے بیان کیا کہ میں نے ایک اہل حدیث شخص کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا۔ مجھ پر رحم فرمایا کہ مجھے بخش دیا۔ میں نے کہا کیوں کر۔ کہا جب میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک پر پہنچتا تو صلے اللہ علیہ وسلم ضرور لکھتا۔ اس کو محمود بن صالح نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

حافظ ابو موسیٰ نے اپنی کتاب میں اہل حدیث کی ایک جماعت کا ذکر کیا ہے۔ جو اپنی موت کے بعد دیکھی گئی اور انہوں نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو بخش دیا۔ بعوض اس کے کہ وہ ہر ایک حدیث میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر صلے اللہ علیہ وسلم لکھا کرتے تھے۔ ابن سنان کہتے ہیں۔ میں نے عباس عنبری اور علی بن مدینی کو کہتے سنا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کسی حدیث میں جو ہم نے سنی ہے نہیں چھوڑا۔ اور اگر بہت ہی جلدی ہوتی تب بھی سفید جگہ چھوڑ دی تاکہ پھر لکھ سکیں۔

(۲۲)
موطن بست و دوم

مقامات درود میں سے ایک مقام تبلیغ علم اور تذکیر درس و تعلیم کے اول و آخر درود شریف کا پڑھنا ہے۔ اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ بیان کیا کہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے فرمان لکھا تھا۔ کہ لوگوں نے لوگوں سے عمل آخرت کے بدلے دنیا طلبی شروع کر دی ہے۔ قصہ خوانوں نے یہ بدعت نکالی کہ بادشاہ اور امراء پر بھی درود بھیجنے لگے۔ جیسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر بھیجا جاتا ہے۔ اس فرمان کو دیکھتے ہی سب کو حکم دو کہ صلوٰۃ تو انبیاء پر ہو۔ اور عام مسلمین کے لیے دعا ہو۔ کوئی مسلمان ہو اس کے لیے دعا کی جائے۔

واضح ہو کہ اس موطن میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود نہایت ضروری ہے کیونکہ یہ وقت تبلیغ علم کا ہے۔ جسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اور امت میں پھیلایا۔ اور امت کو ارزانی فرمایا۔ نیز یہ وقت لوگوں کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت وطریق کی جانب دعوت کا ہے۔ اور یہ امر سب اعمال سے افضل اور منفعت میں بندہ کے لیے دنیا وآخرت میں اعظم ہے۔ اللہ تعالے نے فرمایا ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین! فرمایا قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی خواہ تو اس کے یہ معنے ہیں کہ میں اور میرے تابعین اللہ کی طرف بروئی بصیرت بلاتے ہیں۔ ادعوا الی اللہ! پر وقف کیا جاوے۔ اور پھر علی بصیرۃ انا ومن پڑھا جاوے (یعنی میں اور میرے تابعین بصیرت پر ہیں) یہ دونوں قول متلازم ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بتلادیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا طریق اللہ تعالے کی جانب بلاتا ہے۔ اور جو شخص لوگوں کو اللہ کی جانب بلاتا ہے وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سبیل پر ہے اور بصیرت پر بھی۔ نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں داخل ہے۔ اور جو شخص خدائے بزرگ کی جانب کے سوا اور طرف بلاتا ہے۔ وہ نہ سبیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے نہ بصیرت پر۔ نہ اتباع محمدیہ میں داخل۔ غرض یہ کہ اللہ تعالے کی جانب بلانا مرسلین کا وظیفہ ہے یا ان کے اتباع کا جو امت کے اندر خلفاء ہوتے ہیں اور لوگ ان کا اتباع کیا کرتے ہیں۔ اور جس طرح پر کہ اللہ تعالے نے اپنے رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کو حکم دیا ہے۔ کہ جو نازل ہو اسی کو لوگوں تک پہنچادیں۔ اور آپ کی حفاظت اور مخلوق سے عصمت وصیانت کی ضمانت خود اللہ تعالے نے فرمائی ہے۔ اسی طرح جو علماء تبلیغ شریعت کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی حفظ وعصمت الٰہی شامل حال ہے۔ جس قدر کہ وہ دین پر قائم اور تبلیغ پر محکم ہیں۔ بیشک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے لوگوں کو پہنچایا جائے گو ایک آیت ہی ہو۔ اور پہنچانے والے کے لیے دعا فرمائی ہے گو ایک حدیث ہی ہو۔ یاد رکھو کہ امت کو سنت کا پہنچانا دشمنوں کی چھاتیوں پر پتھر لگانے سے افضل ہے۔ کیونکہ تیر انگنی تو بہت کر سکتے ہیں۔ مگر تبلیغ سنت صرف ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جو وارث انبیاء اور امت کے خلفاء ہوتے ہیں۔ (اللہ تعالے اپنے منت وکرم سے ہم کو ان لوگوں میں سے بنائے) بیشک یہ لوگ ویسے ہی ہوتے ہیں۔ جیسے ان کی تعریف عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے

خطبہ میں کی ہے۔ یہ خطبہ ابن وضاح نے اپنی کتاب الحوادث والبدع میں لکھا ہے۔ فرمایا۔

الحمد لله الذی امتن علی العباد بان
جعل فی کل زمان فترة من الرسل بقایا
من اهل العلم یدعون من ضل الی الهدی
ویصبرون منهم علی الاذی ویحیون بکتاب
الله اهل العمی کم من قتیل لابلیس
قد احیوه وضال تائه قد هدوه
بذلوا دماءهم واموالهم
دون هلکة العباد فما احسن اثرهم
علی الناس علیهم یقتلونهم فی سالف
الدهر والی یومنا هذا فما نسیهم
ربک وما کان ربک
نسیا جعل قصصهم
هدی واخبر عن حسن
مقالتهم فلا تقصر
عنهم فانهم فی
منزلة رفیعة
وان اصابتهم
الوضیعة !

تمام حمد اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندوں
پر یہ احسان کیا کہ رسولوں کے زمانِ فترت میں
ایسے اہل علم باقی رکھے جو گمراہ کو ہدایت کی طرف
بلائیں اور اس راہ میں صبر کے ساتھ اذیت
اٹھائیں۔ کور چشموں کو کتاب اللہ کے ساتھ حیات
بخشیں۔ بہت ایسے ہیں۔ جن کو ابلیس اپنے ہاتھوں
سے کشتہ بنا چکا تھا۔ مگر اہل علم نے ان کو ازسرِ نو
زندگی دی۔ اور بہت ایسے ہیں جو ضلالت میں
سرگرداں تھے۔ انہوں نے ہدایت پر ان کو ڈالا
لوگوں کو ہلاکت سے بچایا۔ اور اپنی جان و
مال کو معرض خطر میں ڈالا۔ اللہ اکبر۔ لوگوں کے
ساتھ ان کے کیسے اچھے سلوک ہیں۔ اور لوگوں
کا برتاؤ ان کے ساتھ کیسا برا ہے کہ قدیم سے
لے کر آج تک ان بزرگواروں کو قتل ہی کرتے
آئے۔ لیکن اللہ تعالےٰ ان کے کرتوت نہیں
بھولا۔ اور نہ بھول خدا کو ہو ہی سکتی ہے
اللہ تعالےٰ نے ان کے قصہ کو ہدایت بنایا
ہے۔ اور ان کے پاکیزہ کلام کی خبر دی ہے
دیکھو تو ان سے کوتاہی نہ کیجیو۔ کیونکہ یہ نہایت
بلند درجہ پر ہیں۔ گو فرومایہ لوگ ان کو ناکس
خیال کیا کریں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہر ایک بدعت کے وقت جو اسلام میں اپنا
پاؤں نکالے اللہ کا ایک ولی ہوتا ہے جو اسلام سے اُسے دور کرتا اور اس کی علامات میں
گفتگو کرتا ہے۔ پس تم ان مواطن کی حضوری کو غنیمت سمجھو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اس بارہ

ہیں تم کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد کافی ہے جو علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا تھا۔ نیز معاذ رضی اللہ عنہ کو۔ کہ اگر اللہ تعالے نے تیری وجہ سے ایک آدمی کو بھی ہدائیت کردے تو یہ بات تیرے لیے شتران سرخ سے بہتر ہے۔ نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ

"جس شخص نے میری سنت سے کوئی شئے زندہ کی۔ میں اور وہ جنت میں اس طرح پر ہوں گے" اور اپنی دو انگلیوں کو ملایا۔"

نیز یہ ارشاد کہ

"جس شخص نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا اور اس نے پیروی کی۔ تو اس کو ثواب ہوگا اس شخص کے اجر کے موافق جو اس پر عمل کرتا رہے گا۔ یوم قیامت تک"

دیکھو یہ فضل عظیم اور حظ جسیم عامل اپنے عمل سے کہاں پا سکتا ہے یہ تو اس کا فضل ہے جسے چاہے اسے دے۔ واللہ ذو الفضل العظیم۔ غرض جو شخص رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف لوگوں کو تبلیغ کرتا ہے اور جسے خدا وند تعالے نے اس مقام پر کھڑا کردیا ہے اسے لازم ہے کہ اپنے کلام کو اللہ تعالے کی حمد و ثناء کے اور تمجید کے ساتھ کھولے وحدانیت کا اعتراف کرے اور اس کے جو حقوق بندوں پر ہیں انہیں بیان کردے۔ پھر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے۔ اور آنحضرت کی تمجید و ثنا کرے اور ختم بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تسلیما کے درود پر کرے۔

(۲۳) موطن بست وسوئم

دن کے اول و آخر درود پڑھنا بھی درود خوانی کے اوقات میں سے ہے۔ طبرانی نے بروائیت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روائیت کی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دس دفعہ صبح کے وقت اور دس دفعہ شام کے وقت مجھ پر درود پڑھا۔ قیامت کے دن اسے میری شفاعت نصیب ہوگی۔ ابو موسے مدینی کہتے ہیں کہ اسناد حدیث میں بقیہ سے جرجسی روائیت کرتا ہے۔ ان کا نام یزید بن عبداللہ ہے جرجسی اس لیے مشہور ہو گیا کہ حمص میں کیسہ جرجس کے متصل رہا کرتا تھا۔ جرجسی کے سوا اور بھی اس حدیث کو بقیہ سے روایت کرتے ہیں۔

موطنِ بست وچہارم (۲۴)

مقاماتِ درود خوانی میں سے ایک مقام صدورِ گناہ کے بعد ہے جب اس کے کفارہ کا ارادہ ہو۔ ابن ابی عاصم نے کتاب الصلوٰۃ میں بروایت انس رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھ پر درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارے لیے کفارہ ہے۔ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے۔ خدا تعالےٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ اسی کتاب میں ابو کاہل رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابو کاہل جو مجھ پر ہر ایک دن میں تین دفعہ اور ہر ایک رات میں تین دفعہ میری محبت اور شوق سے درود پڑھتا ہے۔ اللہ پر حق ہے کہ اس دن اور رات کے گناہ اس کے بخش دے۔ پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھ پر درود پڑھا کرو۔ کیونکہ درود تمہارے لیے زکوٰۃ (ستھرائی اور پاکیزگی) ہے۔ اسی حدیث کو ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے۔ اور یہ حدیث بتلا رہی ہے کہ درود خوان کے حق میں درود زکوٰۃ ہے۔ اور زکوٰۃ نمو و برکت و طہارت پر متضمن ہوتی ہے اور پہلی حدیث میں درود کو کفارہ فرمایا ہے۔ یہ محوِ گناہاں پر شامل ہے۔ پس دونوں حدیثیں بتلا رہی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے سے نفس کو زوائل سے طہارت حاصل ہوتی ہے۔ اور کمالات وفضائل میں نمو و زیادت عطا ہوتی ہے۔ اور یہی دو چیزیں ہیں جن پر کمال نفس راجع ہوتا ہے اس لیے صاف معلوم ہو گیا کہ نفس کو کمال بجز درود خوانی کے حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ درود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی لوازم محبت میں سے ہے۔ اور یہی علامت ہے کہ بندہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیگر تمام مخلوق پر مقدم کرتا ہے۔

موطنِ بست وپنجم (۲۵)

اوقاتِ درود میں سے ایک وقت تنگی وحاجت ہونے پر۔ یا ان کے خوف و وقوع پر ہے۔ ابو نعیم نے جابر بن سمرۃ السوائی عن ابیہ سے روایت کی ہے۔ کہ ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ ایک آدمی آیا اور عرض کی۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے نزدیک سب اعمال سے قریب تر کیا ہے۔ فرمایا راست گفتاری اور ادائے امانت۔ میں نے عرض

کی اے رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ اور فرمایئے۔ فرمایا۔ صلوٰۃ لیل اور صومِ ہواجر[۱]۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ اور فرمایئے۔ فرمایا جو شخص کسی قوم کی امامت کرائے وہ ہلکی نماز پڑھائے۔ کیونکہ جماعت میں بوڑھے۔ بیمار۔ کمزور اور مزدوروں والے لوگ ہوتے ہیں۔

موطنِ بست و ششم (۲۶)

مقاماتِ درود میں سے ایک مقام نکاح کا خطبہ ہے۔ اسمٰعیل بن ابی زیادہ نے سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی کی تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے نبی ص کی ثناء و مغفرت فرماتا۔ اور فرشتوں کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے استغفار مانگنے کا حکم دیتا ہے۔ یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما مومنین کو بھی لازم ہے۔ کہ آنحضرت ص کی ثنا نمازوں اور مسجدوں میں نیز دیگر مقامات پر اور خطبہ نکاح میں کیا کریں۔ بھولیں نہیں۔

موطنِ بست و ہفتم (۲۷)

مقاماتِ درود میں سے ایک مقام چھینکنے کا وقت ہے۔ طرانی نے نافع سے روائیت کی ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا۔ ان کے پہلو میں ایک شخص نے چھینکا اور کہا الحمد للہ السلام علی رسول اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یوں تو میں بھی کہتا ہوں۔ السلام علی رسول اللہ لیکن عمل یوں نہیں۔ ہم کو تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ جب چھینک آئے تو الحمد للہ علی کل حال کہا کریں۔ طرانی نے کہا کہ اس روائیت کو جو سہل بن صالح الطاکی ولید سے روایت کرتا ہے۔ یہ اس روائیت میں منفرد ہے۔ اور ولید جو سعید بن عبدالعزیز سے روائیت کرتا ہے۔ سوا اس کے سوا اور کسی نے سعید سے یہ روائیت نہیں کی۔ ترمذی رح نے اسی روائیت کو اپنی سند کے ساتھ نافع سے روائیت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اس کو نہیں جانتے۔ بجز زیاد بن ربیع کے

---

[۱] رات کی نماز اور ناغہ ڈال کر روزہ رکھنا ۱۲ منہ

طریق کے ۔ ابو موسیٰ مدینی کہتے ہیں کہ بروایت نافع ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے برخلاف بھی روایت کی گئی ہے۔ ابو اسحاق رہ نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص کو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چھینک آئی ۔ ابن عمر رضؓ نے فرمایا تو نے بخل کیا ۔ کیوں نہیں الحمد للہ کے ساتھ تو نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا ۔ نیز اس طرف بھی ایک جماعت گئی ہے ۔ جن میں ابو موسےٰ مدینی وغیرہ ہیں ۔ اور دوسروں نے اس مسئلہ میں ان سے نزاع کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ چھینک کے وقت درود مستحب نہیں ۔ یہ مقام صرف اللہ تعالےٰ کی حمد کا ہے ۔ اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف حمد ہی مشروع فرمائی ہے ۔ درود اگرچہ اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے اور افضل اعمال بھی ہے ۔ تاہم ہر ایک ذکر کے لیے ایک مقام مخصوص ہوتا ہے ۔ جہاں اس کی جگہ دوسرا ذکر نہیں لے سکتا ۔ یہی وجہ ہے کہ درود رکوع و سجود اور قومہ میں مشروع نہیں ۔ بلکہ صرف تشہد اخیر میں ہے ۔ اس کے بعد یہ ایک حدیث بھی روایت کرتے ہیں ۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا ذکر تین جگہ نہ کرو ۔ طعام پر بسم اللہ پڑھتے ہوئے ۔ ذبح اور چھینک کے وقت لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ۔ اس میں تین علل ہیں ۔

۱ ۔ سلیمان بن عیسےٰ جو عبدالرحیم بن زید عمی سے روایت کرتا ہے وہ اپنی روایت میں منفرد ہے ۔

۲ ۔ عبدالرحیم بھی ضعیف ہے ۔

۳ ۔ اس حدیث میں انقطاع ہے ۔

اس کے بعد بیہقی کہتے ہیں کہ ابو اسحاق عن نافع کی روایت جسے فقیہ ابو طاہر نے روایت کیا ہے ۔ چھینک آنے کے وقت درود پڑھنے کے بارہ میں لکھی جا چکی ہے ۔

(۲۸)
موطن بست و ہشتم

وضو سے فارغ ہو کر درود پڑھنا بھی مقامات درود خوانی میں سے ہے ۔ ابو الشیخ نے اپنی کتاب میں سند کے ساتھ ابو وائل سے حضرت عبداللہ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی وضو سے فارغ ہو تو اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ پڑھے ۔ پھر اس کے بعد مجھ پر درود ۔ جب ایسا کیا تو اس کے لیے دروازہ ہائے رحمت کھول لے جاتے ہیں ۔ یہ حدیث مشہور ہے ۔

اور اس کے طرق عمرؓ بن خطاب عقبہ بن عامر و ثوبان و انس رضی اللہ عنہم سے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی میں درود کا ذکر نہیں۔ ہاں صرف اسی روایت میں ہے ابن ابی عاصم نے اپنی کتاب میں مرفوعاً بیان کیا ہے کہ جو شخص نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں پڑھتا اس کا وضو صحیح نہیں۔ اس روایت میں عبدالمہیمن جو راوی ہے اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔

(۲۹)
موطن بست و نہم

گھر داخل ہوتے وقت درود پڑھنا بھی مقامات درود خوانی میں سے ہے۔ اس کو حافظ ابو موسےٰ مدینی نے بیان کیا ہے۔ اور اس بارہ میں ابو صالح کی روایت سے سند کے ساتھ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ ایک شخص رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور فقر و تنگدستی کی شکایت کی۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو اپنے گھر میں داخل ہو۔ تو سلام کہہ۔ خواہ اس میں کوئی ہو یا نہ ہو۔ پھر مجھ پر سلام پڑھ۔ پھر ایک دفعہ قل ہو اللہ احد پڑھ۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالےٰ نے اس پر رزق کی ریل پیل کر دی۔ یہاں تک کہ وہ ہمسایوں قرابتیوں کو بھی دینے لگا۔

(۳۰)
موطن سیء ام

جس مقام پر ذکر الٰہی کے لیے جمع ہو کر بیٹھیں۔ وہاں درود پڑھنا بھی مقامات درود خوانی میں سے ہے۔ جیسا کہ حدیث ابوہریرہؓ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے فرشتوں میں سے کچھ سیر کرنے والے ہیں۔ جب ذکر کی مجلس پر پہنچتے ہیں۔ تو ایک دوسرے سے کہتا ہے بیٹھ جاؤ جب یہ دعا مانگیں ہم آمین کہیں گے۔ اور جب یہ درود پڑھیں تو ان کے ساتھ پڑھیں گے یہاں تک کہ فارغ ہو جاویں۔ پھر ایک فرشتہ دوسرے سے کہتا ہے۔ کیا خوش نصیب ہیں یہ اپنے گھروں کو ایسی حالت میں جائیں گے جب کہ ان کے گناہ بخشے گئے ہیں۔ اس حدیث کی اصل صحیح مسلم میں ہے۔

موطن سی و یکم (۳۱)

جب کوئی شخص کسی چیز کو بھول جائے اور یاد کرنا چاہے۔ تو اس وقت درود پڑھنا بھی

مقامات درود خوانی میں سے ہے۔ اس کو ابو موسیٰ مدینی نے ذکر کیا ہے۔ اس بارہ میں محمد بن عتاب المروزی کے طریق سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ۔ تو مجھ پر درود پڑھو۔ انشاء اللہ وہ یاد آجائے گی۔ حافظ موسےٰ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو کتاب الحفظ والنسیان میں ہم نے دوسرے طریق سے روائیت کیا ہے۔

موطنِ سی ودوم (۳۲)

احتیاج کے وقت درود پڑھنا بھی مقاماتِ درود خوانی میں سے ہے۔ احمد بن موسےٰ نے سند کے ساتھ جابر عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روائیت کی ہے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کی نماز کے بعد کلام کرنے سے پہلے سو بار درود پڑھے گا۔ اللہ تعالےٰ اس کی سو حاجتیں پوری کرے گا۔ جن میں سے ۳۰ دنیوی اور ۷۰ اُخروی ہوں گی۔ اور مغرب میں بھی اسی طرح ہے۔ لوگوں نے پوچھا۔ یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ پر درود کی کیفیت کیا ہے؟ فرمایا۔ ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ اللھم صل علیہ - ۱۰۰ دفعہ۔ ابراہیم بن جنید نے سند کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب ...... تو اللہ تعالےٰ سے کسی حاجت کا سوال کرے تو پہلے اللہ عزّ وجل کی حمد وثناء ومدحت اس کی شان کے شایان کر۔ پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پھر دعاء حاجت۔ یہ طریق حاجت پورا نہ ہونے کے لیے بہت ٹھیک ہے۔

طبرانی نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روائیت کی ہے کہ ایک دن رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ فرمایا جس کو اللہ عزّ وجل سے کچھ حاجت ہو اُسے چاہیئے کہ سنوار کر وضو کرے اور دو رکعتیں پڑھے۔ اللہ عزّ وجل کی ثناء اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درود کے بعد یوں کہے۔ لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم۔ لا الٰہ الا اللہ سبحان اللہ رب العرش العظیم والحمد للہ رب العالمین اسألک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمۃ من کل بر والسلامۃ من کل ذنب لاتدع لی ھما الا فرجتہ ولا تدع لی ذنبا الا غفرتہ ولا حاجۃ لک فیہا رضا الا قضیتہا یا ارحم الراحمین۔ حافظ ابن مندہ نے سند کے ساتھ جابر رضی اللہ عنہ سے روائیت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص ہر روز مجھ پر سو دفعہ

درود پڑھے۔ اللہ تعالےٰ اس کی سو حاجتیں پوری کرتا ہے۔ ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی۔ حافظ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اور اس بارہ میں حدیث فضالہ رض و ابی بن کعب رض پہلے آچکی ہیں۔

(۳۳) موطن سی و سوم

درود خوانی کے اوقات میں سے ایک وقت وہ ہے جب کان بولنے لگیں۔ اس کو ابو موسےٰ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ ابن ابی عاصم نے سند کے ساتھ حدیث کو روائیت کیا ہے۔ کہ جب کسی کا کان بولنے لگے تو وہ مجھ پر درود پڑھے۔ اور کہے ذکر اللہ بخیر من ذکرنی۔ معمر نے بھی اس کو روائیت کیا ہے۔ مگر اس کی روایت میں عبداللہ نہیں۔ یعنی پہلی روائیت میں ابورافع اپنے بھائی عبداللہ سے روائیت کرتا تھا۔ اور وہ اپنے باپ سے اور اس روائیت میں ابو رافع خود اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ اور ایک اور روایت میں ذکر اللہ من ذکرنی بخیر ہے۔

(۳۴) موطن سی و چہارم

مقامات درود خوانی میں سے ایک مقام فرض نمازوں کے بعد ہے۔ اور اس بارہ میں بجز اس حکایت کے جسے ابو موسےٰ مدینی نے عبدالغنی بن سعید کے طریق سے سند کے ساتھ ابوبکر محمد عمر سے روائیت کی ہے۔ اور کوئی اثر و خبر نہیں وہ کہتے ہیں کہ میں ابوبکر بن مجاہد کے پاس بیٹھا تھا۔ شبلی رہ آئے ابوبکر کھڑے ہو گئے۔ معانقہ کیا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ میں نے کہا اے میرے سردار آپ شبلی رہ کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ اور تمام بغداد کے باشندے خیال کرتے ہیں کہ وہ دیوانہ ہے۔ کہا میں نے اس کے ساتھ وہ کیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ شبلی سامنے آئے آپ کھڑے ہو گئے اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم! آپ شبلی رہ کے ساتھ ایسی عنایت فرماتے ہیں۔ فرمایا یہ نماز کے بعد لقد جاءکم رسول من انفسکم آخر تک پڑھا کرتا ہے۔ اور پھر درود مجھ پر پڑھتا ہے۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ اس نے کوئی فرض نماز نہیں پڑھی لیکن اس کے آخر میں لقد جاءکم رسول من

انفسکم آخر سورۃ تک پڑھا اور تین دفعہ صلی اللہ علیک یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھا۔ ابوبکر محمد بن عمر کہتے ہیں کہ پھر میں شبلی کے پاس گیا اور پوچھا کہ نماز کے بعد کیا ذکر کیا کرتے ہو۔ تو انہوں نے ایسا ہی بیان کیا۔

موطن سی و پنجم (۳۵)

مقاماتِ درود خوانی میں سے ایک ذبح کا وقت ہے اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور امام شافعی رح کو اس کو مستحب کہتے ہیں۔ ان کی تقریر یہ ہے۔

کہ ذبیحہ پر بسم اللہ کہنا کافی ہے۔ اور اگر اس پر کوئی شخص اللہ تعالے کے ذکر کو زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ اور میں مکروہ نہیں سمجھتا۔ اگر بسم اللہ کے ساتھ صلے اللہ علی رسول اللہ بھی کہہ دیا جاوے بلکہ میں اسے پسند کرتا ہوں۔ اور پسند کرتا ہوں کہ ہر ایک حال میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود کی کثرت کی جاوے کیونکہ اللہ تعالے کا ذکر درود کے ساتھ اللہ پر ایمان لانے اور اس کی عبادت میں داخل ہے۔ اور انشاء اللہ تعالے جو درود اس موقعہ پر پڑھتا ہے اس کو اجر ملے گا۔ بیشک عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے عبدالرحمٰن جو پیچھے سے پہنچے تو دیکھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سجدہ میں پڑے ہیں۔ یہ کہتے ہیں میں ٹھہر گیا۔ بہت دیر ہو گئی۔ پھر آپ نے سر اٹھایا عبدالرحمٰن نے کہا میں تو ڈر گیا تھا۔ کہ کہیں اللہ تعالے نے آپ کی روح سجدہ میں ہی قبض کر لی ہو۔ فرمایا عبدالرحمٰن جب تو نے مجھے دیکھا ہے اس وقت جبریل مجھ سے ملے تھے۔ اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے خبر دی کہ جو شخص آپ پر درود بھیجے گا۔ میں اس پر رحمت بھیجوں گا۔ پس میں نے اللہ کا شکریہ ادا کیا۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو مجھ پر درود بھول گیا۔ وہ طریق جنت چھوڑ بیٹھا۔

غرض امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر کلام کو بسط دیا ہے۔ اور دوسرے لوگوں نے ان کے ساتھ اس مسئلہ میں نزاع کیا ہے۔ ان میں سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

کے اصحاب ہیں۔ وہ اس وقت درود پڑھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب محیط نے ذکر کیا ہے۔ اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں اھلال بغیر اللہ کا ابہام پایا جاتا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب مختلف ہیں۔ قاضی اور اس کے اصحاب تو مکروہ کہتے ہیں۔ اور ابو الخطاب نے اس کی کراہت کو بڑے ضروری مسائل میں بیان کیا ہے۔ اور ابن شاقلا نے مثل امام شافعیؒ کی مستحب کہا ہے۔ جو لوگ مکروہ کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ دو مقامات میں مجھے حصہ نہیں۔ چھینک اور ذبح۔ پھر سلیمان بن عیسٰے کی حدیث سے حجت پکڑتے ہیں۔ جس پر بحث لکھی گئی ہے کہ یہ ثابت نہیں ۔

موطن سی و ششم

درود خوانی کا ایک مقام تشہد آخر کے سوا قرأت نماز کے اندر وہ جگہ ہے۔ جہاں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک آئے۔ یا آیت اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ! پڑھی جاوے۔ اس کو ہمارے اصحاب (حنبلیہ) وغیرہم نے ذکر کیا ہے۔ کہ جب قرأت میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام تک انسان پہنچے۔ ٹھہر جاوے اور درود پڑھے۔ اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا حکم ملے۔ (یعنی آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ ! الخ پر قاری پہنچے) تو چاہیئے کہ ٹھہر جاوے۔ اور نوافل میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کر آگے چلے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر نص کر دیا ہے کہ جب نماز پڑھنے والا ایسی آیت پر پہنچے جس میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو۔ اگر وہ نماز نوافل میں ہے۔ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر ضرور درود پڑھے۔

(۳۷)
موطن سی و ہفتم

مقامات درود خوانی میں سے ایک مقام .... یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس مال نہ

لہ غیر کے نام کا ذبیحہ پر پکارنا۔ ذبیحہ کو غیر خدا کے لیے ذبح کرنا۔

ہو تو وہ صدقہ کی بدل درود شریف پڑھے۔ تنگدست سے یہ درود پڑھنا عوض صدقہ کے کفایت کرے گا۔ ابن وہب نے سند کے ساتھ ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس صدقہ نہ ہو وہ اپنی دعا میں پڑھے

اللهم صل على محمد عبدك ورسولك وصل على المؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات!

یہی اس کے لیے زکوٰۃ ہے۔

(۳۸) موطن سی و ہشتم۔

سونے کے وقت درود شریف پڑھنا بھی اوقات درود خوانی میں سے ہے۔ ابوالشیخ نے سند کے ساتھ ابو قرصافہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ جو شخص بستر پر لیٹ کر تبارک الذی بیدہ الملک پڑھے اور پھر کہے

اللهم رب الحل والحرام ورب البلد الحرام ورب الركن والمقام ورب المشعر الحرام بحق كل آية انزلتها في شهر رمضان بلغ روح محمد صلى الله عليه وسلم مني تحية وسلاما

"یا اللہ مالک حلال وحرام کے اور مالک شہر حرمت والے، اور مالک رکن اور مقام کے، اور مالک مشعر الحرام کے بحق آیات قرآن مجید جن کو تو نے ماہ رمضان میں اتارا۔ روح مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر میری جانب سے تحیت اور سلام پہنچا"

چار دفعہ اس کو پڑھے تو اللہ تعالے دو فرشتوں کو مقرر فرماتا ہے۔ جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) فلاں بن فلاں حضور کو السلام ورحمۃ اللہ علیک عرض کرتا ہے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ وعلی فلان منی السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حافظ ابو موسے کہتے ہیں کہ اسناد میں جو محمد بن نشر راوی کا نام ہے۔ یہ نشر فتح نون کے ساتھ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابو قرصافہ کا ذکر ابن عبدالبر نے کتاب الصحابہ میں کیا ہے۔ ان کا نام جندرہ ہے۔ بنی کنانہ میں سے فلسطین جار ہے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ تہامہ میں رہتے تھے۔ اور محمد بن نشر مدنی ہے۔ اور ازدی نے اس کو متروک الحدیث اور مجہول کہا ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ علت حدیث یہ ہے کہ یہ مشہور امام ابو جعفر رض باقر کا قول ہے اور یہی اشبہ ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳۹)
موطنِ سی و نہم

ہر ایک کلام خیر ذی بال کے وقت درود پڑھنا بھی مقامات درود خوانی میں سے ہے۔ یعنی پہلے اللہ تعالےٰ کی حمد و ثناء سے پھر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر درود سے ابتدا کرے اور اس کے بعد اپنا کلام ذکر کرے۔ حمد سے ابتداء کرنے کے بارہ میں تو مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور سنن ابو داؤد میں حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک کلام جس کی ابتداء حمد خدا سے نہیں وہ یعنی بریدہ ہے۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے درود کے بارہ میں ابوموسےٰ مدینی نے سند کے ساتھ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روائیت کی ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی ابتداء اللہ کے ذکر اور میرے درود کے ساتھ نہیں وہ کلام اقطع اور ہر ایک برکت سے خالی ہے۔

(۴۰)
موطنِ چہلم

نماز عید کے درمیان میں درود پڑھنا بھی مقامات درود خوانی میں سے ہے۔ بیشک یہ مستحب ہے کہ نماز کے اندر اللہ کی حمد و ثناء کی جائے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے۔ اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ ولید بن عقبہ عید سے ایک روز پہلے ابن مسعود رضی اللہ عنہ و حذیفہ و ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم کے پاس آیا۔ کہ عید قریب آگئی ہے اس میں تکبیر کیونکر کہی جاتی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا نماز کو یوں شروع کر کہ پہلے تو تکبیر کہہ۔ جس سے نماز شروع کی جاتی ہے۔ پھر اللہ کی حمد اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود اور دعا پڑھ۔ پھر تکبیر کہہ اور ایسا ہی کر پھر تکبیر کہہ اور ایسا ہی کر پھر قرأت پڑھ۔ اور تکبیر کہہ کر رکوع کر۔ پھر (جب دوسری رکعت کے لیے) کھڑا ہو تو قرأت پڑھ اور حمد رب اور صلوٰۃ بر نبی صلے اللہ علیہ وسلم پڑھ۔ اور دعا۔ پھر تکبیر کہہ اور ایسا ہی کر۔ پھر تکبیر کہہ اور ایسا ہی کر۔ پھر رکوع کر۔ حذیفہ اور موسیٰ رضی اللہ عنہما بولے کہ ابو عبدالرحمٰن نے ٹھیک بیان کیا۔

واضح ہو کہ اس حدیث میں ہر دو قرأت میں موالات ہے۔ جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ اور ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی۔ اور اس میں عید کی تکبیرات زائدہ

تین تین ہیں جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ اور اس میں تکبیرات کے اندر حمد و صلوٰۃ کرنے کا ذکر ہے جو امام شافعی و امام احمد رحمۃ اللہ علیہا کا مذہب ہے۔ پس امام ابو حنیفہ رہ نے تو اس حدیث کو عدد تکبیرات اور ہر دو قرأت میں موالات کے لیے لیا ہے۔ اور امام احمد و شافعی رہ نے تکبیرات میں ذکر کے مستحب ہونے کے بارہ میں۔ اور واضح رہے کہ امام ابو حنیفہ و امام مالک رحمۃ اللہ علیہما مستحب سمجھتے ہیں۔ کہ صرف تکبیرات بغیر کسی ذکر کے کہی جاویں۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نہ موالات و عدد میں لیتے ہیں۔ نہ ذکر بین تکبیرات میں

واللہ سبحانہ اعلم؀

باب پنجم

ان فوائد اور ثمرات کے بیان میں جو درود بر نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوتے ہیں

۱۔ اللہ تعالےٰ و تبارک کی فرمانبرداری اور تعمیل حکم۔

۲۔ اللہ عزوجل کے ساتھ درود میں موافقت۔ گو نوعیت میں ہماری صلوٰۃ اور اللہ تعالےٰ کی صلوٰۃ مختلف ہوں۔ کیونکہ ہماری صلوٰۃ تو دعا اور سوال ہے اور اللہ تعالےٰ کی صلوٰۃ ثناو تشریف ہے۔

۳۔ درود خوانی میں فرشتوں کے ساتھ موافقت۔

۴۔ ایک دفعہ درود پڑھنے والے کو اللہ تعالےٰ کی جانب سے دس رحمتوں کا ملنا۔

۵۔ ایک دفعہ کے درود پر دس درجات کا بلند کیا جانا۔

۶۔ ایک بار درود شریف پڑھنے سے دس حسنات کا لکھا جانا۔

۷۔ ایک درود کے پڑھنے سے دس سیّات (بدیوں) کا محو کر دیا جانا۔

۸۔ جب درود دعا سے اول ہو۔ تو اس دعا کی قبولیت کی امید ہونا۔ کیونکہ درود شریف دعا کو رب العالمین تک لے جاتا ہے۔ اور بلا درود کے زمین و آسمان کے اندر ہی دعا روک لی جاتی ہے۔

۹۔ درود خوانی سبب ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پانے کا۔ جب درود کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے سوال وسیلہ بھی کیا جاتا ہو۔ جیسا کہ حدیث رویفع لکھی جا چکی۔

۱۰۔ درود شریف گناہوں کی مغفرت کا باعث ہے۔

۱۱۔ درود شریف بندہ کے رنج و غم میں اللہ تعالےٰ کے کفایت کرنے کا سبب ہے۔

۱۲ - قیامت کے دن رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہونے کا سبب ہے
(ابن مسعود رض کی حدیث لکھی جا چکی ہے)۔
۱۳ - تنگ دست کے لیے درود قائم مقام صدقہ ہے۔
۱۴ - قضائے حاجات کا وسیلہ ہے۔
۱۵ - اللہ تعالےٰ کی رحمت اور فرشتوں کی دعائے رحمت کے حاصل کرنے کا سبب ہے
۱۶ - درود خواں کے لیے زکوٰۃ و طہارت ہے۔
۱۷ - موت سے پہلے بندہ کو بشارت جنت مل جانے کا سبب ہے۔ اس کا ذکر حافظ ابو موسےٰ نے اپنی کتاب میں کیا۔ اور ایک حدیث بھی اس بارہ میں لکھی ہے۔
۱۸ - اہوالِ قیامت سے نجات کا سبب۔ (ابو موسےٰ نے ذکر کیا اور حدیث لکھی)۔
۱۹ - رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم خود صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے کو جواب دیتے ہیں۔
۲۰ - بھولی ہوئی شے درود سے یاد آجاتی ہے۔
۲۱ - مجلس درود سے پاکیزہ ہو جاتی ہے۔ اور قیامت کے دن وہ نشست اہل مجلس کے لیے حسرت نہیں بنتی۔
۲۲ - درود شریف سے فقر و تنگ دستی جاتی رہتی ہے۔
۲۳ - درود شریف پڑھنے کے طفیل اسم بخل بندہ سے دور ہو جاتا ہے۔
۲۴ - درود پڑھنے سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بد دعا رغم آنف سے بندہ محفوظ ہو جاتا ہے۔
۲۵ - درود شریف درود خواں کو طریق جنت پر چلاتا ہے۔ اور جو درود کا تارک ہے وہ راہ بہشت چھوڑ بیٹھا ہے۔
۲۶ - مجلس کی سڑاندھ سے نجات دیتا ہے۔ کیونکہ جس مجلس میں ذکرِ خدا و رسول نہ ہو اور باری تعالےٰ کی حمد و ثنا اور محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود نہ ہو وہ سڑاندھ سے پاک نہیں ہوتی۔
۲۷ - جو کلام حمدِ خدا و صلوٰۃ بر مصطفےٰ (صلے اللہ علیہ وسلم) سے شروع ہو۔ درود اس کے تمام

کا سبب ہے۔

۲۸۔ پلصراط پر بندہ کے لیے نور موفور کا سبب درود شریف ہے۔ (ابو موسےٰ نے حدیث بیان کی)۔

۲۹۔ درود پڑھنے سے بندہ جفاء (بر رسول ؐ) سے نکل جاتا ہے۔

۳۰۔ درود شریف درود خواں کی ثناء حسن اہل زمین و آسمان کے اندر باقی رہنے کا سبب ہے کیونکہ درود خواں کا سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ثناء و اکرام اور شرف زیادہ فرمائے چونکہ جزا جنس عمل سے دی جاتی ہے اس لیے ضرور ہے کہ اسی نوع کی جزا اس کو بھی ملے۔

۳۱۔ درود خواں کی ذات خاص اور عمل و عمر و دیگر اسباب مصالح میں برکت کا باعث ہے کیونکہ درود خواں کی دعا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے رسول ؐ اور ان کی آل پر برکت فرمائے۔ یہ دعا بہر حال مستجاب ہے۔ اور جنس کے موافق جزا دی جاتی ہے۔

۳۲۔ درود اللہ تعالےٰ کی رحمت پانے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ یا تو رحمت ترجمہ ہے صلوٰۃ کا جیسے بعض کا قول ہے۔ یا رحمت صلوٰۃ کے لوازم و موجبات میں سے ہے یہی قول صحیح ہے) بہر حال اس سے رحمت الٰہیہ درود خواں پر نازل ہوتی ہے۔

۳۳۔ درود سبب ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کے دوام و زیادت و افزونی کا۔ اور یہ صفت مراتب ایمان میں سے ایک مرتبہ ہے۔ جس کے بغیر ایمان کامل اور تمام نہیں ہوتا۔ کیونکہ انسان جس قدر زیادہ محبوب کا ذکر کرے گا۔ محبوب اور اس کی خوبیوں کو یاد رکھے گا۔ اور ان مضامین کو جو محبت بھڑکا دینے والے ہیں پیش نظر رکھے گا۔ اسی قدر اس کی محبت بڑھے گی۔ اور شوق کامل ہو گا۔ حتیٰ کہ تمام دل پر چھا جائے گا۔ لیکن جب ذکر چھوڑ دے اور اس کے محاسن کو دل میں جگہ نہ دے تب محبت کم ہو جاوے گی۔ یہ یاد رکھو کہ جس طرح آنکھ کی ٹھنڈک دیدار یار ہے۔ اسی طرح دل کی تسکین اس کی اور اس کے محاسن کی یاد ہے۔ جب یہ صفت دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے تو زبان خود بخود مدح و ثناء میں جاری ہو جاتی ہے۔ اور محبوب کی تعریف و محامد برابر بیان کیا کرتی ہے۔ اور اس صفت میں کمی و بیشی اصل محبت کی کمی و بیشی کے موافق ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ حس و مشاہدہ اس پر شاہد ہے۔ اور شعراء

نے اس بارہ میں بہت کچھ لکھا ہے۔

عجبت لمن یقول ذکرت حبی ॰ وھل انسی فاذکر من نسیت

یادِ جاناں کیا دلاتے ہو ہمیں! ॰ جو نہیں بھولا ہے اس کی یاد کیا؟

شاعر گویا اس پر تعجب ظاہر کرتا ہے۔ کہ محبوب کی یاد کوئی شخص اُسے دلائے۔ وہ کہتا ہے کہ یاد دلانا تو نسیان کے بعد ہوتا ہے۔ اور تکمیل محبت کے بعد نسیان ہو نہیں سکتا۔

دوسرا شاعر کہتا ہے۔

ارید لانسی ذکرھا فکانما ॰ تمثل لی لیلی بکل سبیل

نہیں ممکن بھلا دوں یادِ لیلیٰ کو اگر چاہوں ॰ کہ ہر کوچہ گلی میں اس کی ہی تصویر پھرتی ہے

اس شعر میں شاعر ظاہر کرتا ہے کہ یار کی محبت نسیان کی مانع ہے۔

متنبی کہتا ہے ؎

یراد من القلب نسیانکم ॰ وتابی الطباع علی الناقل

بھول جاؤں بظاہر یار کے انداز سب ॰ پر طبیعت اس بناوٹ پر بھلا جمتی ہے کب

اس شعر میں شاعر ظاہر کرتا ہے کہ یار کی محبت اور یاد طبیعت بن گئی۔ اور داخل فطرت ہو گئی ہے۔ اب اگر اس کے خلاف ارادہ بھی کریں تو طبیعت ادھر جانے سے انکار کرے گی۔

ایک مشہور کہاوت ہے جس کو ؎

جو چیز ہوتی ہے پیاری ॰ ذکر رکھتا اُسی کا ہے جاری

رسول خدا حبیب اللہ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی جناب اشرف و اعلیٰ تو وہ ہے کہ شعر ذیل آپ کی آستان پر نہایت شایاں ہے۔

ولو شق قلبی فری وسطہ ॰ ذکرک والتوحید فی شطرہ

چیر کر دیکھ لے میرے دل کو ॰ ذکر تیرا ہے اور خدا کا نام

میں نے اس سینے کے اندر دل کے دو ٹکڑے کئے ॰ نصف خالق کے لیے اور نصف ہے تیرے لیے

بیشک مومن کے دل کی یہی صفت ہے۔ کہ اس میں خدا اور رسول ؐ کا ذکر ایسا لکھا ہوا ہوتا ہے۔ کہ محو و ازالہ ممکن نہیں۔ پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ کسی چیز کا بکثرت ذکر اس کی دوام محبت کا باعث ہے اور عدم یاد آوری زوال یا ضعفِ الفت کا سبب۔

اور اللہ تعالےٰ بندوں کی جانب سے نہایت محبت اور نہایت تعظیم کا مستحق ہے ۔ اور شرک جسے خداوند کریم نہ بخشے گا ۔ اس کی حقیقت بھی یہی ہے ، کہ غیر کو محبت و تعظیم میں باری تعالیٰ کے ساتھ شریک بنایا جاوے ۔ یعنی غیر کی محبت اور تعظیم اس قدر کی جاوے جس قدر کہ تمام خداوند کریم کی محبت و تعظیم کرنی چاہیئے ۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے " ومن الناس من یتخذ من دون اللہ اندادا یحبونھم کحب اللہ والذین امنوا اشد حبا للہ " اس میں اللہ تعالےٰ نے بتلایا ہے کہ مشرک ندّ کے ساتھ وہی محبت رکھتا ہے جو محبت اللہ تعالےٰ سے رکھنی چاہیئے ۔ اور بتلایا ہے کہ مومن کو اللہ تعالےٰ کی محبت ہر ایک شئے سے افزوں اور برتر ہوتی ہے ۔ دوزخ کے اندر گر کر دوزخی کہیں گے ۔ " تاللہ ان کنا لفی ضلال مبین اذ نسویکم برب العالمین ..... ط " بخدا ہم صریح ضلالت میں تھے ۔ جب ہم تم کو رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے " ۔

اور یہ ظاہر ہے کہ مشرکین کا اپنے معبودوں کو اللہ کے برابر سمجھنا محبت و تعشق و عبادت میں تھا ۔ ورنہ اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں ۔ کہ بت یا کوئی اور رب العالمین کے صفات و افعال میں اور زمین و آسمان کی پیدائش میں بلکہ ان بت پرستوں کی پیدائش میں بھی اللہ تعالےٰ کے برابر ہیں !

وجودیہ کا رَدّ

غرض یہ برابری محبت و عبادت میں تھی ۔ ان سے بھی زیادہ گمراہ اور بدتر حال وہ لوگ ہیں جو ہر ایک شئے کو وجود میں اللہ تعالےٰ کے برابر سمجھتے ہیں ۔ اور اللہ تعالےٰ کو ہر ایک موجودہ کا کامل ہو یا ناقص وجود بتلاتے ہیں ۔ کیونکہ جب اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں پر ضلالت اور عداوت کا حکم لگایا جو اپنے معبودوں کو صرف محبت میں خدا کی برابری کا درجہ دیتے تھے اور معہذا قائل تھے ۔ کہ ان میں اور خداوند کریم میں اوصاف اور افعال اور خلق میں بڑا تفاوت ہے ۔ تو اندازہ کرو ۔ اس شخص کا جو اللہ تعالےٰ کو تمام موجودات کے برابر ہر ایک چیز میں خیال کرتا ہے ۔ اور اس پر پھر یہ زُعم کہ اس نے تمام معبودوں میں سے بجز خدا کے دوسرے کی عبادت نہیں کی ۔

خیر ہمارا مقصود تو یہ ہے کہ جب دوام ذکر دوام محبت کا سبب ہے ۔ اور اللہ تعالےٰ

کمال محبت و عبودیت و تعظیم و اجلال کا مستحق تر ہے۔ تو کثرت ذکر بھی بندہ کے لیے نافع تر ٹھہرا۔ اور جو اس ذکر سے بندہ کو مانع ہو وہی اس کا اصلی دشمن بھی ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کثرت ذکر کا حکم دیا ہے۔ اور اس کو سبب فلاح ٹھہرایا ہے۔

فرمایا۔

واذکروا اللہ کثیرًا لعلکم تفلحون ط — اور یاد کرو اللہ کو بہت تاکہ تم فلاح پاؤ۔

فرمایا۔

یا ایھا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکرًا کثیرًا ط — اے ایمان والو۔ یاد کرو اللہ کو یاد کرنا بہت۔

فرمایا۔

والذاکرین اللہ کثیرًا والذاکرات ! — اور بہت یاد کرنے والے اللہ کو مرد اور عورتیں۔

فرمایا۔

یا ایھا الذین امنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذلک فاولئک ھم الخاسرون ط — اے ایمان والو۔ نہ غافل کریں تم کو تمہارے مال و اولاد۔ اللہ کی یاد سے۔ اور جو کوئی ایسا کرے وہی لوگ ہیں ٹوٹے میں آئے۔

پھر فرمایا فاذکرونی اذکرکم نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبقت لے گئے مفردین۔ صحابہؓ نے عرض کی۔ یارسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) مفردین کون ہیں۔ فرمایا اللہ کا ذکر کثیر کرنے والے"

ترمذی میں ابوالدرداءؓ سے روایت ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الا انبئکم علی خیر اعمالکم وازکاھا عند ملیککم وارفعھا فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذھب والورق وخیر لکم ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقھم ویضربوا اعناقکم قالوا بلیٰ یارسول اللہ قال ذکر اللہ ! — کیا میں تم کو نہ بتلادوں جو سب اعمال میں بہتر ہے اور جو اللہ کے نزدیک بہت پاک ستھرا ہے اور جو درجات بلند کرنے میں زیادہ تر ہے۔ اور جو سونا چاندی لٹانے سے بھی بڑھ کر ہے اور جو اس سے بھی بہتر ہے کہ تم دشمن سے ملو۔ ان کی گردنیں کاٹو۔ اور اپنے سر کٹواؤ۔ سب نے عرض کی ہاں اے رسول خدا بتلا دیجئے فرمایا اللہ کا ذکر۔

یہ حدیث مؤطا میں ابوالدرداءؓ پر موقوف ہے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ کوئی عمل آدمی کا ایسا نہیں جو اس کو عذابِ خدا سے نجات دلانے میں اللہ کے ذکر سے بڑھ کر ہو۔

یہ یاد رہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ تعالے کے ذکر کا تابع اور ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ دوامِ ذکر دوامِ محبت کا سبب ہے۔ اور ذکر دل کے لیے ایسا ہے جیسے کھیت کے لیے پانی بلکہ مچھلی کے لیے پانی۔ کہ اس کے بغیر زندگی ہی نہیں۔ اور ذکر کے اندر ذکر کی سب انواع داخل ہیں۔

۱۔ اسمار کا ذکر صفات کا ذکر۔ اور ان افعال و صفات پر مدح و ثنا کرنا۔

۲۔ تسبیح و تحمید و تکبیر و تہلیل و تمجید۔ اور بسا اوقات متاخرین کے نزدیک لفظ کا ذکر کا استعمال انہی معنے میں ہوتا ہے۔

۳۔ احکام و اوامر و نواہی کا ذکر۔ اور یہ ذکر اہلِ علم کا ہے۔ بلکہ ہر سہ اقسام کا ذکر ان کے لیے ہے اور افضل ذکر کلام اللہ کی تلاوت ہے۔ فرمایا اللہ تعالے نے۔

ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا و نحشرہ یوم القیامۃ اعمٰی !	جس نے میرے ذکر سے منہ پھرایا اس کے لیے تنگ روزی ہے۔ اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

اس سے آگے چل کر اپنے کلام کا جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔ ذکر کیا اور فرمایا۔

الذین اٰمنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ۵	وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دلوں نے اللہ کے ذکر سے اطمینان پکڑا یاد رکھو کہ اللہ کے ذکر سے ہی لوگوں کا اطمینان ہے۔

ذکر الٰہی کے قسم میں دعا اور استغفار و تضرع بھی داخل ہیں۔ پس ذکر کی یہ پانچ اقسام ہوئیں۔

۳۴۔ کثرتِ درود کی وجہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اس شخص سے محبت ہو جاتی ہے کیونکہ جس طرح پر درود شریف درود خواں کی کثرتِ محبت کا سبب ہے۔ ایسے ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنی جانب کھینچنے کا بھی باعث ہے۔ یہ شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اسے

چاہیں گے۔

۳۵۔ درود خوانی انسان کی ہدایت اور حیات قلب کا سبب ہے۔ کیونکہ جس قدر زیادہ درود پڑھے گا۔ اور ذکر مبارک اس کی زبان پر آئے گا۔ اسی قدر محبت بھی دل پر غالب آجائے گی۔ یہاں تک کہ دل میں کوئی شے ایسی باقی نہ رہ جاوے گی جو آپ کے اوامر کا معارضہ کرے یا آپ کی تعلیم پر شک ہونے دے۔ بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات اس کے دل پر روشن تحریر کے ساتھ لکھی جاتی ہیں۔ اور جس قدر وہ آپ کے احوال میں غور کرتا ہے اتنا ہی گویا لوح دل کی اس تحریر کو پڑھتا رہتا۔ اور اس سے ہمیشہ ہدایت و فلاح اور انواع علوم کا اقتباس کرتا رہتا ہے۔ اب جس قدر اس کی بصیرت بڑھتی اور قوت معرفت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر زیادہ درود شریف کو بڑھاتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم و عارفین سنت و ہدایت نبوی و متبعین احکام کی درود خوانی اور ہے اور عوام کی (جو سنت سے سرتابی کرنا۔ اور قصور چاہنا ہی جانتے ہیں) درود خوانی اور۔ عارفین سنت تابعین ملت عالمین ہدایت کی درود خوانی اور ہی قسم کی ہے۔ کیونکہ ان کو جس قدر زیادہ تعلیم نبوی کی معرفت حاصل ہوتی جائے گی۔ اسی قدر ان کی محبت بھی بڑھتی جائے گی۔ اور اسی قدر ان پر درود شریف کی حقیقت جو اللہ تعالی کا مطلوب ہے کھلتی جائے گی۔ اور اس حقیقت کا عرفان ہوتا جائے گا۔ یہی حال ہے اللہ تبارک و تعالے کے ذکر کا کہ جس قدر زیادہ بندوں کو عرفان ہوگا اور جس قدر زیادہ اس میں اطاعت و محبت کا مادہ ہوگا۔ اسی قدر اس کے ذکر کو غافلین کے ذکر سے فرق ہوگا۔ یہ ایک ایسا امر ہے جو حس سے معلوم ہوتا ہے صرف خبر سے نہیں۔ دیکھو ایک تو وہ شخص جو جوش محبت سے محبوب کی صفات کا ذکر اور اس کی ثناء و تمجید کرتا ہے جس کے دل پر محبت قبضہ کئے ہوئے ہے۔ اور ایک وہ ہے جو صرف قرائن سے ذکر کرتا ہے۔ یا ایسے لفظ بولتا ہے جن کے معنے وہ نہیں جانتا۔ وہ تعریف کرتا ہے مگر زبان کے ساتھ دل موافق نہیں ہوتا۔ ان دونوں میں جو تفاوت ہو سکتا ہے ظاہر ہے۔ ٹھیک وہی فرق ہوگا۔ جو اجرت پر رونے والی اور اپنے مردہ پر رونے والی میں فرق ہوتا ہے۔

الغرض یاد رکھو کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی

یاد۔ اور اللہ تعالےٰ کی حمد اس نعمت پر کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہمارا سردار بنایا۔ اور آنحضرت ؐ کی رسالت سے جملہ مخلوقات پر احسان عظیم فرمایا۔ زندگانی وجود اور حیات قلب ہے۔ کیا اچھا کہا ہے کسی شاعر نے ؎

مدح المجالس ذکرہ وحدیثہ ✧ وھدیٰ لکل ملوحیران !

واذا اضل بذکرہ فی مجلس ✧ فاولئک الاموات فی الحیان

مجلسوں کی جان ہے ذکر واحادیث رسول ؐ ✧ بھولے بھٹکوں کو اسی سے رہ ہدایت کا ملا

بیٹھ کر مجلس میں بھولے آپ کا جو ذکر خیر ✧ اس کو یہ سمجھو کہ زندوں میں ہے اک مردہ پڑا

۳۶۔ درود خوانی ذریعہ ہے اس امر کا کہ درود خواں کا نام و ذکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں کیا جاوے۔ اور اہل ایمان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ اس دربار عالی میں اس کا نام لیا جاوے۔ ایک شاعر نے کہا ہے۔

ومن خطرت منہ ببالک خطرۃ ✧ حقیق بان یسمو وان یتحقق ما

اللہ رے رسائی طالع کہ آج وہ ✧ میری طرف بہاں چشم عنایت سے دیکھتے

دوسرا شاعر کہتا ہے۔

اھلا بما لم اکن اھلا لموقعہ ✧ قول المبشر بعد الیاس بالفرج

لک البشارۃ فاخلع ما علیک نقد ✧ ذکرت ثم علی ما فیک من عوج

۳۷۔ پل صراط پر قائم و ثابت قدم رہنے اور اس سے صاف گذر جانے کا سبب بھی درود خوانی ہے جیسا کہ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے خواب کی روایت میں بیان کیا ہے۔ کہ میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا۔ جو صراط سے گذر رہا ہے۔ کبھی سرین کے بل چل پڑتا ہے اور کبھی اس کے اوپر گر کر رہ جاتا ہے۔ اتنے میں میرے پہ پڑھا ہوا درود پہنچا۔ اور اس نے اسے قدموں کے بل کھڑا کر دیا۔ اور پار اتار دیا۔ اس کو ابو موسےٰ مدینی نے روایت کیا ہے۔ اور اسی پر اپنی کتاب ترغیب و ترہیب کی بنیاد ڈالی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث بہت ہی حسن ہے۔

۳۸۔ درود کا پڑھنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ادائے حق میں داخل ہے۔ گو بمقابلہ حقوق کے اقل قلیل ہو۔ اور اس نعمت کی شکر گذاری میں شمار ہوتا ہے جو آنحضرت ؐ کے

مبعوث ہونے سے ہم کو ملی ہے۔ گو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حقوق و استحقاق اس قدر ہیں کہ ان پر کوئی شخص علم و قدرت اور ارادہ سے احاطہ نہیں کر سکتا۔ لیکن اللہ تعالےٰ کا یہ کرم ہے کہ بندوں کی جانب سے اس تھوڑی سی شکر گذاری اور ادائے حق پر خوشنودی کا اظہار فرما دیا ہے۔

۳۹۔ درود کا پڑھنا ذکر الٰہی اور شکر ربانی اور اس نعمت و احسان کی معرفت پر متضمن ہے جو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی رسالت سے بندوں پر فرمایا ہے۔ پس درود خواں کے درود میں خدائے تعالےٰ کا ذکر بھی ہے اور رسول کریم کا بھی۔ اور التجا بھی کہ اللہ تعالےٰ ایسے رسولؐ کی جزا اپنی بارگاہ سے وہ عطا فرمائے جس کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اہل و شایاں ہیں جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خدا کی معرفت اور اسماء و صفات کی شناخت بتلائی۔ اور اللہ تعالےٰ کی مرضیات و خوشنودی کے طریق بتلائے۔ اور لوگوں کو خبردار کیا کہ اللہ تعالےٰ کے پاس پہنچنے اور سامنے حاضر ہونے کے بعد ہمارے ساتھ کیا کچھ معاملہ ہوگا۔ تو گویا درود تمام ایمان پر متضمن ہے۔ اور اسی میں وجود رب کا جسے درود خواں پکار رہا ہے اقرار بھی شامل ہے اور علم و سمع قدرت و ارادت اور دیگر صفات و کلام و ارسال رسول کی شہادت و تسلیم بھی ہے۔ اور اسی میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی جملہ اخبار میں تصدیق۔ اور آنحضرتؐ کی کمال محبت کا اظہار بھی ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ سب امور اصول ایمان ہیں۔ پس انسان کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا ان سب امور کی علم و تصدیق کا متضمن اور آنحضرتؐ کی محبت کا مظہر ہے اس لیے یہ افضل اعمال بھی ٹھہرا۔

۴۰۔ ہماری جانب سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود کا پڑھا جانا گویا دعا ہے۔ اور جو دعا و سوال بندہ اللہ تعالےٰ سے کرتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں :۔

۱۔ اپنی شبانہ روزی حاجات و مہمات کا سوال۔ پس یہ دعا و سوال تو بندہ کی جانب سے اپنے ہی مطلوب تک ہے۔

۲۔ یہ سوال کہ اللہ تعالےٰ اپنے حبیب و خلیل کی ثنا فرمائے۔ اور اس کی تشریف و تکریم میں زیادت کرے اور آنحضرتؐ کے ذکر کو وسعت و رفعت دے۔ اور کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اسے پسند کرتے ہیں۔ گویا درود خواں نے اپنے سوال و رغبت و طلب کو

خدا اور رسولؐ کی پسندیدگی کی طرف پھیر دیا ہے ۔ اور اپنی حاجات کو اس پر نثار کر دیا ہے اور یہی امر اس کے نزدیک جملہ امور سے زیادہ محبوب بن کر دل میں گھر کر گیا ہے ۔ پس اس نے اپنی ضروریات و حاجات کو خدا اور رسولؐ پر ایثار کر دیا ہے ۔ اور اللہ تعالے اور اس کی پسندیدگی کو ماسواہ سے فائق ٹھہرایا ہے ۔ چونکہ عمل کی جزا اسی کی جنس سے ہوتی ہے ۔ اس لیے جو شخص اللہ تعالے کو غیر سے ترجیح دیتا ہے اللہ تعالے اس کو غیر پر ترجیح دیتا ہے ۔ تم اس کی مثال بادشاہوں اور رئیسوں کے پاس رہنے والے لوگوں میں تلاش کرو ۔ کہ جب وہ تقرب و منزلت کے خواستگار ہوتے ہیں ۔ تو حاکم سے اس کے محبوب کے متعلق گفتگو کیا کرتے ہیں ۔ کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیئے ۔ اور جس قدر وہ اس کے محبوب کے اکرام و تشریف کے بارہ میں عرض کرتے رہتے ہیں اسی قدر ان کا درجہ بڑھتا رہتا ہے ۔ اور قرب و منصب پاتے جاتے ہیں ۔ کیونکہ یہ لوگ دیکھا کرتے ہیں ۔ کہ حاکم کے دل میں اپنے محبوب کی تشریف و تکریم و انعام کے کیسے کچھ ارادے ہیں ۔ اس لیے ان ارادوں کی تائید میں جو شخص ایسی گفتگو کرتا ہے کہ ہاں فرور اس محبوب پر انعام و احسان ہونا چاہیئے ۔ وہی حاکم کو نہایت پیارا معلوم دیتا ہے ۔ یہ امر مشاہدہ کے متعلق ہے ۔ اگر تم یہ چاہو کہ اس شخص کا درجہ جو خاص اپنے لیے سوال کرتا ہے اور اس شخص کا درجہ جو خود حاکم کے ارادوں کی تائید میں اس کے محبوب پر انعام و احسان کے لیے کہتا ہے ۔ برابر ہو جاوے ۔ تو یہ بالکل غلط ہے ۔ اس مثال کو سمجھ کر پھر بتلاؤ ۔ کہ جو شخص محبوب ترین سبحانی اور سزاوار ترین عنایات ربانی کا ملے درجہ کا محب و جان نثار و مداح ہے اس کا کیا درجہ ہوگا ۔ بیشک اگر درود خوانی میں اور کچھ فائدہ نہ ہوتا ۔ بجز اس ایک مطلوب کے تب بھی مومن کے لیے شرف و عزت کے اعتبار سے یہی کافی تھا ۔ اس مقام پر ایک نکتہ حسنہ بھی لکھا جاتا ہے ۔ اور جو شخص امت محمدیہ کو دین سکھلاتا ۔ تعلیمات نبویہؐ سے آگاہ کرتا ۔ احکام الٰہی کی جانب بلاتا ۔ پیروی کے لیے اٹھاتا ۔ اور اس راہ میں جو سختیاں آئیں ان پر صبر کرتا ہے ۔ یہ نکتہ اسی کے کام کا ہے ۔

وہ یہ ہے :۔

کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو علاوہ اپنے عمل پر اجر عطا ہونے کے آپ کی امت میں

جس قدر لوگ اعمال صالحہ کریں گے۔ ان کے اعمال کا بھی پورا اجر ملے گا۔

اب جو شخص لوگوں کو سنت و دین محمدی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جانب بلاتا ہے۔ اور امت کو خیر کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر اس کا یہ کام اس نیت سے ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں توفیر ہو جائے۔ اور ہدایت یافتگان کے اعمال کے اجر کے موافق آنحضرتؐ کے اجر میں ترقی ہو۔ (گو ان کے اعمال میں سے کچھ کم نہ ہو گا) تو انشاء اللہ اس شخص کو بھی خلقت کی اس دعوت و ارشاد کا اجر اسی نیت کے موافق ملے گا۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم ط

باب ششم

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا اوروں پر صلوٰۃ وسلام کا ذکر

واضح ہو کہ انبیاء اور مرسلین کے لیے صلوٰۃ وسلام کا اطلاق ہوا ہے۔ لفظ سلام کی مثال ان آیات میں ہے۔

وترکنا علیہ فی الآخرین۔ سلام علی نوح فی العالمین۔ انا کذالک نجزی المحسنین! — چھوڑا ہم نے پچھلے لوگوں میں اس پر سلام[1] اوپر نوح کے دونوں جہان میں ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔

فرمایا۔ وترکنا علیہ فی الآخرین سلام علی ابراھیم فرمایا وترکنا علیھما فی الآخرین

---

[1] مفسرین کی ایک جماعت نے جس میں قتادہ و مجاہد بھی ہیں۔ سلام سے مراد ثنا حسن اور لسان صدق لی ہے۔ لیکن دونوں ایک ہی قول ہیں جو یہ کہتا ہے کہ بعد میں ان کے لیے سلام چھوڑا گیا۔ وہ تو نفس سلام کو مراد رکھتا ہے اور چونکہ سلام علی نوح جملہ ہے موضع نصب میں ترکنا کے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ اہل عالم حضرت نوح اور انبیاء مابعد پر سلام بھیجتے ہیں۔ اور جس نے لسان صدق و ثناء حسن سے تفسیر کی ہے۔ اس نے سلام کے لوازم و موجبات کو لے لیا ہے۔ یعنی ان کی صفت و ثناء کرنا اور جب ذکر آئے تو سلام بھیجنا۔ اور یہی مراد لسان صدق سے ہے۔ ایک گروہ ابن عطیہ وغیرہ کا قول ہے۔ کہ اگر یہاں اسلام کی تفسیر ثناء حسن و لسان صدق سے کی گئی۔ تو اس حالت میں سلام علی نوح فی العالمین جملہ ابتدائیہ ہوگا۔ جس کا اعراب کے اعتبار سے کوئی محل نہیں۔ یہ تو اللہ کا سلام ہے جو ان پر کہا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ سلام تو ہر دو عالم میں نوح علیہ السلام کے لیے امن ہے۔ کہ ہر شخص اس کو یاد رکھے یہ طبرانی کا قول ہے۔ اور اس کو یہ تقویت دیتا ہے کہ اللہ تعالے نے اس کا تعلق آخروی اور عالمین

سے بتلایا ہے۔ ابن عباس رضؓ کا قول کہ اللہ تعالےٰ نے ان پر ثنا حسن کو باقی رکھا ہے یہی معنی ظاہر کرتا ہے مگر یہ قول بچند وجوہ ضعیف ہے۔

۱۔ اس سے لازم آتا ہے کہ ترکنا کا مفعول حذف کیا گیا ہے۔ بریں تقدیر کلام میں کوئی فائدہ نہیں رہ جاتا۔ کیونکہ معنے یہ ہوں گے کہ ہم نے پچھلوں میں اس پر باقی چھوڑا۔ مگر نہیں بتلایا۔ کہ کیا۔ کیونکہ اس قائل کے نزدیک لفظ سلام تو ما قبل سے منقطع ہے۔ اور فعل کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

۲۔ اگر مفعول حذف کیا گیا تھا تو ضرور تھا کہ دوسری جگہ اس کا ذکر بھی کیا جاتا۔ تاکہ حذف ہو کر اپنی مراد پر دلالت کرتا رہتا۔ سب جگہ ہی حذف جائز نہ رکھا جاتا۔ قرآن مجید بلکہ ہر ایک کلام فصیح کا طریق بھی یہی ہے کہ ایک شے کا ایک جگہ ذکر کر دیا جاتا ہے۔ اور دوسری جگہ اُسے حذف۔ کیونکہ محذوف پر مذکور کی دلالت رہتی ہے۔ قرآن مجید میں بسا مقامات پر تو ذکر پایا جائے گا۔ اور حذف کم۔ لیکن یہ صورت کہ بالکل حذف ہی ہو۔ اور ذکر ایک جگہ بھی نہ ہو اور کوئی لفظ اس پر دلالت بھی نہ کرے یہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔

۳۔ ابن مسعود رضؓ کی قراءت میں وترکنا علیہ فی الآخرین سلاماً نصب کے ساتھ ہے۔ اور یہ دلالت کرتا ہے کہ خود سلام ہی باقی چھوڑا گیا ہے۔

۴۔ اگر سلام کو عبارت ما قبل سے منقطع سمجھیں تو یہ فصاحت و جزالت کلام میں خلل پیدا کرتا ہے اور جو خوبی ما قبل سے متعلق رکھنے میں ہے وہ جاتی رہتی ہے تم ذرا تامل کرو۔ کہ جب سامع وترکنا علیہ فی الآخرین! سنے گا تو اس کی کیا حالت ہوگی۔ اور اس کے دل میں پورا جملہ سننے اور خبر معلوم کرنے کا کس قدر شوق ہو گا۔ اور کیسی للچاہٹ سے چاہے گا۔ کہ میوۂ نتیجہ چکھ لوں۔ لیکن اگر یہ سمجھ لیں کہ کلام تمام ہو گیا۔ تب کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوتا۔ اور سامع کا شوق اتمام کے لیے ویسا ہی باقی رہتا ہے۔ اور شئے متروک کی دریافت کی لگن لگی رہتی ہے۔ پس آخرین پر وقف تام نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی کہے کہ اس باب کا مفعول حذف کرنا جائز ہے کیونکہ یہاں ترک بمعنی اعطیٰ ہے۔ اور باب اعطیٰ سے جائز ہے کہ دونوں مفعول حذف کر دیئے جاویں یا دونوں بیان کئے جاویں یا

فرمایا ۔ سلام علی الیاسین ۔ ان آیات سے واضح ہے ۔ کہ انبیاء و مرسلین پر

ایک حذف کر دیا جائے ۔ مثلاً اعطیناک الکوثر میں دونوں مفعول ہیں اور فاما من اعطے میں دونوں حذف ہیں ۔ اور ولسوف یعطیک میں ایک کا ذکر کر کے دوسرا حذف کر دیا ہے ۔ بات یہ ہے ۔ کہ اعطی فعل مدح ہے ۔ جس سے عطا کنندہ کی عطا کا عطا یافتہ کو ملنا ثابت ہوتا ہے ۔ اس لیے ہر دو مفعول کا ذکر یا حذف یا ایک کا حذف جائز رکھا گیا ہے ۔ تاکہ فعل سے جس قدر غرض مطلوب ہو اسی قدر ظاہر کرے ۔ یعنی اگر مقصود یہ ہے کہ ماہیت اعطا کی اطلاع دی جائے ۔ جو بندہ کو بخل و شح سے جدا کرنے والا ۔ اور منافی احسان سے روکنے والا ہے ۔ تب تو صرف فعل لایا جاتا ہے ۔ فرمایا فاما من اعطی (اس میں یہ نہیں بتلایا کہ کیا چیز دی) دعا قنوت میں ہے لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ۔ چونکہ ان الفاظ سے مقصود عطا و منع میں اللہ تعالیٰ کا تفرد و یکتائی ثابت کرنا تھا ۔ اس لیے شخص عطا یافتہ اور چیز معطا شدہ کا ذکر نہیں کیا ۔ بلکہ ذکر کرنا بلاغت اور کمال معنی میں مخل انداز تھا ۔ اور جہاں یہ مقصود تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کسی عطیہ کے پانے میں ظاہر کی جائے ۔ وہاں دونوں مفعول بیان کئے ۔ کیونکہ انا اعطیناک الکوثر فرمانے کے بغیر مقصود پیدا نہ ہو سکتا تھا ۔ اہل نار کے قول میں فرمایا ولم نک نطعم المسکین یہاں مقصود یہ تھا ۔ کہ اہل نار نے بخل کیا اور مستحقین کو حق نہ پہنچایا ۔ اس لیے مسکین کا ذکر فرمایا ۔ اور ذکرِ مطعوم چھوڑ دیا ۔ قرآن مجید کے اس طریقہ پر جو کوئی غور کرے گا ۔ اور دیکھے گا کہ کیونکر اہم مقصود کا ذکر کیا جاتا ہے اور دوسرے کو حذف کر دیا جاتا ہے تو اُسے ابواب اعجاز میں سے ایک باب ملے گا اور کمال فصاحت کا دروازہ اس پر کھل جائے گا ۔

رہا فعل ترک سو اُس سے ان میں سے کوئی بات حاصل نہیں ۔ کیونکہ اس کے ساتھ مدح نہیں کی اور اگر یوں کہیں کہ فلاں چیز ترک تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا ۔ کہ کیا چیز ۔ مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں معطی اللہ تعالیٰ کے اسماء میں بھی معطی ایک اسم ہے ۔ لہذا ترک کا قیاس اعطی پر کرنا بہت غلط قیاس ہے ۔ اور سلام علی نوح فی العالمین ۔ تو جملہ محکیہ ہے ۔ زمخشری کا قول ہے ۔ کہ آخری امم میں جو کلمہ اس پر چھوڑا گیا ہے وہ سلام بر نوح ہے ۔ یہ کلام محکی ہے جیسے کوئی کہے قرأت سورہ انزلنا ۔

۵ ۔ اللہ تعالیٰ نے سلام علی نوح فی العالمین فرمایا ہے ۔ پس وہ سلام یہی ہو سکتا ہے جو سب

اللہ تعالٰے کی طرف سے بھی سلام ہے اور بندوں کو بھی ان پر سلام کا حکم ہے۔
رہا انبیاء پر صلوٰۃ کا ہونا۔ اس کے متعلق اسمٰعیل نے سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صلوا علی انبیاء اللہ ورسلہ فان اللہ بعثھم کما بعثنی؛ اس باب میں حضرت انس سے یا بقول انس عن ابی طلحہ سے بھی حدیث ہے۔
حافظ ابوموسٰی مدینی کہتے ہیں۔ مجھے اسناد کے ساتھ بعض سلف سے پہنچا ہے کہ انہوں نے آدم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ گویا شکایت کر رہے ہیں کہ ان کی اولاد ان پر درود کم بھیجتی ہے۔ (صلی اللہ علی نبینا محمد وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین)۔
ایک سے زیادہ علماء نے اس مسئلہ پر اجماع کیا ہے کہ جملہ انبیاء پر صلوٰۃ مشروع ہے۔

ان پر بھیجتے ہیں۔ اور ان کی ثنا کرتے۔ رہا اللہ تعالٰے کا سلام وہ عالمین کے اندر مقید نہیں۔ اسی لیے یہ بھی مشروع نہیں ہو سکتا۔ کہ اللہ تعالٰے سے یوں سوال کیا جاوے کہ اللھم سلم علی رسولک فی العالمین۔ لیکن اگر یہ سلام اللہ کا سلام ہوتا تو ضرور اس طریق پر اللہ سے اس طلب کا کیا جانا مشروع بھی ہوتا۔
رہا ان کا یہ قول کہ اللہ تعالٰے نے تمام پر عالمین میں سلام کیا اور آخرین میں باقی چھوڑا۔ سو اللہ تعالٰے نے جمیع انبیاء و رسل پر سلام اور ثناء حسن پس آیندگان میں باقی رکھی ہے۔ کیونکہ انہوں نے پروردگار کے احکام کو پہنچایا۔ اور اللہ کی راہ میں تکلیف واذیت کو برداشت فرمایا۔ حضرت نوحؑ کے بارہ میں اللہ تعالٰے نے خبر دی ہے کہ جو کچھ ان کے لیے رکھا گیا ہے۔ وہ جملہ عالمین میں عام ہے۔ اور یہ تحیت ایسی ہے جس سے کوئی قوم خالی نہیں۔ اللہ تعالٰے نے اس تحیت کو ملائکہ اور جن وانس میں مداومت بخشی ہے۔ اور ہر طبقہ وہر زمانہ میں ان کے صبر اور قیام بر حق کی جزا عطا فرمائی ہے۔ کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالٰے نے اہل ارض کی طرف بھیجا۔ اور باقی مرسلین ان کے دین پر مبعوث کئے گئے اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا۔ (تمہارے لیے دین میں وہی مشروع کیا۔ جس کی وصیت نوح علیہ السلام کو کی تھی)۔
رہا ان کا یہ کہنا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ سو انہوں نے سلام سے ثناء حسن اور لسان صدق کے مراد لینے میں گویا سلام کے معنے اور فائدہ کو بیان فرمادیا ہے ۱۲ منہ

شیخ امام نووی بھی ان میں سے ہیں۔
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے کے لیے صلوٰۃ نہیں۔ اصحاب مالک نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ جس طرح پر ہم کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ اس طرح دیگر انبیاء کے لیے ہم کو حکم نہیں دیا گیا۔

غیر انبیاء پر صلوٰۃ کا مسئلہ

اس میں کچھ اختلاف نہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غیر انبیاء پر صلوٰۃ کا استعمال فرماتے تھے۔
جن کا مذہب یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ واجب ہے۔ آل پر واجب ہونے کے بارہ میں ان کے دو مشہور قول ہیں۔ اور یہ دونوں طریق شافعیہ کے ہیں۔

۱۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر تو درود واجب ہے۔ اور آل پر وجوب کے بارہ میں امام شافعی رہ کے دو قول ہیں۔ یہ طریقہ تو امام الحرمین اور غزالی رہ کا ہے۔

۲۔ آل پر وجوب کی دو وجوہ ہیں۔ اور یہ طریق ان کے نزدیک مشہور ہے۔ اور جنہوں نے اس کی تصحیح کی ہے وہ کہتے ہیں۔ کہ آل پر درود واجب نہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب بھی آل پر وجوب صلوٰۃ میں مختلف ہیں۔ اور دو وجوہ بیان کرتے ہیں۔ اور اگر آل کی جگہ لفظ اہل بدل دیا جائے اور اللھم صل علی محمد و اھل محمد کہا جائے تو اجزاء میں دو وجوہ ہیں۔
بعض شافعیہ نے اس مسئلہ پر اجماع بیان کیا ہے۔ کہ صلوٰۃ آل پر مستحب ہے مگر اس بارہ میں کوئی اجماع ثابت نہیں۔

صرف آل پر درود ہو سکتا ہے یا نہیں

اس کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ اللھم صل علی آل محمد کہا جائے۔ یہ صورت جواز ہے۔ کیونکہ آل میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں۔ اور گو یہاں لفظی طور پر حضور کا ذکر مبارک نہیں ہوا۔ مگر معنی میں حضور

شامل ہیں۔

۲۔ آل اطہار میں سے کسی ایک کا منفرد ذکر کیا جائے۔ اور صل علی علی یا صل علی حسن و صل علی حسین یا فاطمہ (رضی اللہ عنہم) وغیرہ کہا جائے۔ تو اس بارہ میں خلاف ہے۔

آل کے سوا اوروں پر صلوٰۃ

کو امام مالک رح نے مکروہ سمجھا ہے۔ اور فرمایا کہ گزشتہ زمانہ میں یہ عمل نہ تھا۔ امام ابوحنیفہ رح و سفیان بن عینیہ و سفیان ثوری و طاؤس (رحمۃ اللہ علیہم) کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا اور پر صلوٰۃ شایاں نہیں۔ اسمٰعیل رض بن اسحاق رض نے سند کے ساتھ عکرمہ رح سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ

"نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا صلوٰۃ کی صلاحیت دوسرے کو نہیں ہاں مسلمان و مسلمات کے لیے دعا و استغفار ہے"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رح (مجدد اول) کا مذہب بھی یہی ہے۔ انہوں نے فرمان تحریر فرمایا تھا۔ کہ قصہ خواں۔ داستان گو لوگوں نے یہ بدعت نکال لی ہے۔ کہ ملوک اور امراء کے لیے لفظ صلوٰۃ کا استعمال کرتے ہیں۔ جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ اس تحریر کو دیکھ کر حکم دیا جائے کہ صلوٰۃ انبیاء کے لیے اور دعا عام مسلمانوں کے لیے کرنی چاہیئے۔ اصحاب شافعی رح کا بھی یہی مذہب ہے۔ مگر اس مسئلہ میں ان کے ہاں تین صورتیں ہیں :۔

۱۔ ایسا کرنا منع تحریمی ہے۔

۲۔ مکروہ تنزیہی ہے۔

۳۔ صرف ترک اولیٰ ہے۔

اذکار میں نووی رح نے اسی کو ذکر کیا ہے۔ لیکن جس پر اکثر کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے۔

کیا سلام بمعنی صلوٰۃ ہے

ایک گروہ نے جس میں سے ابو محمد جوینی ہیں السلام علی فلان یا فلان علیہ السلام کہنے کو مکروہ سمجھا ہے۔ اور علی علیہ السلام یا حسن علیہ السلام کہنے میں کراہیت بیان کی ہے۔ مگر

اور لوگوں نے صلوٰۃ وسلام میں فرق سمجھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سلام تو ہر ایک مومن کے لیے زندہ ہو یا مردہ۔ حاضر ہو یا غائب مشروع ہے۔ چنانچہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کو میرا سلام کہہ دینا سلام تو تحیتِ اہلِ اسلام ہے۔ برخلاف صلوٰۃ کے جو رسول اور آل رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حقوق میں سے ہے۔ دیکھو نمازی نماز میں السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین تو پڑھتا ہے مگر الصلوٰۃ علینا وعلی عباد اللہ الصالحین! کبھی نہیں پڑھتا۔ اس سے سلام اور صلوٰۃ میں فرق معلوم ہو گیا۔ اس قول کی حجت چند وجوہ ہے۔

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول جو ابھی لکھا جا چکا ہے۔

۲۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم و آل پاک کے سوا غیر پر صلوٰۃ کا استعمال اہلِ بدع کا شعار ہے۔

۳۔ سلفِ امت کا اس پر عمل نہ ہونا جیسا کہ امام مالک نے حجت پکڑی ہے۔ کیونکہ اگر اس میں کوئی خوبی ہوتی تو وہ ضرور اس پر سبقت کرتے۔

۴۔ زبانِ امت پر لفظ صلوٰۃ کا یاد آوری نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہونا۔ یعنی جس طرح اللہ پاک کے نام کے ساتھ عزوجل یا سبحانہ وتعالےٰ مخصوص ہو گئے ہیں۔ اور کوئی شخص محمد عزوجل یا نبی سبحانہ وتعالےٰ نہیں بولتا۔ اور جیسا تنا ہے کہ خالق کا درجہ مخلوق کو نہیں دیا جاتا۔ اسی طرح شایاں نہیں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا درجہ غیر کو دیا جائے۔ اس سے معلوم ہو گیا۔ کہ اگر کسی کو صلے اللہ علیہ وسلم نہیں کہا جائے گا۔

۵۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا۔ جب اس سے یہ ثابت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اوروں کی طرح پکارنا نہ چاہیئے۔ تو صلوٰۃ میں بھی اند کا حصہ نہ چاہیئے۔

۶۔ امت کے لیے مشروع یہ ہے کہ نماز میں صالحین پر سلام کریں۔ اور اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ۔ اس سے واضح ہے کہ صلوٰۃ۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ایسا حق ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

۷۔ قرآن مجید میں جس مقام پر صلوٰۃ بر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ اس موقعہ پر حضور کے دیگر حقوق اور خواص جو ذاتِ مبارک سے ہی خصوصیت رکھتے ہیں بیان فرمائے گئے ہیں۔ جس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ صلوٰۃ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی ایک خاص حق ہے اور آل بھی اس میں حضور کی تابع ہے۔

۸ - اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمایا ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے لیے دعا مانگیں استغفار کریں۔ حیات و ممات کے بعد ایک دوسرے پر ترحم کریں۔ نیز مشروع فرمایا کہ اپنے آقا نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر حضور کی حیات میں نیز بعد حیات صلوٰۃ پڑھا کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا مسلمانوں کا حق ہے اور صلوٰۃ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا۔ ایک کی جگہ دوسرے کے لیے نہیں۔ نماز جنازہ دیکھو۔ کہ میت کے لیے دعا مانگی۔ اور سوال بخشش و رحمت کیا جاتا ہے۔ مگر صلوٰۃ اس پر کوئی نہیں بھیجتا۔ اور اللھم صل علیہ وسلم کوئی نہیں کہتا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و درود پڑھا جاتا ہے اور اس کے عوض اللھم اغفر لہ وارحمہ نہیں بولا جاتا۔ غرض ہر ایک حقدار کو اس کا حق دینا چاہیئے۔

۹ - مومن کو بہت بڑی حاجت ہے کہ اس کے لیے مغفرت و رحمت اور عذاب سے دعائے نجات کی جائے۔ مگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم ایسی دعا کے محتاج نہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے کا جو حکم دیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر احسان ہے کہ وہ اس درود خوانی سے کرامت و شرافت حاصل کر سکیں۔ برخلاف امت کے۔ جس کا ہر فرد بجائے خود دوسرے کی دعا مغفرت و رحم کا محتاج ہے یہی وجہ ہے کہ شرع نے اہل ایمان کو ان کے درجہ پر ٹھہرایا۔ اور جناب نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کا منصب علیا حضور کے لیے ہی خاص رکھا۔

۱۰ - اگر یہ مان لیا جائے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے پر اطلاق صلوٰۃ ہو سکتا ہے تو یا تو اس ایک خاص امتی کی خصوصیت سمجھی جائے گی۔ یا ہر ایک مسلمان کے لیے ایسا کرنا جائز ہوگا۔ خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ تخصیص بلا مخصص ہے۔ اگر عدم خصوصیت کو مان لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ جس کو دعا کا حق حاصل ہے۔ اسے صلوٰۃ کا بھی ہے تو اس میں کل مسلمان شامل ہوں گے۔ حتیٰ کہ اہل کبائر بھی۔ اور اللھم تب علیہ۔ اللھم اغفر لہ کی بجائے ان کو اللھم صل علیہ کہنا بھی درست ہوگا لیکن یہ محض باطل ہے۔ اگر صرف صالحین کے لیے جائز ہوگی۔ تو نہ اس پر کوئی دلیل ہے اور نہ اس کا کوئی ضابطہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کسی شخص کا صالح یا غیر صالح ہونا ایک ایسا وصف ہے جو زیادۃ و نقصان قبول کرتا رہتا ہے۔ ولی و متقی و مومن ہونا بھی یہی صورت

رکھتا ہے۔ کہ زیادۃ و نقصان سب کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ تو پھر کون سا ضابطہ ہے۔ کرامت میں سے فلاں شخص پر صلوٰۃ نہ بھیج سکتے ہیں۔ اور فلاں پر نہیں۔
غرض ان وجوہ سے صلوٰۃ کا نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مخصوص و آل نبی معصوم کی تبعیت میں یعنی ہونا معلوم ہو گیا۔

جن لوگوں کو اس میں خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی و آل نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غیر پر بھی صلوٰۃ جائز ہے۔ اس کو قاضی ابوالحسین بن فراء نے رؤس مسائل میں بیان کیا ہے اور یہی قول حسن بصری و خصیف و مجاہد و مقاتل بن سلیمان و مقاتل ابن حیان اور اکثر اہل تفسیر کا ہے۔ اور یہی قول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ روایت ابوداؤد میں اسی پر نص کیا ہے۔ چنانچہ ان سے سوال کیا گیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے پر بھی صلوٰۃ شایاں ہے۔ کہا۔ کیا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نہ کہا تھا۔ صلی اللہ علیک کہا یہی قول اسحاق بن راہویہ و ابوثور و محمد بن جریر طبری وغیرہ کا ہے۔ ابوبکر بن ابوداؤد نے یہی قول اپنے باپ سے روایت کیا ہے۔ قاضی ابوالحسین کہتے ہیں کہ اسی پر عمل ہے۔ ان کی حجت بوجوہ ہے :۔

۱۔ اللہ تعالے نے فرمایا ہے خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم اس میں حکم ہے۔ کہ امت سے وہ صدقہ وصول کریں۔ اور ان پر صلوٰۃ بھیجیں اور ظاہر ہے۔ کہ خلفاء و ائمہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صدقہ وصول کیا کرتے تھے ——————— جس طرح خود آنحضرت صلعم وصول فرمایا کرتے۔ اس لیے ان کے لیے بھی مشروع ہے۔ کہ صدقہ دہندہ پر صلوٰۃ بھیجیں۔ جیسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان پر بھیجا کرتے تھے۔

۲۔ صحیحین میں عبداللہ بن ابی اوفی رضہ سے ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی قوم صدقہ لے کر آتی۔ تو فرمایا کرتے اللھم صل علی آل ابی فلان چنانچہ میرا باپ صدقہ لے کر آیا۔ تو فرمایا اللھم صل علی آل ابی اوفی۔ اور اصل اس بارہ میں عدم اختصاص ہے۔ اور آیت بالا سے بھی یہی مراد ہے۔

۳۔ جابر نے سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضہ سے روایت کی ہے۔ کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے شوہر پر صلوٰۃ فرمایئے۔ فرمایا

صلی اللہ علیک وعلی ناد جلک ! اس کو امام احمد رد نے اور سنن میں ابو داؤد رو نے روائیت کیا ہے۔

۴۔ ابن سعد نے کتاب الطبقات میں سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر داخل ہوئے۔ اور وہ کفنائے گئے تھے۔ جب قریب آپہنچے تو فرمایا۔

صلی اللہ علیک ما انبئ الی اللہ لصحیفتہ احب الی من ھذا المسجی بینکم ! — اللہ تجھ پر صلوٰۃ بھیجے۔ کوئی شخص اللہ تعالےٰ کو نامۂ اعمال سے کر نہیں ملا۔ جو مجھے اس کفنائے ہوئے سے زیادہ محبوب ہو۔

۵۔ اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جنازہ پر تکبیر کہتے۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے۔ اور پھر کہا کرتے۔

اللھم بارک فیہ وصل علیہ واغفرلہ وادردہ حوض نبیک صلی اللہ علیہ وسلم ! — الٰہی اس میں برکت دے۔ اس پر صلوٰۃ بھیج۔ اسے بخش دے۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حوض پر اسے وارد کر۔

۶۔ صلوٰۃ تو دعا ہے۔ اور دعا کے لیے حکم واجازت ہے۔ یہ دلیل ابوالحسین کی ہے۔

۷۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ کہا جب مومن کی روح نکلتی ہے اُسے دو فرشتے ملتے ہیں۔ جو اوپر لے جاتے ہیں۔ پھر ابوہریرہ رضہ نے اس کی پاکیزہ خوشبو کا ذکر کرکے کہا۔ اور آسمان کے باشندے کہتے ہیں۔ پاک روح ہے۔ جو زمین سے آئی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی تجھ پر۔ اور تیرے جسم پر جسے تو نے آباد رکھا صلوٰۃ ہو۔[۱]

---

[۱] حدیث کو امام مسلم نے ابوہریرہ رضہ سے اسی طرح موقوفاً ذکر کیا ہے۔ سیاق حدیث مرفوع ہونے پر دلالت رکھتا ہے۔ کیونکہ یوں ہے کہ جب کافر کی روح نکلتی ہے (پھر ابوہریرہ رضہ نے اس کی سڑاہند اور لعنت کا ذکر کیا) تو آسمان والے کہتے ہیں کہ خبیث روح ہے جو زمین سے آئی ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ اسے لے جاؤ۔ (سجین میں) آخر وقت (قیامت) تک۔ ابوہریرہ رضہ نے کہا۔ کہ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک باریک کپڑا اپنے ناک پر ڈال لیا۔ (یعنی سڑاہند کے ذکر پر) اس سے معلوم

حدیث بالا میں دلیل یہ ہے۔ کہ جب فرشتے روحِ مومن کو صلی اللہ علیک کہتے ہیں تو مومنین کو باہم کہنا بھی جائز ہے۔

۸۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان اللہ وملئکتہ یصلون علی معلم الناس الخیر

۹۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

ھو الذی یصلی علیکم و ملائکتہ ؕ وہ صلوٰۃ بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے۔

۱۰۔ ابوداؤد میں حدیث عائشہ صدیقہ رضہ ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی امیا من الصفوف ؕ اللہ اور فرشتے صف کی داہنی طرف پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے۔

ان اللہ وملئکتہ یصلون علی الذین یصلون الصفوف ؕ اور فرشتے ان پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ جو صفوں کو ملاتے ہیں۔

شروع کتاب میں وہ حدیث لکھی جاچکی ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ درود خواں پر ملائکہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔

۱۱۔ قاضی ابوالعلی نے اس حدیث مرسل سے حجت پکڑی ہے۔

اللھم صلے علی ابی بکر فانہ یحب اللہ ورسولہ۔ اللھم صل علی عمر فانہ یحب اللہ ورسولہ۔ اللھم صل علی عثمان فانہ یحب اللہ ورسولہ۔ اللھم صل علی علی فانہ یحب اللہ ورسولہ۔ اللھم صل علی ابی عبیدہ فانہ یحب اللہ ورسولہ۔ اللھم صل علی عمرو بن العاص فانہ یحب اللہ ورسولہ۔

ترجمہ:۔ الٰہی ابوبکر رضہ و عمر رضہ۔ عثمان رضہ۔ علی رضہ۔ ابوعبیدہ رضہ۔ عمرو بن العاص رضہ پر صلوٰۃ بھیج۔ کیونکہ اللہ اور رسول سے محبت رکھتے ہیں۔

۱۲۔ مؤطا میں عبداللہ بن دینار رضہ سے روایت ہے۔ میں نے عبداللہ بن عمر رضہ کو دیکھا کہ قبر نبوی

ہوتا ہے۔ کہ یہ حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ ایک جماعت نے اس کو ابوہریرہ رضہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ان میں سے ابوسلمہ و عمر بن حکم۔ اسمٰعیل و سعید بن یسار وغیرہ ہیں۔ اس حدیث اور اس کے امثال پر پوری بحث کتاب الروح والنفس میں ہے۔

پر کھڑے ہوتے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ پر صلوٰۃ بھیجتے ۔ یہ لفظ یحیٰے بن یحیٰے کے ہیں ؛

۱۳ ۔ صلوٰۃ بر انواع حدیث میں آچکا ہے ۔ اور یہ حدیث ان لوگوں پر حجت ہے جو ازواج کو آل میں جن پر صدقہ حرام ہے ۔ داخل نہیں کرتے ۔ پس جب صلوٰۃ ان پر جائز ہے تو دیگر صحابہ پر بھی جائز ٹھہرا ۔

۱۴ ۔ ابو یعلیٰ موصلی نے سند کے ساتھ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ۔ کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا سکھلائی ۔ اور حکم دیا کہ اپنے اہل کو بھی ہمیشہ پڑھنے کے لیے کہیں ۔ اور خود بھی صبح اٹھ کر پڑھا کریں ۔

لبیك اللھم لبیك ۔ لبیك و
سعدیك والخیر فی یدیك ومنك
والیك ۔ اللھم ما قلتُ من قول او
نذرتُ من نذر او حلفتُ من حلف
فمشیتك بین یدیہ ما شئت منه
کان ۔ وما لم تشأ لم یکن ولا حول ولا قوة
الا بك ۔ انت علی کل شیءٍ قدیر اللھم
وما صلیت من صلوة فعلی من
صلیت وما لعنت من لعن فعلی من
لعنت ۔ انت ولی فی الدنیا والاخرة
توفنی مسلمًا والحقنی
بالصالحین ؕ

حاضر ہوں یا اللہ حاضر ہوں ۔ حاضر ہوں اور فرمانبردار ہوں ۔ تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ۔ اور تجھ سے اور تیری جانب ہیں یا اللہ جو قول میں نے کہا ۔ اور جو نذر میں نے مانی ۔ یا جو حلف میں نے کیا ۔ سو تیری مشیت اس کے آگے ہے ۔ جو تو نے چاہا وہ ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا ۔ نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی توفیق تیری طرف سے ہے ۔ تو سب کچھ کر سکتا ہے ۔ یا اللہ جس پر میں نے صلوٰۃ بھیجی ۔ یہ وہی ہے جس پر تو نے بھیجی ۔ اور جس پر میں نے لعنت کی یہ وہی ہے ۔ جس پر تو نے کی ۔ تو دنیا و آخرت کا ولی ہے ۔ مجھے اسلام پر وفات دے اور صالحین کے ساتھ ملا دے ۔

وجہ استدلال اس دعا سے یہ ہے کہ اگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے پر صلوٰۃ مشروع نہ ہوتی تو اس سے استثنار صحیح نہ ہوتا ۔ کیونکہ جب بندہ اسی پر صلوٰۃ کہتا ہے جو اہل و مستحق ہے ۔ تو پھر استثنار کیا کرے گا ۔

گروہ اوّل کہتا ہے ۔ کہ جو دلائل تم نے بیان کی ہیں ۔ ان کا جواب یہ ہے ۔ کہ ان دلائل کی دو اقسام ہیں ۔

ایک قسم صحیح جن کا محلِ نزاع سے کچھ تعلق نہیں۔ اس لیے وہ ہمارے پر حجت نہیں۔
دوسری قسم وہ جس کی صحت معلوم نہیں۔ اس لیے وہ بھی حجت نہیں ہو سکتے۔
یہ امر تم پر بخوبی معلوم ہو جاوے گا۔ جب ہر ایک دلیل کے متعلق بیان کیا جاوے گا۔

تمہاری دلیل اول قرآن مجید کا لفظ وصل علیہم ہے۔ لیکن اس پر تو بحث نہیں۔ کیونکہ بحث یہ تھی۔ کہ آیا امت کو نبی و آل نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا اور پر صلوٰۃ بھیجنا مشروع ہے یا نہیں۔ اس کے جواب میں یہ پیش کرنا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص پر صلوٰۃ فرمائی ہے کیونکر اصلی جواب ہو سکتا ہے۔ یہ تو مسئلہ ہی جدا ہے۔

پہلا مسئلہ جس پر بحث ہے یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر جس صلوٰۃ کا حکم ہم کو دیا گیا ہے۔ آیا اس صلوٰۃ میں کوئی اور شخص بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ صلوٰۃ آنحضرتؐ کا ایک حق ہے جس کا ادا کرنا۔ اور جس کی ادائیگی پر قائم رہنا امت پر متعین کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہے۔ کہ اپنے حق سے ماسوا کسی کو مخصوص فرمالیں۔ اس کی مثال یہ ہے۔ کہ جو کوئی حضورؐ کو گالی دے۔ یا ایذا پہنچائے اس کو قتل کر ڈالنا حضورؐ کا ایک حق ہے۔ جو امت کو ادا کرنا ضروری ہے۔ لیکن خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایذا دہندہ کو معاف فرما دیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جب حضورؐ کو ایذا و تکلیف پہنچتی۔ تو فرمایا کرتے۔

"اللہ رحم کرے موسیٰ پر۔ ان کو اس سے زیادہ ایذا دی گئی۔ اور انہوں نے صبر کیا"

دلیل دوم جس میں ابی اوفیٰ پر صلوٰۃ کا ذکر ہے۔ اور دلیل سوم جس میں ایک عورت اور اس کے شوہر پر صلوٰۃ کا ذکر ہے۔ کا بھی یہی جواب ہے۔

یہی دلیل چہارم۔ کہ علی مرتضےٰ رضؓ نے عمر فاروق رضؓ کو صلی اللہ علیک کہا تھا اس کا جواب چند وجوہ سے ہے۔

۱۔ جعفر بن محمدؒ سے راویان حدیث نے روایت میں اختلاف کیا ہے۔ انس بن عیاض کی روایت میں یہ ہے۔ کہ جب عمر رضؓ کو غسل اور کفن دیا گیا۔ اور سریر پر رکھا گیا۔ تو علی رضؓ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے عمر رضؓ کی ثنا و کی الخ۔ محمدؒ اور یعلی نے اسی طرح

روایت کی ہے۔ اور لفظ (صلی اللہ علیک) روایت نہیں کیا۔ ورقاء بن عمر۔ اور سلیمان بن بلال اور یزید بن ہارون کی روائیتوں میں بھی یہ لفظ نہیں۔ عون بن ابی جحیفہ کی روائیت میں رحمک اللہ کا لفظ ہے۔ حازم نے سند کے ساتھ ایوب۔ اور عمرو بن دینار۔ اور ابی جھضم سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اور اس میں لفظ صلوٰۃ نہیں۔ اسی طرح قیس بن ربیع نے روائیت کی ہے۔

۲- ابن سعدؒ نے اس حدیث کی سند بیان نہیں کی۔ بلکہ طبقات میں یوں کہا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے ہم کو سفیان بن عیینہ رحؒ سے خبر دی کہ میں نے اس حدیث کو سفیان سے سنا ہے۔ اور اس میں صلی اللہ علیک کا لفظ ہے۔ سو یہ مبہم ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ محفوظ نہ رکھ سکا ہو۔ اس لیے حجت نہیں۔

۳- ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے بھی معارض ہے۔ جنہوں نے کہا ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے پر صلوٰۃ جائز نہیں۔

رہی تمہاری دلیل پنجم یعنی ابن عمر رضہ کا نماز جنازہ میں اللھم صلّ علیہ پڑھنا۔ اس کا جواب بچند وجوہ ہے۔

۱- نافع بن ابو نعیم حدیث میں محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ گو قرأت میں امام ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کہ ان سے قرآن لے لینا چاہیئے۔ اور حدیث میں کچھ نہیں۔ اس روایت کے محفوظ نہ ہونے پر یہ امر بھی دلالت کرتا ہے۔ کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کو روایت نہیں کیا۔ بلکہ ایک اثر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ پس اگر یہ روایت حضرت نافع مولیٰ ابن عمر رضہ کے پاس ہوتی۔ تب امام مالک رحہ بہ نسبت ابن نعیم کے زیادہ واقف ہوتے۔

۲- قول ابن عباس رضہ اس روایت کے خلاف ہے۔

رہی دلیل ششم کہ صلوٰۃ دعا ہے۔ اور دعا ہر ایک مسلمان کے لیے مشروع ہے اس کا جواب بچند وجوہ ہے۔

۱- یہ دعا مخصوص ہے۔ اور صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے اس کا حکم ہے دعا و صلوٰۃ میں وہی فرق عظیم ہے۔ جو امتی اور رسول میں ہے۔ مدعوٰلہ (رسول) کے

ساتھ الحاق صحیح نہیں تو دعائے مخصوص (صلوٰۃ) کے ساتھ بھی الحاق صحیح نہیں۔

۲۔ صلوٰۃ پر دعا کا قیاس صحیح نہیں جیسے رسولؐ پر غیر کا قیاس۔

۳۔ صلوٰۃ جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں مشروع ہے۔ وہ صرف دعا ہونے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ اس لیے کہ وہ دعا ہے بڑھ کر خصوصیت رکھتی ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ حضور کی تعظیم و تحمید۔ اور ثناء پر متضمن ہے۔

رہی دلیل ہفتم یعنے ملائکہ کا روح مومن کو صلی اللہ علیک کہنا۔ یہ محل نزاع سے تعلق نہیں رکھتا۔ بحث یہ ہے کہ ہم کو غیر نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ جائز ہے یا نہیں۔ رہے فرشتے۔ وہ احکام تکلیف بشری کی تحت میں نہیں۔ نہ اعمال میں ہمارا قول ہیں۔ کیونکہ کجا احکام ملک۔ اور کجا احکام بشر۔ فرشتے تو اللہ کے رسول اس کے تعلق و امر میں ہیں۔ اور اسی کے حکم سے تصرف کرتے ہیں۔ اسی تقریر سے ہر ایک دلیل کا جواب جس میں فرشتوں کی صلوٰۃ کا ذکر ہے آ گیا۔

رہا یہ قول کہ اللہ تعالے مومنین اور معلم خیر پر صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ یہ بھی مقام بحث کے خلاف ہے۔ کیونکہ بندہ کے فعل کا قیاس پروردگار کے فعل پر کیونکر ہو سکتا ہے۔ بندہ کی صلوٰۃ تو بمعنی دعا و طلب ہے۔ اور اللہ کی صلوٰۃ بمعنے اکرام و تعظیم اور محبت و ثناء۔ پس کہاں وہ صلوٰۃ اور کہاں یہ۔

رہی دلیل دہم جس میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ پر صلوٰۃ فرمائی ہے۔ اس کا جواب بچند وجوہ ہے۔

۱۔ صحت حدیث کا ہم کو علم نہیں۔ اور نہ اس کی اسناد بیان کی گئی ہے۔ جسے ہم دیکھ لیتے۔

۲۔ یہ مرسل ہے۔

۳۔ مقام بحث کے خلاف ہے۔ کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو تو اختیار ہے۔ مگر ہم کو ایسا اختیار نہیں۔

رہی دلیل یازدہم کہ ابن عمرؓ روضہ منورہ پر کھڑے ہو کر نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ پر صلوٰۃ پڑھتے۔ اس کا جواب بچند وجوہ ہے۔

۱۔ ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ اس روایت میں علماء نے یحییٰ بن یحییٰ اور ان کے اتباع پر

انکار کیا ہے۔ امام مالکؒ کی روایت میں یہ ہے۔ کہ ابن عمرؓ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھتے۔ اور ابوبکرؓ و عمرؓ پر دعا کرتے۔ ابن قاسم و قعنبی و ابن بکیر وغیرہ نے مالکؒ سے اسی طرح روایت کی ہے۔ اور موطا ابن وہب میں بھی اسی طرح ہے دیکھو اگر صلوٰۃ بمعنے دعا ہوتا۔ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے لفظ صلوٰۃ اور شیخین کے لیے لفظ دعا کی تفریق کی ضرورت نہ تھی۔

۲۔ قاعدہ ہے کہ جب دو فعل ایک جگہ لاتے ہیں۔ تو ان کے لیے ایک لفظ پر اکتفا کی جاتی ہے۔ گو وہ لفظ پہلے پر ٹھیک نہ آتا ہو۔ مثلاً اس نے دانہ کھلایا۔ سیف و نیزہ لٹکایا۔ آنکھوں اور ابروؤں کو درست و ہموار بنایا۔ ایسی مثالیں ہیں۔ جن میں یہی قاعدہ رکھا گیا ہے۔ اور چونکہ ایک فعل دوسرے فعل سے جنس عام میں موافق تھا۔ اس لیے ایک لفظ پر ہی اکتفا کی گئی۔ یعنی غذا میں گھاس پانی سے موافق ہے۔ اور تلوار کا لٹکانا۔ نیزہ کے اٹھانے سے۔ اسی طرح صلوٰۃ نبی دعا رشیخین سے طلب اور دعا کے معنی میں موافق ہے۔

۳۔ قول ابن عباسؓ اس روایت کے مخالف ہے۔

رہی دلیل سیزدہم کہ ازواج مطہرات پر اطلاق صلوٰۃ ہوا ہے۔ بالکل فاسد ہے۔ کیونکہ ازواج آل کے اندر داخل ہیں۔ یہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ کہ حضور کی اہل بیت اور ازواج اس بارہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں۔ رہا یہ اعتراض کہ ہم ازواج پر صدقہ کا حرام ہونا نہیں مانتے۔ سو اس کا یہ جواب ہے۔ کہ گو ازواج کا اس آل میں سے ہونا ثابت نہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ کیونکہ ان کو خون کی قرابت حاصل نہیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ازواج اہل بیت میں ضرور داخل ہیں۔ جو مستحق صلوٰۃ ہیں۔ اور ان ہر دو امور میں کچھ منافات نہیں۔

رہی یہ دلیل۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تبعیت میں دوسرے پر صلوٰۃ جائز ہے اور اس جواز پر سب کا اتفاق ہے اسکا جواب بادو وجوہ ہے۔

۱۔ اس اتفاق کی صحت معلوم نہیں۔ اور یہ تفصیل گو بعض نے کی ہے۔ مگر سب کا قول نہیں۔ بلکہ منع کرنے والوں نے تو مفرد اور تابع دونوں صورتوں میں منع کیا ہے۔

۲۔ یہ کہاں سے ثابت ہوا۔ کہ اگر تبعیت میں جواز ہے۔ تو مستقل اور مفرد حالت میں بھی

ہے۔ رہا احادیث صحیحہ کا سوال سو صحیح حدیثوں میں تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آل و ازواج کے سوا کسی پر صلٰوۃ کا ذکر نہیں۔ نہ اصحاب کا ذکر ہے نہ اتباع کا۔ رہا تشہد کا سوال۔ اس میں صلٰوۃ بر غیر کا حکم کہاں ہے۔

رہی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی دعا اور اس میں استثناء۔ سو اس حدیث میں ابوبکر بن ابی مریم ہے۔ امام احمد و ابن معین و ابوحاتم و نسائی و سعدی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ابن حبان کا قول ہے کہ وہ اہل شام کے نیک بندوں میں سے تھا۔ لیکن حافظہ خراب تھا ایسی ایسی باتیں روایت کرتا۔ جن پر تہمت لگائی جائے۔ جب یہ امر بکثرت پایا گیا۔ تو مستحق ترک ہو گیا۔

فصل الخطاب اس مسئلہ میں یہ ہے۔ کہ صلٰوۃ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا یا تو آل وازواج وذریت ہیں۔ یا ان کے سوا۔ آل وازواج وذریت پر مشروع تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تبعیت میں ہے۔ اور جائز منفرد بھی۔ رہے ان کے سوا اگر ملائکہ ہیں یا عام طور پر اہل طاعت ہیں۔ (جس میں انبیاء بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ اور غیر بھی) تب جائز ہے۔ اسی لیے اللھم صل علی ملائکتک المقربین واھل طاعتک اجمعین کہنا جائز ہے۔ لیکن اگر کسی شخص یا کسی گروہ کو معین کر دیا جائے۔ تب مکروہ ہے۔ اور اگر صلٰوۃ کو کسی کے لیے شعار بنا دیا جائے۔ کہ کبھی ترک ہی نہ کیا جائے۔ تو اس صورت میں حرام کہنے کے لیے وجہ موجود ہو گی۔ اور اس وقت ترک کرنا ضروری ہو جائے گا۔ لیکن اگر شعار نہ بنایا جائے۔ اور کبھی کبھار اطلاق کیا جائے۔ تب کچھ ڈر نہیں۔ اس تفصیل سے تمام ادلہ میں توافق ہو سکتا ہے۔ اور وجہ صواب منکشف ہو جاتی ہے[1]۔

---

[1] میرے نزدیک لفظ صلٰوۃ کے معنے ایک تو حقیقت شرعیہ ہیں۔ اور ایک حقیقت لغویہ۔ حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے اس لفظ کا اطلاق نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور حضور کے آل وازواج وذریت کے سوا مشروع و جائز نہیں۔ اور حقیقت لغویہ کے اعتبار سے جائز ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ شخص معین کے لیے شعار نہ بنایا جائے۔ اور عام صالحین یا اہل طاعت پر استعمال کیا جاوے۔

محمد سلیمان ۱۲ منہ

کتاب ختم ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ہے

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید۔ اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم
وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید۔ رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی
والدی وان اعمل صالحا ترضاہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی
من المسلمین۔ رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء ربنا
اغفر لی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب۔

رب اغفر لی ولاخی وادخلنا فی رحمتک وانت ارحم الراحمین۔
ثم الصلوٰۃ علی النبی فانہ یبتدی بہ الذکر الجمیل ویختتم۔

محمد سلیمان منصورپوری ولد قاضی احمد شاہ صاحب

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب
کی تالیف
"خلافت و ملوکیت، تاریخی و شرعی حیثیت"
اخبارات و رسائل اور علمائے حق کی نظر میں!

ہفت روزہ "چٹان" لاہور

زیرِ تبصرہ کتاب مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی کتاب "خلافت و ملوکیت" پر ایک تنقید ہے جو کئی حیثیتوں سے منفرد ہے۔ اس کے باب اول میں "چند بنیادی نکات کی وضاحت" کے عنوان سے اسلام کے نظامِ اجتماعی میں بگاڑ کی حقیقت اور اس کے اسباب پر ایک نئے زاویۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب دوم میں "خلافت و ملوکیت" کے اس ضمیمہ پر تفصیلی نقد کیا گیا ہے جس پر ابھی تک کسی نے قلم نہیں اٹھایا۔

تیسرے باب میں خلافتِ راشدہ کی خصوصیات پر ایک نئے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

چوتھے باب کی چھ فصلیں ہیں جن میں حضرت عثمانؓ پر اعتراضات کی حقیقت، حضرت علیؓ کی خلافت، جنگِ جمل، جنگِ صفین اور معاہدۂ تحکیم پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

پانچویں باب میں خلافت و ملوکیت کا فرق اور نوعیت بیان کی گئی ہے۔

آخر میں ان سوالات کی وضاحت کی گئی ہے جو مولانا سید مودودی نے اپنی کتاب کے بالکل آخر میں معترضین ناقدین سے کئے ہیں۔ اس کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ انداز خالص علمی متین اور سنجیدہ ہے۔ ذاتیات و طنز و تعریض سے اجتناب کیا گیا ہے۔"

(چٹان ۱۸ جنوری ۱۹۷۱ء)

روزنامہ "نوائے وقت" لاہور

"۵۸۴ صفحات کی یہ ضخیم کتاب مودودی صاحب کی تصنیف "خلافت و ملوکیت" کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے وہ تمام غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں جو مودودی صاحب کی کتاب نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں پیدا کی تھیں۔ روایات و اسناد کی خوب چھان بین کی گئی ہے اور خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کی عظمتِ شخصیت کو نکھار کر سامنے لے آیا گیا ہے۔ کتاب بحیثیتِ مجموعی معیاری ہے۔ کتاب کے آغاز میں بعض خالص علمی بحثیں ہیں جن سے اہلِ علم خاص طور سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

("نوائے وقت" ۱۱ اگست ۷۱ء)

ماہنامہ "بیّنات" کراچی

"مولانا صلاح الدین یوسف صاحب خوش نصیب اور لائق مبارکباد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس خدمتِ عظیم کی توفیق عطا فرمائی ہے اور ان کے قلم سے مودودی صاحب کی رسوائے عالم اور گمراہ کن کتاب "خلافت و ملوکیت" کا رد لکھوایا۔ یہ کتاب ہر شخص کے ہاتھ میں پہنچنی چاہیے خصوصاً جماعت اسلامی سے منسلک حضرات کو اس کا مطالعہ بہت غور سے کرنا چاہیے۔"

(بیّنات، جون ۱۹۷۱ء)

ماہنامہ "البلاغ" کراچی

"مولانا مودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" کی تردید میں اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے لیکن اپنی پیش رو تحریروں سے مندرجہ ذیل امور میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔

(۱) اس کتاب میں "خلافت و ملوکیت" پر ہر پہلو سے تنقید کی گئی ہے اس کے کسی ایک جزو پر نہیں۔

(۲) اس میں صرف مولانا مودودی صاحب کے بیان کردہ واقعات ہی پر تبصرہ نہیں کیا گیا بلکہ ان کے نظریۂ خلافت و ملوکیت سے بھی اختلاف کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں ان دلائل کا بھی جواب دیا گیا ہے جو مولانا مودودی صاحب نے اپنے ناقدین سے کئے ہیں اور اس طرح قرونِ اولیٰ کے تعامل کی ایک متبادل تشریح بھی پیش کی گئی ہے۔

(۳) "خلافت و ملوکیت" کے دوسرے ناقدین کے برخلاف اس کا اندازِ بیان بحیثیتِ مجموعی سنجیدہ باوقار اور عالمانہ ہے۔ جہاں تک ان اعتراضات کا تعلق ہے جو مولانا مودودی صاحب نے حضرت عثمان رض اور حضرت معاویہ رض وغیرہ پر کئے ہیں اس کے لحاظ سے یہ کتاب بحیثیتِ مجموعی نہایت قابلِ قدر اور اطمینان بخش ہوئی ہے۔ فاضل مؤلف نے جن مستحکم دلائل، ناقابلِ تردید شواہد، دل نشین طرزِ استدلال اور شگفتہ اندازِ بیان کے ساتھ ان حضرات کا دفاع کیا ہے اس پر وہ قابلِ مبارکباد ہیں خاص طور سے حضرت عثمان رض پر عائد کئے ہوئے اعتراضات کو فاضل مؤلف نے جس خوبی کے ساتھ دور کیا ہے اس کے بعد کسی انصاف پسند انسان کو اس معاملے میں کوئی شبہ نہیں رہنا چاہیئے۔ اسی طرح جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے واقعات کی جو مدلل تشریح و توضیح اس کتاب میں کی گئی ہے اس سے حضرت عائشہ رض اور حضرت معاویہ رض کا موقف پوری قوتِ استدلال کے ساتھ ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اور اس پس منظر سے یہ حقیقت اچھی طرح کھل جاتی ہے کہ ان حضرات کا موقف بے بنیاد (معاذ اللہ) یا ذاتی اغراض پر مبنی تھا۔ مولانا مودودی صاحب نے اپنے ناقدین کا جواب دیتے ہوئے "خلافت و ملوکیت" کے ضمیمہ میں جو اصولی بحثیں اٹھائی ہیں ان پر بھی فاضل مؤلف کا تبصرہ عموماً سیر حاصل اور تسلی بخش ہے۔ خاص طور پر تاریخی کتابوں کی علمی قدر و قیمت پر جو بحث انہوں نے کی ہے وہ بڑی جاندار بصیرت افروز اور سلامتِ فکر کی حامل ہے اور تاریخ اسلام کے طلباء کے لیے بہترین مشعلِ راہ۔

مذکورہ بالا مباحث پر گفتگو کرنے کے لیے مولانا محمد اسحاق ندیم یوسف صاحب نے تحقیق و تفتیش کا حق ادا کیا ہے اور محنت و عرق ریزی سے کام لے کر ان موضوعات پر قیمتی مواد جمع کر دیا ہے۔

یہ کتاب موضوع کی دوسری تمام کتابوں سے زیادہ جامع، مفصل اور تسلی بخش ہے اور ہم اس پیشکش پر مصنف کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔" (ماہنامہ البلاغ کراچی۔ مئی ۱۹۷۱ء)

مولانا ابوالحسن علی ندوی (بھارت)

"آپ کی مرسلہ کتاب مجھے پہنچ گئی، مختلف مقامات سے پڑھوا کر سنی، سنجیدہ اور عالمانہ ہے طرزِ تحریر شگفتہ ہے۔ شکریہ قبول فرمائیے۔ مخلص: ابوالحسن علی"

(مکتوبِ گرامی مرسلہ ۲۷ جون ۱۹۷۱ء)

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

الصلوٰۃ والسلام

علیٰ

خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

امام ابن قیّم الجوزیّہ رحمہ اللہ

ترجمہ: قاضی محمد سلیمان منصورپوری رحمہ اللہ سیشن جج ریاست پٹیالہ

ناشر

ادارہ ضیاء الحدیث ۔ مدنی روڈ مصطفےٰ آباد ○ لاہور